نام کتاب ---------- الفاروق

مصنف ---------- شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ

طابع ---------- مقبول الرحمٰن

ناشر ---------- مکتبہ رحمانیہ' لاہور

لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

فہرست مضامین الفاروق (حصہ اول)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	تمہید	۲۸
۲	تاریخ کا عنصر ہر قوم میں موجود ہوتا ہے	۲۸
۳	عرب کی خصوصیت	۲۸
۴	عرب میں تاریخ کی ابتدا	۲۹
۵	سیرت نبوی میں سب سے پہلی تصنیف	۲۹
۶	قدیم تاریخیں	۳۰
۷	قدماء کی جو تصنیفات آج موجود ہیں	۳۱
۸	متاخرین کا دور	۳۳
۹	متاخرین نے قدماء کی خصوصیتیں چھوڑ دیں	۳۳
۱۰	تاریخ کی تعریف	۳۴
۱۱	تاریخ کے لیے کیا کیا چیزیں لازم ہیں؟	۳۴
۱۲	قدیم تاریخوں کے نقص اور ان کے اسباب	۳۴
۱۳	واقعات کی صحت کا معیار	۳۴
۱۴	روایت	۳۶
۱۵	درایت	۳۶
۱۶	الفاروق میں قدیم تاریخوں کی کمی کس طرح پوری کی گئی	۳۷
۱۷	درایت کے اصول جن سے الفاروق میں کام لیا گیا	۳۸
۱۸	اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے	۳۹
۱۹	اصول درایت کے موجب واقعات کی صحت کے مراتب	۴۰
۲۰	تاریخ کا طرز	۴۱
۲۱	تاریخ اور انشا پردازی کا فرق	۴۱
۲۲	یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز	۴۲
۲۳	ترتیب کے متعلق چند امور قابل لحاظ	۴۲

۲۴ حضرت عمرؓ کا نام و نسب، سن رشد و تربیت

۲۵ حضرت عمرؓ کے جد امجد اور ان کو جو مرتبہ حاصل تھا ۴۴
۲۶ حضرت عمرؓ کے برادر عم زاد زید ۴۴
۲۷ حضرت عمرؓ کے والد خطاب ۴۵
۲۸ حضرت عمرؓ کی ولادت ۴۵
۲۹ سن رشد ۴۶
۳۰ نسب دانی کی تعلیم ۴۶
۳۱ فن پہلوانی کی تعلیم ۴۷
۳۲ شہسواری کی تعلیم اور مقرر ہونا ۴۷
۳۳ لکھنے کی تعلیم ۴۸
۳۴ فکر معاش ۴۸
۳۵ تجارت کے لیے سفر ۴۸
۳۶ قبول اسلام۔ ہجرت ۴۹

۳۷ حضرت عمرؓ کی ہجرت ۵۱
۳۸ حضرت عمرؓ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی ۵۱
۳۹ حضرت عمرؓ کی قیام گاہ ۵۱
۴۰ مہاجرین اور انصار میں اخوت ۵۲
۴۱ حضرت عمرؓ کے اسلامی بھائی ۵۲
۴۲ اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا ۵۳
۴۳ اھ (۶۲۳ء) تا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (غزوات و دیگر حالات) ۵۳

۴۴ غزوۂ بدر ۵۴
۴۵ قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے ۵۶
۴۶ غزوۂ سویق ۵۷
۴۷ غزوۂ احد ۳ھ ۵۷
۴۸ حضرت عمرؓ کے واقعہ احد میں ثابت قدم رہنے کی بحث ۵۹

۴۹	حضرت حفصہؓ کا عقد رسول اللہؐ کے ساتھ	۶۱
۵۰	واقعہ بنو نضیر ۴ھ (۶۲۶ء)	۶۱
۵۱	جنگ خندق یا احزاب ۵ھ (۶۲۷ء)	۶۳
۵۲	واقعہ حدیبیہ ۶ھ (۶۲۸ء)	۶۳
۵۳	حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا	۶۵
۵۴	جنگ خیبر ۷ھ (۶۲۹ء)	۶۵
۵۵	غزوۂ حنین	۶۷
۵۶	قرطاس کا واقعہ	۶۹
۵۷	**سقیفہ بنی ساعدہ، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف**	۷۳
۵۸	سقیفہ بنی ساعدہ کے متعلق جو غلطی چلی آتی ہے اس کی مفصل بحث	۷۳
۵۹	**خلافت اور فتوحات**	۷۹
۶۰	عراق و شام پر اسلامی حملہ کے اسباب	۸۰
۶۱	**فتوحات عراق**	۸۲
۶۲	عراق پر لشکر کشی	۸۴
۶۳	واقعہ بویب اور مسلمانوں کی شکست	۸۸
۶۴	**واقعہ بویب رمضان ۱۴ھ (۶۳۵ء)**	۸۸
۶۵	یزدگرد کی تخت نشینی اور ایرانیوں کی نئی تیاریاں	۹۱
۶۶	حضرت عمرؓ کا خود سپہ سالار بن کر مدینہ سے نکلنا	۹۱
۶۷	سعدؓ وقاص کی سپہ سالاری	۹۲
۶۸	فوج کی ترتیب اور ایک ایک حصہ فوج کے افسر	۹۳
۶۹	حضرت عمرؓ کی ہدایتیں	۹۴
۷۰	تبلیغ اسلام کے لیے ناموران عرب کا انتخاب	۹۵
۷۱	یزدگرد کے ساتھ سفرائے اسلام کا سوال جواب	۹۶
۷۲	ربعی کا سفیر بن کر رستم کے پاس جانا	۹۸
۷۳	مغیرہ کی سفارت	۹۸

۷۴	**قادسیہ کی جنگ اور فتح محرم ۱۴ھ (۶۳۵ء)**	۹۹
۷۵	فوج کی ترتیب	۹۹
۷۶	فوج کے جوش دلانے کے لیے فصحائے عرب کی آتش بیانی	۱۰۰
۷۷	ابو محجن ثقفی کا ایک پرجوش واقعہ	۱۰۳
۷۸	حضرت خنساءؓ کا اپنے بیٹوں کو اپنی پرزور تقریر سے جوش دلانا	۱۰۴
۷۹	اخیر معرکہ	۱۰۶
۸۰	رستم کا مارا جانا	۱۰۷
۸۱	فردوسی کی غلط بیانی کا اظہار	۱۰۷
۸۲	سعدؓ وقاص پر لوگوں کا طعن	۱۰۷
۸۳	انتظار فتح میں حضرت عمرؓ کی بیتابی	۱۰۸
۸۴	بابل کی فتح	۱۰۹
۸۵	مدائن کی فتح	۱۱۰
۸۶	اسلامی فوج کی عجیب و غریب بہادری سے دریا عبور کرنا	۱۱۰
۸۷	ایوان کسریٰ کی تصویروں کا قائم رکھنا	۱۱۱
۸۸	خزانہ نوشیرواں کی عجیب و غریب یادگاریں	۱۱۱
۸۹	**جلولا ۱۶ھ (۶۳۷ء) فتوحات شام**	۱۱۳
۹۰	شام کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات	۱۱۴
۹۱	**فتح دمشق**	۱۱۵
۹۲	حضرت خالدؓ کا عجیب و غریب بہادری سے شہرپناہ پر چڑھنا	۱۱۶
۹۳	**فحل ذوقعدہ ۱۴ھ (۶۳۵ء)**	۱۱۷
۹۴	حضرت معاذؓ بن جبل کی سفارت	۱۱۷
۹۵	**حمص ۱۴ھ (۶۳۵ء)**	۱۳۱
۹۶	حماۃ وغیرہ کی فتح	۱۳۱
۹۷	لاذقیہ کی فتح کی ایک عجیب و غریب تدبیر	۱۳۲

۹۸	**یرموک ۵ رجب ۱۵ھ (۶۳۶ء)**	۱۲۲
۹۹	ذمیوں کے ساتھ مراعات کی ایک عجیب مثال	۱۲۳
۱۰۰	جزیہ کے متعلق نہایت نتیجہ خیز واقعات	۱۲۴
۱۰۱	ایک عیسائی قاصد کا مسلمان ہونا	۱۲۷
۱۰۲	خالدؓ کا سفیر بن کر آنا	۱۲۷
۱۰۳	خالدؓ کی تقریر	۱۲۸
۱۰۴	حضرت خالدؓ کا نئے قاعدے سے فوج لڑانا	۱۲۹
۱۰۵	خطیبوں کا فوج کو جوش دلانا	۱۲۹
۱۰۶	عورتوں کا لڑنا	۱۳۰
۱۰۷	عیسائیوں کا حملہ	۱۳۰
۱۰۸	معاذؓ بن جبل وغیرہ کی عجیب ثابت قدمی	۱۳۰
۱۰۹	خالدؓ اور عکرمہؓ کا حملہ	۱۳۱
۱۱۰	مسلمان افسروں کی دلیری اور ثابت قدمی	۱۳۱
۱۱۱	ایک عجیب واقعہ	۱۳۳
۱۱۲	عیسائیوں کی شکست اور ان کے مقتولوں کی تعداد	۱۳۳
۱۱۳	قیصر کا قسطنطنیہ کو بھاگنا	۱۳۳
۱۱۴	حلب کی فتح	۱۳۴
۱۱۵	انطاکیہ وغیرہ کی فتح	۱۳۴
۱۱۶	**بیت المقدس ۱۶ھ (۶۳۷ء)**	۱۳۵
۱۱۷	حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کو روانہ ہونا	۱۳۵
۱۱۸	حضرت عمرؓ کے سفر کی سادگی	۱۳۵
۱۱۹	حضرت عمرؓ کا بیت المقدس میں داخلہ	۱۳۷
۱۲۰	حضرت بلالؓ کا نماز کے وقت اذان دینا	۱۳۷
۱۲۱	صخرہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کا برتاؤ	۱۳۷
۱۲۲	**حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش ۱۷ھ (۶۳۸ء)**	۱۳۸
۱۲۳	عیسائیوں کی طرف سے حملہ آوری	۱۳۸

۱۲۴ حضرت عمرؓ کا ہر طرف سے فوجوں کو بھیجنا ۱۳۸
۱۲۵ حضرت عمرؓ کا خود دمشق کو روانہ ہونا ۱۳۸
۱۲۶ عیسائیوں کی شکست ۱۳۹
۱۲۷ **حضرت خالدؓ کا معزول ہونا** ۱۳۹
۱۲۸ حضرت خالدؓ کی معزولی کے متعلق تمام مورخوں کی غلطی ۱۳۹
۱۲۹ معزولی کے اسباب ۱۴۰
۱۳۰ معزولی کی پر اثر کیفیت ۱۴۰
۱۳۱ حضرت عمرؓ کا یہ مشتہر کرنا کہ خالد کی معزولی خیانت کی وجہ سے نہ تھی ۱۴۱
۱۳۲ **عمواس کی وبا ۱۸ھ (۶۳۹ء)** ۱۴۱
۱۳۳ حضرت عمرؓ کا شام کی طرف روانہ ہونا ۱۴۱
۱۳۴ حضرت ابو عبیدہؓ کا حضرت عمرؓ پر آزادانہ معترض ہونا ۱۴۲
۱۳۵ معاذؓ بن جبل کی وفات ۱۴۲
۱۳۶ عمرو بن العاص کا حسن تدبر ۱۴۳
۱۳۷ حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام کر کے شام کو روانہ ہونا ۱۴۳
۱۳۸ سفر کی سادگی ۱۴۳
۱۳۹ مناسب انتظامات ۱۴۳
۱۴۰ **قیساریہ کی فتح شوال ۱۹ھ (۶۴۰ء) جزیرہ ۱۶ھ (۶۳۷ء)** ۱۴۴
۱۴۱ تکریت کی فتح ۱۴۴
۱۴۲ جزیرہ کے اور مقامات کی فتح ۱۴۵
۱۴۳ **خوزستان** ۱۴۶
۱۴۴ اہواز کی فتح ۱۴۶
۱۴۵ جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے حضرت عمرؓ کے حکم سے ان کا رہا ہونا ۱۴۶
۱۴۶ ہرمزان کی تیاریاں ۱۴۷
۱۴۷ ہرمزان کا امان طلب کرنا ۱۴۹
۱۴۸ ہرمزان کا شان و شوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہونا اور اہل عرب کی حیرت ۱۴۹

۱۴۹	ہرمزان کا اسلام لانا	۱۴۹
۱۵۰	**عراق عجم ۲۱ھ (۶۴۲ء)**	۱۵۰
۱۵۱	یزدگرد کا نئے سرے سے مسلمانوں پر حملہ کے لیے فوجوں کا فراہم کرنا	۱۵۱
۱۵۲	ڈیڑھ دو لاکھ فوجوں کا فراہم کرنا	۱۵۱
۱۵۳	حضرت عمرؓ کا اس مہم میں تمام صحابہ سے مشورہ کرنا	۱۵۱
۱۵۴	حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کی رائے پر عمل کرنا اور تیس ہزار فوج روانہ کرنا	۱۵۱
۱۵۵	مغیرہؓ کا سفیر بن کر جانا	۱۵۲
۱۵۶	جنگ کی تیاریاں	۱۵۲
۱۵۷	ضبط و استقلال کی عجیب مثال	۱۵۳
۱۵۸	عجم کی شکست	۱۵۴
۱۵۹	**ایران پر عام لشکر کشی ۲۱ھ (۶۴۲ء)**	۱۵۴
۱۶۰	حضرت عمرؓ خود حملہ کرنا نہیں چاہتے تھے	۱۵۴
۱۶۱	لشکر کشی کی وجہ	۱۵۴
۱۶۲	اصفہان کی فتح	۱۵۵
۱۶۳	ہمدان وغیرہ کی فتح	۱۵۵
۱۶۴	**آذربائیجان ۲۲ھ (۶۴۳ء)**	۱۵۶
	طبرستان ۲۲ھ (۶۴۳ء)	۱۵۷
۱۶۵	**آرمینیہ**	۱۵۷
	فارس ۲۳ھ (۶۴۴ء)	۱۵۸
۱۶۶	فارس پر حملہ کرنے کا اتفاقی سبب	۱۵۹
۱۶۷	اضلاع فارس کا مفتوح ہونا	۱۶۰
۱۶۸	**کرمان ۲۳ھ (۶۴۴ء)**	۱۶۰
	سیستان ۲۳ھ (۶۴۴ء)	۱۶۱
۱۶۹	معاہدے کی پابندی کی ایک عجیب مثال	۱۶۱
۱۷۰	**مکران ۲۳ھ (۶۴۴ء)**	۱۶۱

۱۷۱	**خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۲۳ھ (۶۴۴ء)**	۱۶۲
۱۷۲	یزدگرد کا خاقان چین سے مدد طلب کرنا	۱۶۲
۱۷۳	خاقان چین کی مدد سے یزدگرد کا مسلمانوں کے خلاف معرکہ	۱۶۲
۱۷۴	یزدگرد کی ہزیمت	۱۶۳
۱۷۵	**مصر کی فتح ۲۰ھ (۶۴۱ء)**	۱۶۴
۱۷۶	فسطاط کا محاصرہ	۱۶۵
۱۷۷	حضرت زبیرؓ کی جانبازی اور فسطاط کی فتح	۱۶۵
۱۷۸	عمروؓ بن عاص اور عیسائیوں کی باہمی دعوتیں	۱۶۵
۱۷۹	**اسکندریہ کی فتح ۲۱ھ (۴۲-۶۴۱ء)**	۱۶۶
۱۸۰	قبطیوں کا مسلمانوں کو مدد دینا	۱۶۷
۱۸۱	اسلامی فوج کا قلعہ میں گھسنا	۱۶۷
۱۸۲	عمروؓ بن عاص کا مقید ہونا اور حکمت عملی سے بچ کر نکل آنا	۱۶۸
۱۸۳	عبادہؓ بن صامت کا سپہ سالار بن کر حملہ کرنا	۱۶۸
۱۸۴	قاصد کا حضرت عمرؓ کے پاس پیغام فتح لے کر جانا	۱۶۸
۱۸۵	حضرت عمرؓ کا اسیران جنگ کو اختیار دینا کہ جس مذہب کو چاہیں قبول کریں	۱۶۹
۱۸۶	**حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ (۶۴۴ء)**	۱۷۰
	(کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ ۴ دن)	
۱۸۷	حضرت عمرؓ کا حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کیے جائیں	۱۷۱
۱۸۸	خلافت کے انتخاب میں عمرؓ کا تردد اور اس کا سبب	۱۷۱
۱۸۹	خلافت کے معاملے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس کی گفتگو	۱۷۲
۱۹۰	حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو سب سے بڑھ کر مستحق خلافت سمجھنا	۱۷۲
۱۹۱	حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت وصیتیں	۱۷۳
۱۹۲	غیر مذہب والوں کے ساتھ ہمدردی	۱۷۳
۱۹۳	حضرت عمرؓ کے قرضہ کے بندوبست	۱۷۳

الفاروق (حصہ دوم)

۱۹۴ **فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ** ۱۷۵

۱۹۵ فتوحات فاروقی کی وسعت ۱۷۵

۱۹۶ فتح کے اسباب یورپین مورخین کی رائے کے موافق ۱۷۶

۱۹۷ یورپین مورخین کی رائے کی غلطی ۱۷۶

۱۹۸ فتوحات کے اصلی اسباب ۱۷۸

۱۹۹ سکندر وغیرہ کی فتوحات کا موازنہ ۱۷۹

۲۰۰ فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص ۱۸۰

۲۰۱ **نظام حکومت** ۱۸۱

۲۰۲ حضرت عمرؓ کی حکومت شخصی تھی یا جمہوری؟ ۱۸۲

۲۰۳ جمہوری اور شخصی حکومت کا موازنہ ۱۸۲

۲۰۴ عرب و فارس وغیرہ میں جمہوری حکومت نہ تھی ۱۸۳

۲۰۵ حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل) ۱۸۳

۲۰۶ مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ ۱۸۴

۲۰۷ مجلس شوریٰ کے جلسے ۱۸۴

۲۰۸ ایک اور مجلس ۱۸۵

۲۰۹ حکومت میں رعایا کی مداخلت ۱۸۶

۲۱۰ خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا ۱۸۷

۲۱۱ حضرت عمرؓ کا ملکی انتظامات کے لیے الگ الگ صیغے قائم کرنا ۱۸۸

۲۱۲ **ملک کی تقسیم صوبجات اور اضلاع عہدہ داران ملکی** ۱۸۹

۲۱۳ حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے ۱۸۹

۲۱۴ نوشیروانی عہد کے صوبے ۱۹۰

۲۱۵ صوبوں کے افسر ۱۹۰

۲۱۶ عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی ۱۹۱

۲۱۷ عہدہ داروں کے مقرر کرنے کے لیے مجلس شوریٰ ۱۹۳

۲۱۸	تنخواہ کا معاملہ	۱۹۳
۲۱۹	عاملوں کے فرامین میں ان کے فرائض	۱۹۴
۲۲۰	عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا	۱۹۵
۲۲۱	عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست	۱۹۵
۲۲۲	زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی	۱۹۶
۲۲۳	عاملوں کو تنبیہہ	۱۹۶
۲۲۴	عاملوں کی تحقیقات	۱۹۷
۲۲۵	عاملوں کے ناجائز افعال پر نہایت سختی کے ساتھ گرفت	۱۹۸
۲۲۶	عاملوں کی تنخواہوں کا بیش قرار ہونا	۲۰۰
۲۲۷	عمالان فاروقؓ کی فہرست	۲۰۰
۲۲۸	**صیغہ محاصل (خراج)**	۲۰۱
۲۲۹	خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا	۲۰۱
۲۳۰	ممالک مفتوح کا اصلی باشندوں کے قبضہ میں چھوڑنا اور اس امر میں صحابہؓ کا اختلاف	۲۰۲
۲۳۱	حضرت عمرؓ کا استدلال	۲۰۲
۲۳۲	عراق کا بندوبست	۲۰۳
۲۳۳	افسران بندوبست	۲۰۳
۲۳۴	عراق کا کل رقبہ	۲۰۴
۲۳۵	لگان کی شرح	۲۰۴
۲۳۶	عراق کا خراج	۲۰۴
۲۳۷	زمیندار اور تعلقہ دار	۲۰۵
۲۳۸	پیداوار اور آمدنی میں ترقی	۲۰۵
۲۳۹	ہر سال مال گزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا	۲۰۵
۲۴۰	حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جس قدر خراج وصول ہوا زمانہ مابعد میں کبھی نہیں ہوا	۲۶۰
۲۴۱	خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا	۲۰۶
۲۴۲	مصر میں فرعون کے زمانہ کے قواعد مال گزاری	۲۰۶
۲۴۳	رومیوں کا اضافہ	۲۰۶

۲۴۴ حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی ۲۰۷
۲۴۵ مصر میں وصول مال گزاری ۲۰۷
۲۴۶ مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں ۲۰۹
۲۴۷ شام میں خراج کا قدیم طریقہ ۲۰۹
۲۴۸ قانون مال گزاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات ۲۱۰
۲۴۹ بندوبست مال گزاری میں ذمیوں کی رائے لینا ۲۱۲
۲۵۰ ترقی زراعت ۲۱۲
۲۵۱ محکمہ آبپاشی ۲۱۳
۲۵۲ خراجی اور عشری زمین کی تفریق ۲۱۳
۲۵۳ اور قسم کی آمدنیاں ۲۱۴
۲۵۴ گھوڑوں پر زکوٰۃ ۲۱۴
۲۵۵ عشور ۲۱۴

۲۵۶ **صیغہ عدالت** ۲۱۵

۲۵۷ محکمہ قضاء ۲۱۵
۲۵۸ رومن امپائر کے قواعد عدالت کا حضرت عمرؓ کے قواعد سے موازنہ ۲۱۶
۲۵۹ قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر ۲۱۶
۲۶۰ قضاۃ کا انتخاب ۲۱۹
۲۶۱ حضرت عمرؓ کے زمانہ کے احکام عدالت ۲۱۹
۲۶۲ قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا ۲۲۰
۲۶۳ رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل ۲۲۰
۲۶۴ انصاف میں مساوات ۲۲۱
۲۶۵ آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی ہونا ۲۲۱
۲۶۶ ماہرین فن کی شہادت ۲۲۱
۲۶۷ عدالت کا مکان ۲۲۲
۲۶۸ افتاء ۲۲۲
۲۶۹ محکمہ افتاء کی ضرورت ۲۲۲

۲۷۰	حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی	۲۲۳
۲۷۱	ہر شخص کو فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا	۲۲۳
۲۷۲	**فوجداری اور پولیس**	۲۲۴
۲۷۳	جیل خانہ کی ایجاد	۲۲۴
۲۷۴	جلاوطنی کی سزا	۲۲۵
۲۷۵	**بیت المال یا خزانہ**	۲۲۵
۲۷۶	بیت المال پہلے نہ تھا	۲۲۵
۲۷۷	بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟	۲۲۵
۲۷۸	بیت المال کے افسر	۲۲۶
۲۷۹	بیت المال کی عمارتیں	۲۲۶
۲۸۰	جو رقم دارالخلافہ کے خزانہ میں رہتی تھی	۲۲۷
۲۸۱	**پبلک ورکس (یا نظارت نافعہ)**	۲۲۷
۲۸۲	حضرت عمرؓ نے جو نہریں تیار کرائیں	۲۲۸
۲۸۳	نہر معقل	۲۸
۲۸۴	نہر سعد	۲۲۸
۲۸۵	نہر امیرالمومنین	۲۲۹
۲۸۶	نہر سویز کی تیاری کا ارادہ	۲۲۹
۲۸۷	حضرت عمرؓ کے عہد میں مختلف صیغوں کی عمارتیں	۲۳۰
۲۸۸	دارالامارۃ	۲۳۰
۲۸۹	دفتر	۲۳۰
۲۹۰	خزانہ	۲۳۰
۲۹۱	قید خانے	۲۳۰
۲۹۲	مہمان خانے	۲۳۰
۲۹۳	سڑکوں کا انتظام	۲۳۱
۲۹۴	مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں	۲۳۱

۲۹۵	**شہروں کا آباد کرنا**	۲۳۲
۲۹۶	بصرہ	۲۳۲
۲۹۷	کوفہ	۲۳۳
۲۹۸	فسطاط	۲۳۵
۲۹۹	فسطاط کی وسعت آبادی	۲۳۶
۳۰۰	موصل	۲۳۶
۳۰۱	جیزہ	۲۳۷
۳۰۲	**صیغہ فوج**	۲۳۸
۳۰۳	قدیم سلطنتوں کے فوجی انتظامات غیر مکمل	۲۳۸
۳۰۴	حضرت عمرؓ کے فوجی انتظام کی ابتداء	۲۳۹
۳۰۵	فوج کے رجسٹر کا مرتب ہونا	۲۴۰
۳۰۶	باقاعدہ فوج اور والنٹیئر	۲۴۱
۳۰۷	فوجی صدر مقامات	۲۴۲
۳۰۸	صدر مقامات میں فوج کے لیے جو انتظامات تھے ان کی تفصیل	۲۴۳
۳۰۹	فوجی بارکیں	۲۴۳
۳۱۰	گھوڑوں کی پرداخت	۲۴۳
۳۱۱	فوج کا دفتر	۲۴۴
۳۱۲	رسد کا غلہ	۲۴۴
۳۱۳	فوجی چھاؤنیوں کا قائم کرنا اور ان کا بندوبست	۲۴۴
۳۱۴	فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں	۲۴۷
۳۱۵	فوجی دفتر کی وسعت	۲۴۷
۳۱۶	ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی	۲۴۸
۳۱۷	حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام کس زمانہ تک قائم رہا اور اسکے تغیر کے نتائج	۲۴۸
۳۱۸	فوج میں عجمی، رومی، ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے	۲۴۸
۳۱۹	تنخواہوں میں ترقی	۲۵۰

۳۲۰ رسد کا انتظام ۲۵۰
۳۲۱ رسد کا مستقل محکمہ ۲۵۱
۳۲۲ خوراک، کپڑا اور بھتہ ۲۵۱
۳۲۳ تنخواہوں کی تقسیم کا طریقہ ۲۵۱
۳۲۴ تنخواہوں کی ترقی ۲۵۲
۳۲۵ اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم ۲۵۲
۳۲۶ بہار کے زمانے میں فوج کا قیام ۲۵۳
۳۲۷ آب و ہوا کا لحاظ ۲۵۳
۳۲۸ کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن ۲۵۳
۳۲۹ رخصت کے قاعدے ۲۵۳
۳۳۰ فوج کا لباس ۲۵۴
۳۳۱ فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم ۲۵۴
۳۳۲ فن جنگ میں ترقی ۲۴۵
۳۳۳ فوج کے مختلف حصے ۲۵۵
۳۳۴ ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں ۲۵۶
۳۳۵ قلعہ شکن آلات ۲۵۶
۳۳۶ سفرمینا ۲۵۶
۳۳۷ خبر رسانی اور جاسوسی ۲۵۶
۳۳۸ پرچہ نویسوں کا انتظام ۲۵۸
۳۳۹ **صیغہ تعلیم اور صیغہ مذہبی** ۲۵۸
۳۴۰ اشاعت اسلام کا طریقہ ۲۵۹
۳۴۱ اشاعت اسلام کے اسباب ۲۶۰
۳۴۲ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو لوگ اسلام لائے ۲۶۱
۳۴۳ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوشش کی ۲۶۴
۳۴۴ قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ اعراب کی تدبیریں ۲۶۵
۳۴۵ قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام ۲۶۵

۳۴۶ مکاتب قرآن ۲۶۵
۳۴۷ بدوؤں کو جبری تعلیم ۲۶۵
۳۴۸ کتابت کی تعلیم ۲۶۵
۳۴۹ قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کے لیے دور دراز مقامات پر بھیجنا ۲۶۶
۳۵۰ تعلیم قرآن کا طریقہ ۲۶۶
۳۵۱ دمشق کی مسجد میں طلبہ کی تعداد ۲۶۶
۳۵۲ اشاعت قرآن کے اور وسائل ۲۶۷
۳۵۳ حافظوں کی تعداد ۲۶۷
۳۵۴ صحت اعراب کی تدبیریں ۲۶۷
۳۵۵ ادب اور عربیت کی تعلیم ۲۶۸
۳۵۶ حدیث کی تعلیم ۲۶۸
۳۵۷ فقہ ۲۶۸
۳۵۸ مسائل فقہ کی اشاعت کی مختلف تدبیریں ۲۶۸
۳۵۹ پہلی تدبیر ۲۶۹
۳۶۰ دوسری تدبیر ۲۶۹
۳۶۱ تیسری تدبیر ۲۷۰
۳۶۲ چوتھی تدبیر ۲۷۰
۳۶۳ فقہ کی تعلیم کا انتظام ۲۷۱
۳۶۴ فقہاء کی تنخواہیں ۲۷۲
۳۶۵ معلمین فقہ کی رفعت شان ۲۷۲
۳۶۶ ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا ۲۷۲
۳۶۷ اماموں اور موذنوں کا تقرر ۲۷۳
۳۶۸ حاجیوں کی قافلہ سالاری ۲۷۳
۳۶۹ مساجد کی تعمیر ۲۷۳
۳۷۰ حرم محترم کی وسعت ۲۷۳
۳۷۱ حرم کی تجدید ۲۷۳

۳۷۲ مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت ۲۷۴
۳۷۳ مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام ۲۷۵
۳۷۴ **متفرق انتظامات** ۲۷۵
۳۷۵ سنہ ہجری کا مقرر کرنا ۲۷۵
۳۷۶ مختلف قسم کے رجسٹر ۲۷۶
۳۷۷ دفتر خراج ۲۹۶
۳۷۸ بیت المال کے کاغذات کا حساب ۲۷۷
۳۷۹ مصارف جنگ کے کاغذات ۲۷۷
۳۸۰ مردم شماری کے کاغذات ۲۷۷
۳۸۱ کاغذات کے حساب کے لکھنے کا طریقہ ۲۷۸
۳۸۲ سکہ ۲۷۸
۳۸۳ **ذمی رعایا کے حقوق** ۲۷۹
۳۸۴ قدیم سلطنتوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ ۲۷۹
۳۸۵ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ ۲۷۹
۳۸۶ بیت المقدس کا معاہدہ ۲۸۰
۳۸۷ ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر قرار دینا ۲۸۱
۳۸۸ بندوبست مال گذاری میں ذمیوں کا خیال ۲۸۲
۳۸۹ ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ ۲۸۲
۳۹۰ ذمیوں کی شرائط کا ایفاء ۲۸۳
۳۹۱ مذہبی امور کی آزادی ۲۸۴
۳۹۲ مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری ۲۸۵
۳۹۳ ذمیوں کی عزت کا خیال ۲۸۶
۳۹۴ سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک ۲۸۷
۳۹۵ ذمیوں پر ان رعایتوں کا کیا اثر ہوا؟ ۲۸۸
۳۹۶ ذمیوں کے حقوق کی نسبت غیر قوموں کی غلط فہمیوں کے وجوہ اور ان کا جواب ۲۸۸

۳۹۷ ذمیوں کو خاص لباس اور زنار کے استعمال کا کیوں حکم تھا ۲۸۹
۳۹۸ صلیب اور ناقوس کی بحث ۲۸۹
۳۹۹ اصطباغ کی بحث ۲۹۰
۴۰۰ عیسائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ ۲۹۱
۴۰۱ جزیہ کی بحث ۲۹۲
۴۰۲ **غلامی کا رواج کم کرنا** ۲۹۴
۴۰۳ عرب کا غلام نہ ہو سکنا ۲۹۴
۴۰۵ ممالک مفتوحہ میں غلام کو گھٹانا ۲۹۵
۴۰۶ حضرت شہربانو کا قصہ ۲۹۶
۴۰۷ شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ ۲۹۷
۴۰۸ غلاموں کے ساتھ مراعات ۲۹۷
۴۰۹ غلاموں کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا ۲۹۸
۴۱۰ غلاموں میں اہل کمال کا پیدا ہونا ۲۹۹
۴۱۱ **سیاست و تدبیر، عدل و انصاف** ۳۰۰
۴۱۲ عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریق سیاست میں فرق ۳۰۰
۴۱۳ حضرت عمرؓ کی مشکلات ۳۰۰
۴۱۴ حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں ۳۰۲
۴۱۵ اصول مساوات ۳۰۴
۴۱۶ امیرالمومنین کا لقب کیوں اختیار کیا؟ ۳۰۵
۴۱۷ سیاست ۳۰۶
۴۱۸ عہدہ داران سلطنت کا انتخاب ۳۰۸
۴۱۹ بے لاگ عدل و انصاف ۳۰۹
۴۲۰ قدیم سلطنتوں کے حالات اور انتظامات سے واقفیت کیلئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار ۳۱۱
۴۲۱ بیت المال کا خیال ۳۱۲
۴۲۲ تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا ۳۱۴

۴۲۳ رفاہ عامہ کے کام ۳۱۶
۴۲۴ غرباء اور مساکین کے روزینے ۳۱۶
۴۲۵ مہمان خانے ۳۱۶
۴۲۶ لاوارث بچے ۳۱۶
۴۲۷ یتیموں کی خبر گیری ۳۱۶
۴۲۸ قحط کا انتظام ۳۱۶
۴۲۹ رفاہ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی ۳۱۷
۴۳۰ جزئیات پر توجہ ۳۱۸
۴۳۱ رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل ۳۱۹
۴۳۲ سفارت ۳۱۹
۴۳۳ شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری ۳۱۹
۴۳۴ رعایا کی خبر گیری کے متعلق حضرت عمرؓ کی چند حکایتیں ۳۱۹
۴۳۵ امامت اور اجتہاد ۳۲۲
۴۳۶ مسائل اعتقادی میں حضرت عمرؓ کی نکتہ چینی ۳۲۳
۴۳۷ مسئلہ قضاو قدر ۳۲۳
۴۳۸ تعظیم شعائر اللہ ۳۲۴
۴۳۹ نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں ۳۲۵
۴۴۰ حضرت عمرؓ کے نزدیک احکام شریعت کا مصالح عقلی پر مبنی ہونا ۳۲۵
۴۴۱ حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی ۳۲۶
۴۴۲ اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا ۳۲۷
۴۴۳ غرور و فخر کا استیصال ۳۲۷
۴۴۴ ہجو کی ممانعت ۳۲۸
۴۴۵ ہوا پرستی کی روک ۳۲۸
۴۴۶ شاعری کی اصلاح ۳۲۹
۴۴۷ شراب خوری کی روک ۳۲۹
۴۴۸ آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا ۳۲۹

۴۴۹ حضرت عمرؓ کی اجتہادی حیثیت ۳۳۰
۴۵۰ احادیث کا تفحص ۳۳۱
۴۵۱ حدیثوں کی اشاعت ۳۳۱
۴۵۲ ایک دقیق نکتہ ۳۳۲
۴۵۳ احادیث میں فرق مراتب ۳۳۲
۴۵۴ روایات کی چھان بین ۳۳۳
۴۵۵ کثرت روایت سے روکنا ۳۳۵
۴۵۶ حضرت عمرؓ کی کم روایت کرنے کی وجہ ۳۳۶
۴۵۷ صحابہؓ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے ۳۳۸
۴۵۸ سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ کے اصول ۳۳۸
۴۵۹ علم فقہ ۳۳۸
۴۶۰ فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ ہیں ۳۳۹
۳۶۱ حضرت عمرؓ کا مشکل مسائل کو قلم بند کرنا ۳۴۲
۳۶۲ دقیق مسائل میں وقتاً" فوقتاً" خوض کرتے رہنا ۳۴۲
۳۶۳ فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا ۳۴۳
۳۶۴ لوگوں کا حضرت عمرؓ سے استفتاء کرنا ۳۴۳
۳۶۵ صحابہؓ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا ۳۴۳
۳۶۶ مسائل اجماعیہ ۳۴۴
۳۶۷ حضرت عمرؓ کے مسائل فقیہہ کی تعداد ۳۴۴
۳۶۸ حضرت عمرؓ کا اصول فقہ کو مرتب کرنا ۳۴۵
۳۶۹ خبر آحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث ۳۴۷
۳۷۰ قیاس ۳۴۸
۴۷۱ استنباط احکام کے اصول ۳۵۰
۴۷۲ حضرت عمرؓ کے مسائل فقیہہ کی تعداد ۳۵۱
۴۷۳ خمس کا مسئلہ ۳۵۲
۴۷۴ فے کا مسئلہ ۳۵۵

۴۷۵ باغ فدک کی بحث ۳۵۸

۴۷۶ ذاتی حالات اور اخلاق و عادات ۳۶۳

۴۷۷ عرب میں جو اوصاف لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے حضرت عمرؓ میں سب موجود تھے ۳۶۳

۴۷۸ قوت تقریر ۳۶۳

۴۷۹ خطبے ۳۶۴

۴۸۰ خطبے کے لیے تیار ہونا ۳۶۵

۴۸۱ نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے اور اس کی وجہ ۳۶۵

۴۸۲ بعض خطبوں کے اصلی الفاظ ۳۶۶

۴۸۳ قوت تحریر ۳۶۷

۴۸۴ مذاق شاعری ۳۶۷

۴۸۵ حضرت عمرؓ زہیر کو اشعر الشعراء کہتے تھے ۳۶۸

۴۸۶ زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا ایک ریمارک ۳۶۸

۴۸۷ نابغہ کی تعریف ۳۶۹

۴۸۸ امراء القیس کی نسبت ان کی رائے ۳۷۰

۴۸۹ شعر کا ذوق ۳۷۰

۴۹۰ حفظ اشعار ۳۷۰

۴۹۱ اشعار کو تعلیم میں داخل کرنا ۳۷۱

۴۹۲ شاعری کی اصلاح ۳۷۱

۴۹۳ لطیفہ ۳۷۱

۴۹۴ علم الانساب ۳۷۲

۴۹۵ عبرانی زبان سے واقفیت ۳۷۲

۴۹۶ ذہانت و طباعی ۳۷۳

۴۹۷ حکیمانہ مقولے ۳۷۴

۴۹۸ صائب الرائے ہونا ۳۷۵

۴۹۹ اسلام کے احکام جو حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قرار پائے ۳۷۵

۵۰۰ جن مسائل میں اور صحابہؓ نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا

۵۰۰	جن مسائل میں اور صحابہؓ نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا ان میں حضرت عمرؓ کی رائے صائب ہونا	۳۷۶
۵۰۱	قابلیت خلافت پر حضرت عمرؓ کی رائے	۳۷۶
۵۰۲	نکتہ سنجی اور غور رسی	۳۷۶
۵۰۳	مذہبی زندگی	۳۷۷
۵۰۴	بے تعصبی	۳۷۹
۵۰۵	علم فرائض کی درستی اور ترتیب کے لیے ایک یونانی عیسائی کو طلب کرنا	۳۷۹
۵۰۶	علمی صحبتیں	۳۸۰
۵۰۷	ارباب صحبت	۳۸۱
۵۰۸	اہل کمال کی قدر دانی	۳۸۳
۵۰۹	متعلقین جناب رسولؐ کا پاس و لحاظ	۳۸۵
۵۱۰	اخلاق و عادات، تواضع و سادگی	۳۸۶
۵۱۱	زندہ دلی، مزاج کی سختی	۳۸۷
۵۱۲	آل و اولاد کے ساتھ محبت، مسکن	۳۸۹
۵۱۳	وسائل معاش، تجارت جاگیر، مشاہرہ	۳۹۰
۵۱۴	زراعت، غذا، لباس، سادگی اور بے تکلفی	۳۹۱
۵۱۵	حلیہ، اولیات	۳۹۲
۵۱۶	**ازواج و اولاد**	۳۹۵
۵۱۷	ازواج	۳۹۵
۵۱۸	حضرت ام کلثومؓ سے نکاح کرنا	۳۹۶
۵۱۹	اولاد ذکور	۳۹۷
۵۲۰	عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۹۷
۵۲۱	سالم بن عبداللہ	۳۹۷
۵۲۲	عبید اللہ، عاصم	۳۹۸
۵۲۳	**خاتمہ**	۳۹۹

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ (طبع اول)

"الفاروق" جس کا غلغلہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے اول اول اس کا نام زبانوں پر اس تقریب سے آیا کہ "المامون" طبع اول کے دیباچہ میں ضمناً اس کا ذکر آ گیا تھا۔ اس کے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا' تاہم نام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلتا گیا' یہاں تک کہ اس کے ابتدائی اجزاء ابھی تیار نہیں ہو چکے تھے' کہ تمام ملک میں اس سرے سے اس سرے تک الفاروق کا لفظ بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔

ادھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رک گیا اور اس کی بجائے دوسرے کام چھڑ گئے' چنانچہ اس اثناء میں متعدد تصنیفیں مصنف کے قلم سے نکلیں اور شائع ہوئیں لیکن جو نگاہیں فاروق اعظمؓ کے کوکبہ جلال کا انتظار کر رہی تھیں ان کو کسی دوسرے جلوہ سے سیری نہیں ہو سکتی تھی' سوء اتفاق یہ کہ میرے ساتھ الفاروق کی طرف سے بے دلی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف سے گویا ہاتھ اٹھا لیا تھا' لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدائیں رہ رہ کر بلند ہوتی تھیں کہ میں مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھ کر اٹھا لیتا تھا' بالآخر ۱۸ اگست ۱۸۹۴ء کو میں نے قطعی فیصلہ کر لیا اور مستقل اور مسلسل طریقے سے اس کام کو شروع کیا' ملازمت کے فرائض اور اتفاق موانع وقتاً فوقتاً اب بھی سد راہ ہوتے رہے یہاں تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا ناغہ پیش آ گیا' لیکن چونکہ کام کا سلسلہ قطعاً بند نہیں ہوا اس لیے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا' یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے کچھ دونوں کے لیے آرام کیا۔

شکر کہ جمازہ بمنزل رسید　　زورق اندیشہ بساحل رسید

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے پہلے حصے میں تمہید کے علاوہ حضرت عمرؓ کی ولادت

سے وفات تک کے واقعات اور فتوحات ملکی کے حالات ہیں دوسرے حصے میں ان کے ملکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور یہ دوسرا حصہ مصنف کی سعی و محنت کا "تماشا گاہ" ہے۔

اس کتاب کی صحت طبع میں اگرچہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی' کاپیاں میں نے خود دیکھیں اور بنائیں لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجھ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس وادی کا مرد میدان نہیں' اور میں اس کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا' لیکن اگر صاحب مطبع اجازت دیں تو اس قدر کہنے کی جرات کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا میں تنہا مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں بہرحال کتاب کے آخر میں ایک غلط نامہ لگا دیا گیا ہے جو کفارہ جرم کا کام دے سکتا ہے۔

اس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نیا نظر آئے گا مثلاً اضافت کی حالت میں " مکہ" اور "مدینہ" کے بجائے "مکے" اور "مدینے" اور جمع کی حالت میں "موقع" اور "مجمع" کے بجائے "موقعے" اور "مجمعے" لیکن یہ میرا طریق املا نہیں ہے بلکہ کاپی نویس صاحب کا ہے اور وہ اس کے برخلاف عمل کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلہ آصفیہ کی فہرست میں داخل ہے لیکن پہلے سلسلہ آصفیہ کی ماہیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہیے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی بجمیع القابہ کو تمام ہندوستان جانتا ہے' وہ جس طرح بہت بڑے مصنف' بہت بڑے مترجم' بہت بڑے زبان داں ہیں' اسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعت علوم و فنون کے بہت بڑے مربی اور سرپرست ہیں اس دوسرے وصف نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ انہوں نے جناب نواب محمد فضل الدین خاں سکندر جنگ اقبال الدولہ' اقتدار الملک سر وقار الامراء بہادر کے سی' آئی' ای مدارالمہام دولت آصفیہ خلدھا اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ حضور پر نور' رستم دوراں افلاطون زماں فلک بارگاہ سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ ہزہائنیس نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ سلطان دکن خلد اللہ ملکہ کے سایہ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے جو سلسلہ آصفیہ کے لقب سے ملقب ہو اور وابستگان دولت آصفیہ کی جو تصنیفات خلعت قبول پائیں وہ اس

سلسلہ میں داخل ہو جائیں۔

جناب نواب صاحب ممدوح کو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتداء سے جو التفات و توجہ رہی ہے اور جس کی بہت سی محسوس یادگاریں اس وقت موجود ہیں اس کے لحاظ سے جناب ممدوح نے اس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا' چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے' اور ہمارے شمس العلماء کی کتاب تمدن عرب جس کی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اسی سلک کا ایک بیش بہا گوہر ہے۔

خاکسار کو ۱۸۹۶ء میں جناب ممدوح کی پیش گاہ سے عطیہ ماہوار کی جو سند عطا ہوئی اس میں یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اس سلسلے میں داخل کی جائیں۔

اسی بنا پر یہ ناچیز تصنیف بھی اس مبارک سلسلے میں داخل ہے۔

جلد اول کے آخر میں اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر بنو امیہ کے زمانے تک ہر عہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے جس کے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دنیا کا کس قدر حصہ اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گیا' یہ نقشہ اصل میں جرمن کے چند لائق پروفیسروں نے تیار کیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے بیانات سے پورا پورا مطابق نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ہم نے اصل کتاب کے حاشیہ میں موقع بموقع ان اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شبلی نعمانی

مقام اعظم گڑھ

دسمبر ۱۸۹۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ اول

اے ہمہ در پردہ نہان راز تو بے خبر انجام ز آغاز تو

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین-

تمہید- تاریخ کا عنصر تمدن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا ہیولیٰ پہلے سے موجود ہوتا ہے- تمدن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب مشہور ہو جاتا ہے مثلاً استدلال اور اثبات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب ان سے کام لیتے تھے لیکن جب ارسطو نے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا- تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کا فن ہے دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا' تاریخ و تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے کیونکہ فخرو ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے تفریح اور گرمی صحبت کے لیے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا- باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات و رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں اور یہ چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں- اس بناء پر عرب عجم' ترک' تاتار' ہندی' افغانی' مصری' یونانی' غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہیں-

عرب کی خصوصیت لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی- عرب میں خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں' مثلاً انساب کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ

جداو کے نام اور ان کے رشتے ناتے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا۔ یہاں تک
نہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام
عرب جس کی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ بسلسلہ
ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں۔ یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے
والے بدوجن کو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو ہیچ
سمجھتے تھے' اور درحقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر
کھینچ سکتے تھے۔ دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

عرب میں تاریخ کی ابتداء اس بناء پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا' تو سب سے
پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہان جبرۃ نے تاریخی واقعات
قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں تصریح کی
ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا۔ اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتداء
ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تالیف و تصنیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا
اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع
ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہؓ المتوفی ۶۰ھ کے زمانہ میں "عبید بن شریہ" ایک خاص شخص تھا جس نے
جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا اور اس کو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے' امیر معاویہؓ نے اس کو
صنعاء سے بلایا اور کاتب اور محرر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلم بند کرتے
جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے' جن
میں سے ایک کتاب کا نام "کتاب الملوک والاخبار الماضیین" لکھا ہے' غالباً یہ وہی کتاب
ہے جس کا مسودہ امیر معاویہؓ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد "عوانہ بن الحکم" المتوفی
۱۴۷ھ کا نام ذکر کرنے کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے
علاوہ خاص بنوامیہ اور امیر معاویہؓ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ ۱۱۷ھ میں ہشام بن
عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا ہے۔
اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

سیرۃ نبوی میں سب سے پہلی تصنیف ۱۴۳ھ میں جب تفسیر' حدیث' فقہ

وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ نے منصور عباسی کے لیے خاص سیرۃ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔۱ ہمارے مورخین کا دعوی ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ نے آنحضرتؐ کے مغازی قلمبند کئے تھے۔ موسیٰ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔ اس لئے ان کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔۲

اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مورخ پیدا ہوئے۔ جن میں ابو مخنف کلبی، واقدی زیادہ مشہور ہیں، ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے، قبائل عرب کے مناظرات، جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد، ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے، رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔

اس دور میں بے شمار مورخ گذرے ہیں، ان میں سے جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کے حالات میں کتابیں لکھیں، ان کی مختصر فہرست یہ ہے۔

قدیم تاریخیں

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
نجیح مدنی۳	غزوات نبوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل۔ یعنی حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی لڑائی کا حال	

۱۔ مغازی محمدؐ بن اسحاق کا ایک قلمی نسخہ مکتبہ کوپریلی استنبول میں موجود ہے۔

۲۔ مغازی موسی بن عقبہ ۱۹۰۴ء میں یورپ میں چھپ چکی ہے۔ موسی بن عقبہ کے لئے تہذیب التہذیب و مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری دیکھو۔

۳۔ نجیح بن عبدالرحمن المتوفی قریب ۱۷۰ھ

سیف بن عمر الاسدی ۱؎	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مورخ ہے
معمر بن راشد کوفی ۲؎	کتاب المغازی	امام بخاری کے استاد الاستاد تھے
ابو البختری وہب بن وہب	کتاب صفتہ النبی ﷺ وکتاب فضائل الانصار	۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔
عبداللہ بن سعد زہری المتوفی ۳۸ھ		فتوحات خالد بن ولیدؓ
ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی، المتوفی ۲۲۴ھ		اس نے آنحضرت اور خلفا کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی اسماء الخلفاء وکتابہم	مدائنی کا شاگرد تھا
عبدالرحمٰن بن عبدہ	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور معتمد مورخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ	کتاب امرء الکوفہ، کتاب امراء البصرۃ	مشہور مورخ ہے

قدماء کی جو تصنیفات آج موجود ہیں اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے، چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ و المتوفی ۲۷۶ھ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں، تاریخ میں اس کی مشہور کتاب "المعارف" ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے، لیکن اس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ یہ بھی مشہور مصنف ہے، تاریخ میں اس کی کتاب کا نام "الاخبار الطوال" ہے اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے یہ کتاب یورپ میں بمقام لیڈن ۱۸۸۸ء میں چھپی ہے۔

۱؎ سیف بن عمر کوفی خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں فوت ہوا (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۶)

۲؎ معمر بن راشد کوفی ۱۳۴ھ (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۳۴)

محمد بن سعد کاتب الواقدی' المتوفی ۲۳۰ھ نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے' اگرچہ اس کا استاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں' اس نے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ۔۱ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند صحیح لکھا ہے یہ کتاب طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمنی میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مورخ ہے مجھ کو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے' لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے' چونکہ اس کو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا' اس لیے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے اس کی کتاب جو "تاریخ یعقوبی" کے نام سے مشہور ہے' یورپ میں بمقام لیڈن ۱۸۸۳ء میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا' اس کی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے' تاریخ و رجال میں اس کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان اور انساب الاشراف' پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں اور ان کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں' دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمرؓ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے' اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں نظر سے گزرا ہے۔۲

ابو جعفر محمدؒ بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ میں یہ حدیث وفقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں چنانچہ آئمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے' تاریخ میں انہوں نے نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی ہے جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور

۱۔ طبقات ابن سعد کامل ۸ جلدوں میں پہلے ۱۹۰۷ء میں لیڈن میں طبع ہوئی پھر اس کے بعد اب ۱۹۵۸ء میں بیروت میں طبع ہوئی ہے۔

۲۔ یہ کتاب تقریباً دس اجزاء میں ۱۸۸۳ء میں یروشلم میں چھپ چکی ہے۔

یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۸۶ھ فن تاریخ کا امام ہے اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اکثر تصانیف ناپید ہو گئیں، یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں، ایک مروج الذہب، اور دوسری کتاب "الاشراف و التنبیہ" سا۔ مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

متاخرین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدماء کا دور کہلاتا ہے، پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے، جو فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے، متاخرین میں اگرچہ بے شمار مورخ گزرے جن میں سے ابن اثیر، سمعانی، ذہبی، ابوالفداء، نوری، سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔

قدماء کی خصوصیتیں

قدماء کی جو خصوصیات تھیں، کھودیں، اور خود کوئی نئی بات پیدا نہیں کی، مثلاً قدماء کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی، متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اس کے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکیں تغیر اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا۔ تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار التواریخ کہا ہے، اور حقیقت میں اس کی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں لیکن جہاں تک زمانہ کا اشتراک ہے ایک بات بھی اس میں طبری سے زیادہ نہیں مل سکتی، اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا۔ وھلم جرا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدماء کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی۔ چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اس کی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قدماء میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرف بسند متصل

سا یہ مکتبہ العصریہ بغداد سے ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔

نقل کرتے تھے، متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا۔ ایک اور خصوصیت قدماء میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمناً" ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا، متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے اس نے فلسفہ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے اسی طرح اس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کی بجائے مدح و ستائش کا مستحق ہے۔

بہرحال الفاروق کی تالیف کے لئے جو سرمایہ کام آ سکتا تھا وہ یہی قدماء کی تصنیفات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے جو آج ترقی کی ہے اس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کار آمد نہیں، اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔

تاریخ کی تعریف

تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے، ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے "ان حالات اور واقعات کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانے سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے۔" یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت خیالات اور مذاہب موجود ہیں، سب گذشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہیے تھے۔ اس لیے ان گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا۔ اسی کا نام تاریخ ہے۔

تاریخ کے لیے کیا کیا چیزیں لازم ہیں؟

ان تعریفات کی بناء پر تاریخ کے لیے دو باتیں لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کئے جائیں، یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے، دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

قدیم تاریخوں کے نقص اور ان کے اسباب

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں

چیزیں مفقود ہیں' رعایا کے اخلاق و عادات اور تمدن و معاشرت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا' فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک ہی محدود نہیں بلکہ کل ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا اور ایسا ہونا مقتضائے انصاف تھا' ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں اس کا لازمی اثر یہ تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہیں آیا اور چونکہ اس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا' بادشاہ کی زبان تھی اس لئے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔

واقعات میں سلسلہ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے' اس لئے فلسفہ تاریخی کے اصول و نتائج پر ان کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی' یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر میں روایات کا پلہ ہمیشہ درایت سے بھاری رہا' بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جس قدر کام لیا گیا نہ لئے جانے کے برابر تھا۔ اخیر میں ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول و آئین منضبط کئے' لیکن اس کو اس قدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکتا اس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا' یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں ان کو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا ہے' مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے' انتظامی امور قانون سے' اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں' مورخ اگر ان تمام امور کا ماہر ہو تو واقعات کے علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے' ورنہ اس کی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہو گی جیسی کہ ایک عامی کی ہو سکتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشاء پرداز کا گزر ہو جو انجینئری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرایہ میں کرے گا۔ جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے' لیکن اگر اس کے بیان میں خاص انجینئری کے علمی اصول اور اسکی باریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نہ مل سکیں گی' یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں

صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتدبہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔

انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مورخین خود قانون داں نہ تھے' اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ' اصول قانون' اصول سیاست اور علم اخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا؟

یہ بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے اور جس قدر ہوتے ہیں ان میں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا' لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے' وہ یہ کہ واقعات مذکور ہیں خود ان کی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

واقعات کی صحت کا معیار واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں' روایت و درایت

روایت سے مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اس واقعہ میں موجود تھا اور اس سے لے کر آخیر روای تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے اس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کی جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابط تھے یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

روایت: اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انہوں نے جس قدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا' انہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور روایوں کے حالات اس تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ اس کو ایک مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لئے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا' طبری' فتوح البلدان' طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بسند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فن تاریخ کو آج کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مورخوں سے بہت پیچھے ہیں ان کو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت: درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے' چنانچہ ابن حزم' ابن القیم' خطابی' ابن

عبدالبر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا' البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کئے چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

ان الاخبار اذا اعتمد فیھا علی مجرد النقل ولم تحکم اصول العادۃ و قواعد السیاسۃ و طبیعۃ العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی ولا قیس الغائب منھا بالشاھد والحاضر بالذاھب فیھا لم یومن فیھا من العثر۔

خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضاء کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہو گی۔

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لیے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں' کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو روای کا عادل ہونا بیکار ہے۔ علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کی رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کئے گئے ان کی آج کہاں تک تلافی کی جا سکتی ہے؟ یعنی ہم اپنی کتاب (الفاروق) میں کس حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں؟

اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمرؓ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں' ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اس کی تلافی ہو سکتی ہے مثلاً "الاحکام السلطانیہ" لابن الماوردی' مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمرؓ کے طریق حکومت اور آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں' اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع سے خاص صیغہ قضاء کے متعلق ان کا طریق معلوم ہوتا ہے کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی الاخبار الاوائل میں ان کی اولیات کی تفصیل ہے۔ العقد الفرید و کتاب "البیان و

التبیین " للجاحظ میں ان کے خطبے منقول ہیں کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے، میدانی نے کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ عمر بن الخطاب میں ان کے اخلاق و عادات کو تفصیل سے لکھا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے "ازالتہ الخفا" میں ان کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔[1]

یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے ریاض النضرۃ للمحب الطبری میں بھی حضرت عمرؓ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں اس لیے میں نے دانستہ اس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لیے درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے درایت کا فن ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہو گئے ہیں ان میں سے جو اصول ہمارے کام آ سکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ واقعہ مذکورہ اصول عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲۔ اس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳۔ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴۔ اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں اس کی قیاس رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

۵۔ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آ سکیں۔

---

[1] ان تصنیفات میں سے کتاب الاوائل اور کتاب العمدۃ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے سیرۃ العمرین، اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کر لی تھیں باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور میرے پاس ہیں۔

۶- اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادائے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔

ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور ان کے ذریعہ سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جس قدر تاریخیں متداول ہیں، ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمرؓ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اس زمانہ کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ قدیم زمانہ کی تصنیفات پر نظرڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے، کہ جس قدر تعصب آتا گیا اسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔

اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج، طبری وغیرہ) میں اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے، یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اس وقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں، لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ "جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے۔"

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے تحقیر و تذلیل کے لئے عیسائیوں کو خاص لباس پر مجبور کیا تھا، لیکن زیادہ تر تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی، تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث آگے آئے گی۔

یا مثلاً وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئی ہیں، فدک، قرطاس، ثقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر، ابن سعد، بیہقی، مسلم، بخاری سب نے نقل کئے ہیں لیکن جس قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے اس نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم

ہوتے گئے یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اس کا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئے گا۔

ان ہی اصول عقلی کی بنا پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہوں گے' مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات سو برس کے بعد تحریر میں آئے اس بناء پر یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً صف آرائی کی کیفیت فریقین کے سوال و جواب' ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی' پہلوانوں کے داؤ پیچ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے' اس لیے ان کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں' اکبر نے ہندوستان میں جو آئین اور قاعدے جاری کئے ایک ایک بچہ ان سے واقف ہے اور ان کی نسبت کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اس کے لیے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے اور اکبر کے نام سے ان کی شہرت تھی۔

حضرت عمرؓ کے خطبے اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہیں ان کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہیے کہ جو فقرے زیادہ تر پر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں کیونکہ ایک فصیح مقرر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور ان کا مدت تک چرچا رہتا ہے جن میں کوئی خاص ندرت اور اثر ہوتا ہے اسی طرح خطبوں کے وہ جملے ضرور قابل اعتماد ہیں جن میں احکام شرعیہ کا بیان ہے' کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے ہیں۔

جو واقعات اس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابل ذکر نہ تھے اور باوجود اس کے ان کا ذکر آ جاتا ہے' ان کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ اصل واقعہ اس سے زیادہ ہو گا۔ مثلاً ہمارے مورخین رزم بزم کی معرکہ آرائیوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں ہیں۔ بااین ہمہ حضرت عمرؓ کے حالات میں عدالت' پولیس' بندوبست' مردم شماری وغیرہ کا ضمناً" جو ذکر آ جاتا ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہیے کہ جس قدر قلمبند ہوا اس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے' حضرت عمرؓ کے زہد و تقشف' سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سینکڑوں روایتیں مذکور ہیں اور بے شبہ اور صحابہ کی نسبت یہ

اوصاف ان میں زیادہ تھے، لیکن اس کے متعلق ان تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیے۔ جو حلیۃ الاولیاء ابن عساکر، کنزالعمال، ریاض النضرۃ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گرمی محفل کا سبب ہوتی تھیں اور عوام ان کو نہایت ذوق سے سنتے تھے اس لئے خود بخود ان میں مبالغہ کا رنگ آتا گیا ہے، اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں ان میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں اسی لئے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں ان میں بڑی احتیاط کی ہے اور ریاض النضرۃ وابن عساکر و حلیۃ الاولیاء۔ وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

اخیر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے۔ آج کل کی اعلیٰ درجہ کی تاریخیں جنہوں نے قبول عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشاء پردازی سے مرکب ہیں اور اس طرز سے بڑھ کر اور کوئی طرز مقبول عام نہیں ہو سکتا۔ لیکن در حقیقت تاریخ اور انشاء پردازی کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے، نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اس کی ہیئت شکل، سمت، جہت، اطراف، اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔

بخلاف اس کے مصور صرف ان خصوصیتوں کو لے گا یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھلائے گا جن میں کوئی خاص عجوبگی ہے اور جن سے انسان کی قوت منفعلہ پر اثر پڑتا ہے، مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مورخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کی تمام جزئیات بیان کر دے گا۔ لیکن ایک انشا پرداز ان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی و بے کسی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔

مورخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ سارا واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے یورپ میں آج کل جو بڑا مورخ گذرا ہے اور جو طرزِ حال کا موجد ہے رینگی ہے، اس کی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے۔ "اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا، کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔

یہ امر بھی جتا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے' اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے مورخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں لیکن یہ اس کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط کر دے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہیے تو نہ کر سکے۔

اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لیے ایسی ترتیب اور انداز سے لکھتے ہیں کہ وہ واقعہ بالکل ان کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت آ سکتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آ گئے ہیں اور ایسا ہونا ضروری تھا' لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھائی گئی ہے۔

۲۔ کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انہیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق تھے یا خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

۳۔ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہیں مثلاً "ازالتہ الخفاء" و "ریاض النضرۃ" وغیرہ ان کا حوالہ اس بناء پر دیا ہے کہ خاص اسی روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے لے کر کی گئی ہے غرض کئی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند زدم مہر خموشی برلب — کس چہ داند کہ دریں پردہ چہ سودا کردم
پیکرے تازہ کہ خواہم بہ عزیزاں بنمود — لختے از ذوق خودش نیز تماشا کردم
محفل از بادہ دو شینہ نیا سودہ ہنوز — بادۂ تند تراَدوش بہ مینا کردم
باز خواہم کہ دم درتن اندیشہ سواں — من کہ دریوزہ فیض ازدم عیسیٰ کردم
ہم نشیں نکتہ حکمت ز شریعت می جست — لختے از نسخہ روح القدس املا کردم
شاہد راز کہ کس پردہ زردیش نگرفت — گرہ از بند قبایش بہ فسوں و اکردم
بسکہ ہر باد گہر باد گزشتم زیں راہ — دشت معنی ہمہ پرلولو ولالہ کردم

نام و نسب - سن رشد و تربیت

سلسلہ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراع بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں' عدنان کا سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے' عدنان کے نیچے گیارہویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے ان ہی کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے' قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زور لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا' اور ان کے انتساب سے دس جدا نامور قبیلے بن گئے۔ یعنی ہاشم' امیہ' نوفل' عبدالدار' اسد' تیم' مخزوم' عدی' جمح' سہم' حضرت عمرؓ عدی کی اولاد سے ہیں' عدی کے دوسرے بھائی مرۃ تھے' جو رسول اللہ ﷺ کے اجداد سے ہیں اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب رسول اللہ ﷺ سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔

قریش چونکہ خانہ کعبہ کے مجاور بھی تھے' اس لئے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چھپر بھی ان پر سایہ فگن تھا تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے' اور ہر صیغے کا اہتمام جدا تھا۔ مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی' حجاج کی خبر گیری' سفارت' شیوخ قبائل کا انتخاب' فصل مقدمات' مجلس شوریٰ وغیرہ وغیرہ۔ عدی جو حضرت عمرؓ کے جد اعلیٰ تھے' ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے' یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے۔ اس کے ساتھ منافرہ کے معرکوں میں ثالث بھی ہوا کرتے تھے' عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو افضلیت کا دعویٰ ہوتا تو ایک لائق اور پایہ شناس ثالث مقرر کیا جاتا اور دونوں اس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے' جو لوگ ان معرکوں میں حکم مقرر کئے جاتے ان میں معاملہ فہمی کے علاوہ فصاحت اور زور تقریر کا جوہر بھی درکار ہوتا' یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً" بعد نسلاً" چلے آتے تھے۔

(یہ تمام تفصیل "العقد الفرید" باب فضائل العرب میں ہیں)

حضرت عمرؓ کے جد امجد حضرت عمرؓ کے دادا نفیل بن عبدالعزی نے اپنے اسلا
کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا' اور اس وجہ سے بڑے عالی رتبہ لوگ
کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جد امجد عبدالمطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دعوی پر نزاع ہوئی تو دونوں
نفیل ہی کو حکم مانا نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اس وقت حرب
طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے:

اتنا فر رجلا هوا طول منک قامته واوسم وسامة و اعظم منک هامة و اکثر منک
واجزل منک مفداوانی لااقول هذا وانک لبعید الغضب رفیع الصورت فی العرب
المریرة لحبل العشیرة

حضرت عمرؓ کے برادر عم زاد نفیل کے دو بیٹے تھے عمرو' خطاب' عمرو معم
لیاقت کے آدمی تھے' لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمرؓ کے چچا
بھائی تھے' نہایت اعلی درجہ کے شخص تھے' وہ ان ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رس
اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا' اور موحد بن
تھے' ان میں زید[1] کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں' قس بن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل۔

زید بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ برا کہتے تھے' اور لوگوں کو دین ابراہیمی
ترغیب دلاتے تھے' اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے جن میں حضرت عمرؓ کے و
خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے' خطاب نے اس قدران کو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو
مکہ مکرمہ سے نکل گئے اور حرا میں جا رہے۔ تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت
آتے' زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں جن سے ان کے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ
سکتا ہے' دو شعر یہ ہیں۔

اربا	واحد	ام	الف	رب
ادین	اذا	تقسمت	الامور	

ایک خدا کو مانوں یا ہزاروں کو؟ جب کہ ام
تقسیم ہو گئے

---

[1] زید کا مفصل حال اسد الغابہ کتاب الاوائل اور معارف ابن قتیبہ میں ملے گا۔

ترکت اللات والعزی جمیعا میں نے لات اور عزیٰ (بتوں کے نام) سب
کذلک یفعل الرجل البصیر کو خیرباد کہا اور سمجھ دار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے والد خطاب خطاب حضرت عمرؓ کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے۔ قبیلہ عدی اور بنو عبدالشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی' اور چونکہ بنو عبدالشمس کا خاندان بڑا تھا' اس لئے غلبہ انہیں کو رہتا تھا' عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر سہم کے دامن میں پناہ لی' اس پر بھی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطاب نے یہ اشعار کہے۔[1]

ایوعدنی ابو عمر و دونی رجال لا ینھنھا الوعید
رجال من بنی سھم بن عمرو الی ابیا تھم یاوی الطرید

کل آٹھ شعر ہیں اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں ان کو بتمامہا نقل کیا ہے' عدی کا تمام خاندان مکہ مکرمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا لیکن جب انہوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انہیں کے ہاتھ بیچ ڈالے۔ لیکن خطاب کے متعدد مکانات صفا میں بھی باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمرؓ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفا اور مروہ کے بیچ میں تھا' حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ڈھا کر حاجیوں کو اترنے کے لیے میدان بنا دیا' لیکن اس کے متعلق بعض دکانیں مدت تک حضرت عمرؓ کے خاندان کے قبضے میں رہیں۔[2]

خطاب نے متعدد شادیاں اونچے گھرانوں میں کیں' چنانچہ حضرت عمرؓ کی ماں کا نام غنتمہ تھا' ابن ہشام بن المغیرۃ کی بیٹی تھیں' مغیرہ اس رتبہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی سے لڑنے کے لیے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے ان کو صاحب الاعنہ کا لقب حاصل تھا' حضرت خالدؓ انہی کے پوتے تھے' مغیرۃ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمرؓ کے نانا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ کی ولادت حضرت عمرؓ مشہور روایات کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں' حافظ ابن عساکر

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ

[2] تاریخ مکہ الازرقی۔ ذکر رباع بن بنی عدی بن کعب۔

نے تاریخ دمشق میں عمرو بن عاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب
ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً ایک غل اٹھا' دریافت سے معلوم ہوا کہ خطا
کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیدا ہونے پر غیر معم
خوشی کی گئی تھی' ان کے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں' اور کیونکر معلوم ہو
اس وقت کس کا خیال تھا کہ یہ جوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونے والا ہے تاہم نہا
تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جن کا نقل کرنا ناموزوں نہ ہو گا۔

سن رشد سن رشد کو پہنچ کر ان کے باپ خطاب نے ان کو جو خدمت سپرد کی
اونٹوں کو چرانا تھا' یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا
خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ ان سے سلوک کرتے تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام
اور جب کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو سزا دیتے جس میدان میں حضرت عمرؓ کو یہ معیب
انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی' اس کا نام ضجنان تھا جو مکہ مکرمہ کے قریب' قدید
۱۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا ادھر سے گزر ہ
ان کو نہایت عبرت ہوئی' آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدہ کا
پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ
ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں۔[1]

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمرؓ ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے ع
میں عموماً معمول تھے' عرب میں اس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور لازمہ شر
خیال کی جاتی تھیں' نسب دانی' سپہ گری' پہلوانی اور مقرری تھی' نسب دانی کا فن حضرت
کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا' جاحظ نے کتاب البیان و التبیین میں تصریح لکھا
کہ حضرت عمرؓ اور ان کے باپ اور دادا نفیل تینوں بڑے نساب[2] تھے' غالباً اسکی وج
تھی کہ حضرت عمرؓ کے خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور منافر
دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے' اور انکے انجام دینے کیلئے انساب کا جاننا سب سے م
امر تھا' حضرت عمرؓ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا' جاحظ نے تصریح کی ہے

۱۔ طبقات ابن سعد

۲۔ طبقات ابن سعد (مطبوعہ مصر) صفحہ ۱۱۷' ۱۲۲

حضرت عمرؓ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل تھا' یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے' عکاظ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میلہ لگتا تھا کہ عرب کے تمام اھل فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جوہر دکھاتے تھے' اس لئے وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال دکھاتے تھے' نابغہ زبیانی' حسان بن ثابت' قس بن ساعدہ خنسا' جن کو شاعری اور ملکہ تقریر میں تمام عرب مانتا تھا' اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف [1] میں بہ سند روایت نقل کی ہے کہ عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے" اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔

شہسواری کی نسبت ان کا کمال عموماً مسلم ہے۔ چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔

قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مصرح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے دیا تھا اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار ان کو یاد تھے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت میں ہی عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہو گا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔

اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا' اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی' علامہ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں ١٧ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے' ان میں سے ایک عمر بن خطابؓ تھے۔ [2]

---

[1] الانساب الاشراف یروشلم میں شائع ہو گئی ہے۔

[2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ٤٧١۔

ان فنون سے فارغ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے' عرب میں معاش کا ذریعہ
تر تجارت تھا' اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل ان کی بہت بڑی تر
کا سبب ہوا' وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں
ملتے تھے' خود داری' بلند حوصلگی' تجربہ کاری' معاملہ دانی' یہ تمام اوصاف جوان میں اسلام
سے قبل پیدا ہو گئے تھے' سب انہیں سفروں کی بدولت تھے' ان سفروں کے حالات اگرچہ نہ
دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے ان پر توجہ نہیں کی' ع
مسعودی نے اپنی مشہور کتاب "مرج الذہب" میں صرف اس قدر لکھا ہے' کہ:-

ولعمر بن الخطاب اخبار كثيرة فى اسفاره فى الجاهلية الى الشام و العراق مع كثير من ملوك العرب و العجم وقد اتينا على مبسوطها فى كتابنا اخبار الزمان والكتاب الاوسط

عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں ع
اور شام کے جو سفر کئے اور ان سفروں میں
طرح وہ عرب و عجم کے بادشاہوں سے ملے
کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں
تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان
کتاب الاوسط میں لکھا ہے

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فن تاریخ کی جان ہیں لیکن قو
بدمذاقی سے مدت ہوئی ناپید ہو چکیں' میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمرؓ کے ان حا
کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جس کی بعض جلدیں میری نگاہ سے گزری
حضرت عمرؓ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں' اور تجارت کے تجربوں نے ان کو تمام عرب میں روشنا
دیا اور لوگوں پر ان کی قابلیت کے جوہر روز بروز کھلتے گئے یہاں تک کہ قریش نے ان کو سفا
کے منصب پر مامور کر دیا' قبائل میں جب کوئی پر خطر معاملہ پیش آتا تو انہیں کو سفیر بنا بھیجتے۔

قبول اسلام اور ہجرت

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل نامانوس نہیں رہی تھیں چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے، سعید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا، اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں، اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے، لبینہ ان کے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے، لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے، آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں، تلوار کمر سے لگائے سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا۔

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

راہ میں اتفاقاً" نعیم بن عبداللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ "محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔" انہوں نے کہا کہ "پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔" فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لئے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ "بہن نے کہا کچھ نہیں بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔" یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا۔

اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا کہ "عمر! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا۔" ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا' بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا' ان کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی سبح للہ ما فی السموت والارض و ھو العزیز الحکیم ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے امنوا باللہ ورسولہ تو بے اختیار پکار اٹھے "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ"

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا۔ پناہ گزین تھے' حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے' اور اس تازہ واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی' اس لئے صحابہؓ کو تردد ہوا۔ لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا کہ آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔" حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا" کیوں عمر کس ارادہ سے آیا ہے؟" نبوت کی پر رعب آواز نے ان کو کپکپا دیا' نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ "ایمان لانے کے لیے" آنحضرت ﷺ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ ۱

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا اس وقت تک ۴۰' ۵۰ آدمی اسلام لا چکے تھے' عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا' تاہم مسلمان اپنے مذہبی فرائض علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ دفعتہ یہ حالت بدل گئی' انہوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا' کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی' ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے

۱۔ انساب الاشراف بلاذری و طبقات ابن سعد و اسد الغابہ ابن عساکر و کامل ابن الاثیر۔

فلما اسلم عمر قاتل قریشا حتی صلی عند الکعبۃ وصلینا معہ
"جب عمر اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی۔"

حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوا۔

حضرت عمرؓ کی ہجرت

اہل قریش، ایک مدت تک آنحضرت کے دعویٰ نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے، لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا ان کی بے پروائی غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی، یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقے میں آگئی تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا، حضرت ابو طالب کی زندگی تک علانیہ کچھ نہ کر سکے لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جس جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گزرا کہ اس کی تفصیل ایک نہایت درد انگیز داستاں ہے۔

اسی اثناء میں مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس لیے یہ آنحضرت نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ سب سے پہلے ابو سلمہ عبداللہ بن اشہلؓ پھر حضرت بلالؓ موذن اور عمار بن یاسرؓ نے ہجرت کی، ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا، صحیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے لیکن ناموں کی تفصیل نہیں، ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمرؓ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی

زید بن خطابؓ سعید بن زید بن خطابؓ خنیس بن حذافہؓ سہمی، عمرو بن سراقہؓ عبداللہ بن سراقہؓ واقد بن عبداللہ تمیمیؓ، خولی بن ابی خولیؓ مالک بن ابی خولیؓ ایاس بن بکیرؓ عاقل بن بکیرؓ عامر بن بکیرؓ خالد بن بکیرؓ ان میں سے زید حضرت عمرؓ کے بھائی سعید بھتیجے، خنیس داماد اور باقی دوست احباب تھے۔

حضرت عمرؓ کی قیام گاہ

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی، مہاجرین زیادہ تر قبا میں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے، حضرت عمرؓ بھی یہیں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مکان پر ٹھہرے قباء کو عوالی بھی کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرودگاہ کا نام عوالی ہی

لکھا ہے' حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہؓ نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۱۳ نبوی میں جناب رسالتؐ پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔

مہاجرین اور انصار میں اخوت مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا' انصار کو بلا کر ان میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا اثر یہ ہوا کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا تھا وہ انصاری اس کو اپنی جائداد' مال اسباب' نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا' اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے' اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرت طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے' یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا اسی رتبے کے انصاری کو اس کا بھائی بناتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے اسلامی بھائی چنانچہ حضرت عمرؓ کو جس کا بھائی قرار دیا' ان کا نام عتبان بن مالکؓ تھا' جو قبیلہ بنو سالم کے سردار تھے۔ ۱؎

آنحضرت کے تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قباء ہی میں قیام رکھا' حضرت عمرؓ بھی یہیں مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناغہ دے کر بالالتزام آنحضرت کے پاس جاتے اور دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتے ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ ان کے برادر اسلامی عتبان بن مالکؓ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت سے سنتے حضرت عمرؓ سے جا کر روایت کرتے تھے' چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم' باب النکاح وغیرہ میں ضمناً" اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینہ میں پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض وارکان محدود اور معین کئے جائیں' کیونکہ مکہ مکرمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا' یہی وجہ تھی کہ اب تک زکوٰۃ' روزہ' نماز جمعہ' نماز عیدین' صدقہ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی' نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو' دو رکعتیں تھیں' یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا' چنانچہ سب سے پہلے آنحضرتؐ نے

۱؎ دیکھو سیرۃ ابن ہشام حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری (صفحہ ۳۲۱) میں عتبان کی بجائے اوس بن خولی کا نام لکھا ہے لیکن تعجب ہے کہ خود علامہ موصوف نے اصابہ میں ابن سعد کے حوالہ سے عتبان ہی کا نام لکھا ہے اور اوس بن خولی کا جہاں حال لکھا ہے حضرت عمرؓ کی اخوت کا ذکر نہیں کیا۔

اس کا انتظام کرنا چاہا' یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لیے بوق اور ناقوس کا رواج تھا اس لیے صحابہ نے یہی رائے دی' ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت کی تجویز تھی۔ بہر حال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمرؓ آ نکلے' اور انہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے' رسول اللہ نے اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الاذان)

اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا بڑا شعار ہے حضرت عمرؓ کے لیے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے۔ کہ یہ شعار اعظم انہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

۶۲۳ء سنہ ۱ ہجری تا وفات رسول اللہ ﷺ

غزاوت و دیگر حالات

۶۲۳ء سنہ ۱ھ سے آنحضرت کی وفات تک حضرت عمرؓ کے واقعات اور حالات درحقیقت سیرۃ نبوی کے اجزاء ہیں۔ آنحضرت کو جو لڑائیاں پیش آئیں غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے وقتاً" فوقتاً" جو انتظامات جاری کئے گئے' اشاعت اسلام کے لیے جو تدبیریں اختیار کی گئیں ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمرؓ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو' لیکن مشکل یہ ہے' کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب یہ حصہ سیرۃ نبوی سے بدل جاتا ہے' کیونکہ حضرت عمرؓ کے یہ کارنامے گو کتنے ہی عظیم الشان ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں' اس لئے جب قلمبند کئے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ ﷺ کا نام نامی قرار پائے گا' اور حضرت عمرؓ کے کارنامے ضمناً" ذکر میں آئیں گے' اس لئے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں اور جن واقعات میں حضرت عمرؓ کا خاص تعلق ہے ان کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جائے' اس صورت میں اگرچہ حضرت عمرؓ کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے اس کی اصلی شان قائم نہیں رہتی تاہم اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ

ان واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرت نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کر دیا جائے تو وہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے انہوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں، تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا۔ صرف اس قدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے لیکن آنحضرت ﷺ نے خبر پا کر ان کو روکنے کے لئے تھوڑی سی فوجیں بھیجیں اور وہ وہیں رک گئے۔

غزوہ بدر ۲ھ (۶۲۴ء) ۶۲۴ء سنہ ۲ھ میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو کہ نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ابو سفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لے کر شام سے واپس آ رہا تھا راہ میں یہ (غلط) خبر سن کر کہ مسلمان اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ امڈ آیا، رسول اللہ ﷺ یہ خبر سن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مدینے سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی، اس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

كما اخرجك ربك من بيتك بالحق وان فريقا من المومنين لكارهون يجادلونك في الحق بعد ماتبين كانما يساقون الى الموت وهم ينظرون واذيعدكم الله احدے الطائفتين انها لكم وتودون ان غير ذات الشوكة تكون لكم۔	جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی پر نکالا۔ اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور جب کہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے

۱۔ جب آنحضرتؐ نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔

۲۔ مدینے سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیر ذات الشوکۃ یعنی ابو سفیان کا کاروان تجارت' اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لیے سروسامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اس کے علاوہ ابو سفیان کے قافلہ میں ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت ﷺ مدینے سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے' اس لیے اگر آنحضرت قافلے کے لوٹنے کے لئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان انکے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہرحال ۸ رمضان ۲ھ کو آنحضرت ﷺ ۳۱۳ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے' مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے' قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی' جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے' مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریباً ۶ منزل ہے معرکہ ہوا اور کفار کو شکست فاش ہوئی' مسلمانوں میں سے ۱۴ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے قریش کی طرف ۷۰ مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابو جہل' عتبہ بن ربیعہ' شیبہ اور بڑے بڑے روٴسائے مکہ تھے' اور ان کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمرؓ اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر' جانبازی و پامردگی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے' لیکن ان کی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے' لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمرؓ کے قبیلے میں سے ایک متنفس بھی شریک جنگ نہیں ہوا[۱] اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے صرف حضرت عمرؓ کے رعب و داب کا اثر تھا۔

۲۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کے قبیلے اور حلفاء کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے' جن کے نام یہ ہیں۔ زیدؓ۔ عبداللہ بنؓ سراقہ۔ عمرو بنؓ سراقہ۔ واقد بن عبدؓ اللہ۔ خولی بن ابی خولیؓ۔ مالک بن ابی خولیؓ عامر بن ربیعہؓ عامر بن بکیرؓ۔ ایاس بن بکیرؓ۔ عاقل بن بکیرؓ

۳۔ سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمرؓ کا غلام تھا۔[۲]

---

[۱] طبری کبیر میں ہے ولم یکن بقی من قریش بطن الا نفر منهم الا بنی عدی بن کعب لم یخرج رجل واحد۔ صفحہ ۱۳۷ [۲] ابن ہشام صفحہ ۴۹۵۔

۴- عاص بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمرؓ کا ماموں تھا، حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔[۱] یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آ سکتا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ اس کی پہلی مثال ہے۔ اس معرکے میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے ان کی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی اور ان میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے سردار تھے مثلاً حضرت عباسؓ۔ عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) ابو العاص بن الربیع' ولیدبن الولید' ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا یہاں تک کہ رسول اللہ کی زوجہ مبارک حضرت سودہؓ کی نظر جب ان پر پڑی' تو بے اختیار بول اٹھیں کہ "اعطیتم باید یکم هلامتم کراما" تم مطیع ہو کر آئے ہو۔ شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے۔

قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے

اس بناء پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے' رسول اللہ نے تمام صحابہ سے رائے لی۔ اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں' حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں' اس لیے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کر دینا چاہیے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کر دے۔ علی عقیل کی گردن ماریں' حمزہ عباس کا سر اڑا دیں' اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کروں۔[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شان رحمت کے اقتضاء سے حضرت ابو بکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ماکان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض۔	کسی پیغمبر کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب خونریزی نہ کر لے۔

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا' مدینہ منورہ اور اس کے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا

---

[۱] ابن جریر صفحہ ۵۰۹ واستیعاب۔ [۲] (طبری ص ۱۳۵۵)

تھا، آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے بر خلاف دشمن کو مدد نہ دیں گے، اور کوئی شخص مدینہ پر چڑھ آئے گا، تو مسلمانوں کی مدد کریں گے۔" لیکن جب آنحضرتؐ بدر سے فتح یاب آئے تو ان کو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر ان کے برابر کے حریف نہ بن جائیں چنانچہ خود چھیڑ شروع کی اور کہا کہ " قریش والے فن حرب سے نا آشنا تھے ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اس کو کہتے ہیں۔" نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسولؐ اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا توڑ ڈالا۔ آنحضرتؐ نے شوال ۲ھ میں ان پر چڑھائی کی اور بالاخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلا وطن کر دیئے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اس کی ابتداء اسی سے ہوئی تھی۔

غزوۂ سویق قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بیتاب تھے ابو سفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لوں گا، غسل تک نہ کروں گا۔ چنانچہ ذوالحجہ ۲ھ میں دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑا اور ان کو قتل کر دیا۔ رسولؐ اللہ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے تعاقب کیا، لیکن ابو سفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال ۶۲۵ء ۳ھ میں جنگ احد کا مشہور معرکہ واقع ہوا۔

غزوۂ احد ۳ھ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور دیگر بہت سے سرداران قریش نے ابو سفیان سے جا کر کہا اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جا سکتا ہے، ابو سفیان نے قبول کیا اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں، کنانہ اور تہامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ساتھ ہو گئے، ابو سفیان ان سب کا سپہ سالار بن کر بڑے سرو سامان کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا اور ماہ شوال بدھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر مقام کیا، آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے لیکن صحابہ نہ مانے اور آخر آنحضرتؐ مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے، قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں ۲۰۰ سوار اور ۷۰۰ زرہ پوش تھے میمنہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے (اس وقت تک یہ دونوں صاحب اسلام نہیں لائے تھے) ادھر کل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں سو زرہ پوش اور صرف دو سوار تھے، مدینہ سے قریباً تین میل پر احد ایک پہاڑ

ہے اس کے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں' آنحضرتؐ نے عبداللہ بن جبیر کو ۵۰ تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی' سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج کو لے کر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دی' پھر عام جنگ شروع ہوئی' حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ ابو دجانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور ان کی صفیں الٹ دیں لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے' تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ہو چکا اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہوئے تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعتاً" عقب سے بڑے زوروشور کے ساتھ حملہ کیا' مسلمان چونکہ ہتھیار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے' اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے' کفار نے رسولؐ اللہ پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی' یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں اس کے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے لوگوں کی نظر سے چھپ گئے' اسی برہمی میں یہ غل پڑ گیا کہ رسول اللہ مارے گئے اس خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو متزلزل کر دیا اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہو کر رہا گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ اخیر تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ احد میں آنحضرت کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی یعنی سعدؓ اور طلحہؓ رہ گئے تھے نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرتؐ کے ساتھ نہیں رہا تھا' محمد بن سعدؓ نے ۱۴ آدمیوں کا نام لیا ہے اسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں[۱] حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب ادھر ادھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعتہ عقب سے حملہ کیا اور مسلمان سراسیمہ ہو کر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا' پھر جس طرح موقع ملتا گیا' لوگ آنحضرتؐ کے پاس پہنچتے گئے۔

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انہوں نے مدینہ آ کر دم لیا' کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسولؐ اللہ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعض نے مجبور مایوس ہو کر سپر

---

[۱] یہ پوری تفصیل فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۲۷۲ میں ہے۔

ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے، حضرت عمرؓ اس تیسرے گروہ میں تھے، علامہ طبری میں بسند متصل جس کے راوۃ حمید بن سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم بن عبدالرحمن بن رافع ہیں، روایت کی ہے کہا اس موقع پر جب انس بن نضرؓ نے حضرت عمرؓ اور طلحہؓ اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو، ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے جو شہادت پائی، انسؓ بولے کہ رسولؐ اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے تم بھی انہی کی طرح لڑ کر مرجاؤ" یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی۔[1] قاضی ابو یوسف نے خود حضرت عمرؓ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انسؓ بن نضر میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسولؐ اللہ پر کیا گزری میں نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے، انسؓ نے کہا " رسولؐ اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے۔" یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔[2] ابن ہشام میں ہے کہ انسؓ نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے۔

طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں طلحہؓ کا نام بھی ہے اور یہ مسلم ہے کہ اس معرکہ میں ان سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا بہرحال یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمرؓ میدان جنگ سے نہیں ہٹے اور جب آنحضرتؐ کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمت میں پہنچے، طبری اور سیرت ابن ہشام میں ہے۔

فلما عرف المسلمون رسول الله فهضوا به ونهض نحو الشعب معه علی بن ابی طالب و ابوبکر بن ابی قحافة و عمر بن الخطاب و طلحة بن عبيد الله والزبير بن العوام والحارث بن صمة	پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرت کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لے کر پہاڑ کے درہ پر چڑھ گئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ طلحہ بن عبید اللہ، زبیربن العوامؓ اور حارث بن صمہ تھے۔

علامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہیں جنھوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمرؓ کے حال میں یہ لکھا ہے۔

---

[1] طبری صفحہ ۱۴، ۱۴۔

[2] کتاب الخراج صفحہ ۲۵۔

وکان ممن انکشف یوم احد فغفر له — یعنی حضرت عمرؓ ان لوگوں میں تھے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا۔

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کیے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہ ہیں' حضرت عمرؓ نے فرمایا' نہیں' کیونکہ اس کا باپ احد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہ کا باپ (یعنی حضرت عمرؓ) نہیں رہا تھا۔

لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے درایۃً غلط ہے' کیونکہ معرکہ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا' اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے' علامہ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے ان میں عباس بن عبداللہ الباکسائی اور عنیض بن اسحاق ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں اس کے علاوہ اور تمام روایتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستہ فوج کے ساتھ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے' رسول اللہ اس وقت تیس ۳۰ صحابہ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے' خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا! یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں' حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا' اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔[۱]

ابو سفیان سالار قریش درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ہیں یا نہیں؟ آنحضرتؐ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابو سفیان نے پھر حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کا نام لے کر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ "ضرور یہ لوگ مارے گئے" حضرت عمرؓ سے رہا نہ گیا' پکار کر کہا۔ "او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں" ابو سفیان نے کہا اعل ھبل یعنی "اے ہبل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو۔"

۱۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۵۷۶ و طبری صفحہ ۱۴۱۱

رسول اللہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو اللہ اعلیٰ واجل یعنی خدا بلند و برتر ہے۔[1]

حضرت حفصہؓ کا عقد رسول اللہ کے ساتھ اس سال حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ رسول اللہ کے عقد میں آئیں حفصہؓ کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن خذافہ کے ساتھ ہوا۔ خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے خواہش کی کہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا، پھر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی وہ بھی چپ رہے، کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ ﷺ حضرت حفصہؓ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ۳ ھ شعبان میں آنحضرت نے حفصہؓ سے نکاح کیا۔

واقعہ بنو نضیر ۴ھ (۶۲۶ء) ۴ھ (۶۲۶ء) میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا، اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ مدنیہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے آنحضرتؐ نے ان سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا، ان میں سے بنو قینقاع نے بدر کے بعد نقض عہد کیا اور اس جرم میں مدینے سے نکال دیئے گئے دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا، یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے، ۴ھ میں آنحضرت ﷺ ایک معاملے میں استعانت کیلئے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر انکے پاس گئے، ان لوگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عمرو بن حجاش تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرت کے سر پر پتھر کی سل گرا دے وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت کو خبر ہو گئی، آپ اٹھ کر چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ انہوں نے انکار کیا اور مقابلے کی تیاریاں کیں آنحضرتؐ نے ان پر قابو پا کر جلا وطن کر دیا، چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں حکومت قائم کر لی۔[2]

خیبر والوں میں سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع اور حیی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے، یہ لوگ خیبر میں پہنچ کر مطمئن ہوئے تو آنحضرتؐ سے انتقام لینا چاہا، مکہ مکرمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دورہ کیا، اور تمام ملک میں ایک آگ لگا دی۔

---

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۸۴ وطبری صفحہ ۱۳۱۵

[2] طبری صفحہ ۴۵۲

جنگ خندق یا احزاب ۵ ھ (۶۲۷ء) چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم کے نیچے جمع ہو گئے اور شوال ۵ھ میں ابو سفیان کی سپہ سالاری میں اس سیلاب نے مدینہ کا رخ کیا' آنحضرت نے مدینہ سے باہر نکل کرسلع ۱؎ کے آگے ایک خندق تیار کرائی' عرب میں خندق کا رواج نہ تھا اس لئے کفار کو اس کی کچھ تدبیر بن نہ آئی' مجبورا محاصرہ کر کے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی' ایک مہینے تک محاصرہ رہا کفار کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ کرتے تھے' آنحضرتؐ نے اس غرض سے خندق کے ادھر ادھر کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو معین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں' ایک حصے پر حضرت عمرؓ متعین تھے' چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے' ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے زبیرؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی ۲؎۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اس قدر ان کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی' چنانچہ آنحضرتؐ کے پاس آکر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا' رسول اللہ نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو ۵۰۰ سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا' حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا' اس کے مارے جانے کے بعد ادھر تو قریش میں کچھ بے دلی پیدا ہوئی۔ ادھر نعیم بن مسعود نے جو اسلام لا چکے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی' جوڑ توڑ سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوا دی' مختصر یہ کہ کفر کا ابر سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹتا گیا اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

واقعہ حدیبیہ ۶ ھ (۶۲۸ء) ۶۲۸ء ۶ھ میں آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل پر ایک مقام ہے) پہنچ کر حضرت عمرؓ کو

۲؎ مدینہ سے ملا ہوا ایک پہاڑ ہے۔

۳؎ یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالتہ الخفاء میں لکھا ہے لیکن میں نے کسی کتاب میں اس کی سند نہیں پائی۔

خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں چنانچہ رسول اللہ کی خدمت میں عرض کی اور آپ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لئے جب مکہ مکرمہ دو منزل رہ گیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے آ کر خبر دی کہ "تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اکابر صحابہ میں سے کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں' چنانچہ حضرت عمرؓ کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا' انہوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں۔ عثمانؓ کے عزیز و اقارب وہیں ہیں' اس لئے ان کو بھیجنا مناسب ہو گا' آنحضرتؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک رکھا اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ نے یہ سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی' یہ واقعہ بیعت الشجرۃ کے نام سے مشہور ہوا' قرآن مجید کی اس آیت میں لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبا یعونک تحت الشجرۃ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اس کو بیعت رضوان بھی کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی صحیح بخاری (غزوہ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں' عبداللہ بن عمرؓ باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرتؐ لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں انہوں نے بھی جا کر بیعت کی' حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سجا رہے ہیں' عبداللہ نے ان سے بیعت کا واقعہ بیان کیا' حضرت عمرؓ اسی وقت اٹھے اور جا کر آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت لی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے بڑے ردو بدل کے بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان الٹے واپس جائیں اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں' معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور اس اثناء میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اس کو قریش کے پاس واپس بھیج دیں لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آ جائے تو ان کو اختیار ہو گا کہ اس کو اپنے پاس روک لیں' اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے

حق میں زیادہ مفید تھی، حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا کہ و
حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے انہوں نے سمجھایا
کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہو گی لیکن حضرت عمرؓ کو تسکین نہیں ہوئی
خود رسول اللہ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی۔

"یا رسول اللہ! کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟"

رسول اللہ : بیشک ہوں۔

حضرت عمرؓ: کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہؐ: ضرور ہیں۔

حضرت عمرؓ: پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

رسولؐ اللہ : میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا، چنانچہ بعد میں ان
کو سخت ندامت ہوئی اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے، نفلیں پڑھیں، خیرات دی
غلام آزاد ۱ کئے، تاہم سوال و جواب کی اصل بناء اس نکتہ پر تھی کہ رسولؐ کے کون سے
افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصب سے چنانچہ اس کی
مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور اس پر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جن میں حضرت عمرؓ بھی
داخل تھے دستخط ثبت ہوئے، معاہدہ کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ راہ میں
سورہ فتح نازل ہوئی، آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ آج مجھ پر وہ سورۃ نازل ہوئی
جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے یہ کہہ کر آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں انا
فتحنا لک فتحا مبینا۔ ۲

محدثین نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے، صلح
ہو جانے سے آپس میں میل جول ہوا۔ اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور
خیالات روز بروز پھیلتے گئے، اس کا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ
اسلام لائے، ۱۸ برس قبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے۔ ۳ جس بناء پر رسول اللہ نے

---

۱ طبری صفحہ ۱۵۴۶۔ ۲ صحیح بخاری واقعہ حدیبیہ۔ ۳ فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۳۴۰ ذکر حدیبیہ۔

صلح کی تھی اور ابتدا حضرت عمرؓ کی فہم میں نہ آسکی' وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بناء پر خدا نے سورۃ فتح میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا اس زمانے تک کافرہ عورتوں کا عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی ولا تمسکو ھن بعصم الکوافر تو یہ امر ممنوع ہو گیا' اس بناء پر حضرت عمرؓ نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافرہ تھیں طلاق دے دی ان میں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا ام کلثوم بنت جرول تھا' ان دونوں کو طلاق دینے کے بعد حضرت عمرؓ نے جمیلہ سے جو ثابت بن ابی الاجلح کی بیٹی تھیں نکاح کیا' حضرت عمرؓ کے فرزند عاصم انہی کے بطن سے تھے۔[1] اسی سال رسول اللہ ﷺ نے سلاطین اور اولیان ممالک کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔

جنگ خیبر ۷ھ (۶۲۹ء) ۷ھ میں خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا' اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلہ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے خیبر میں جاکر آباد ہوئے' انہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے ۵ھ میں قریش کو جاکر بھڑکایا اور ان کو مدینہ پر چڑھا لائے' اس تدبیر میں اگرچہ ان کو ناکامی ہوئی لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے' اور اسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے' چنانچہ ۶ھ میں قبیلہ بنو سعد نے ان کی اعانت پر آمادگی ظاہر کی' آنحضرتؐ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علیؓ کو بھیجا' بنو سعد بھاگ گئے' اور پانچ سو اونٹ غنیمت میں ہاتھ آئے۔[2] پھر قبیلہ غطفان کو آمادہ کیا' چنانچہ جب آنحضرتؐ خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سدراہ ہونا چاہا' ان حالات کے لحاظ سے ضروری تھا کہ یہودیوں کا زور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان ان کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض ۷ھ میں آنحضرتؐ نے چودہ سو پیدل اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کا رخ کیا' خیبر میں یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا لئے تھے مثلاً حصن ناعم' حصن قموص' حصن صعب و طیح اور سلالم' یہ سب قلعے جلد از جلد فتح ہو گئے لیکن و طیح و سلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے' آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے' پھر حضرت عمرؓ مامور ہوئے وہ برابر دو دن جاکر لڑے۔

---

[1] طبری واقعات ۶ھ۔ [2] مواہب لدنیہ وزرقانی ذکر سریہ علی الی بنی سعد۔

لیکن دونوں دن ناکام رہے آنحضرتؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہو گا' اگلے دن تمام اکابر صحابہ علم نبوی کی امید میں بڑے سروسامان سے ہتھیار سج سج کر آئے' ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علیؓ کے لیے اٹھا رکھا تھا' چنانچہ آنحضرتؐ نے کسی طرف توجہ نہیں کی' اور حضرت علیؓ کو بلا کر علم ان کو عنایت کیا' مرحب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا' اور اس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

خیبر کی زمین آنحضرتؐ نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا حضرت عمرؓ کے حصے میں آیا' حضرت عمرؓ نے اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

۸ھ میں مکہ فتح ہوا' اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایہ امن میں آئے' چنانچہ قبیلہ' خزاعہ نے آنحضرت اور خاندان بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا' ان دونوں قبیلوں میں مدت سے ان بن تھی اور بہت سے معرکے ہو چکے تھے' لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح وقوع میں آئی اور شرائط معاہدہ کی رو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے' لیکن چند ہی روز کے بعد بنو بکر نے نقض عہد کیا اور قریش نے ان کی اعانت کی یہاں تک کہ خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لی تب بھی ان کو پناہ نہ ملی' خزاعہ نے جا کر آنحضرتؐ سے استغاثہ کیا' ابو سفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لیے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرتؐ نے کچھ جواب نہ دیا وہ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملے کو طے کرا دیجیے' حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔

آنحضرت نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں' اور رمضان ۸ھ میں ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے' مقام الظہران میں نزول اجلال ہوا تو حضرت عباسؓ آنحضرتؐ کے خچر پر سوار

ہو کر مکہ کی طرف چلے' ادھر سے ابو سفیان آ رہا تھا۔ حضرت عباسؓ نے اس سے کہا آ۔ میں تجھ کو رسولؐ اللہ سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں' ابو سفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباسؓ کے ساتھ ہولیا راہ میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا' ابو سفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ حضرت عباسؓ اس کی سفارش کے لیے جا رہے ہیں بڑی تیزی سے بڑھے اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں' حضرت عباسؓ نے کہا کہ "عمر! ابو سفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہ ہوتا' اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس طرح اس کی جان کے خواہاں نہ ہوتے" حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوئی تھی جب آپ اسلام لائے تھے۔" آنحضرت نے حضرت عباسؓ کی سفارش قبول کی اور ابو سفیان کو امن دیا۔

آنحضرتؐ بڑے جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور در کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ جو بعینہ تاریخوں میں منقول ہے' پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف فرما ہوئے لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے' حضرت عمرؓ آنحضرت سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرتؐ بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو' چنانچہ تمام عورتوں نے انہی کے ہاتھ پر آنحضرتؐ سے بیعت لی۔

غزوۂ حنین اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ حنین[1] کے نام سے مشہور ہے ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ابتداء سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے' آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے' چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ مکہ پہنچے تو مکہ پر حملہ کے لیے بڑے ساز و سامان سے روانہ ہو کر حنین میں ڈیرے ڈالے۔[2] آنحضرت نے یہ خبر سنی تو بارہ ہزار کی

1۔ حنین' عرفات کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے نو دس میل ہے۔

2۔ تاریخ طبری۔

جمعیت کے ساتھ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ حنین میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملہ میں ہوازن کو بھگا دیا۔[1] لیکن مال غنیمت کے لوٹنے میں معروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اس قدر تیر برسائے کہ بل چل مچ گئی۔ اور بارہ ہزار آدمیوں سے معدودے چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے' اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے' اور ان میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں' چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے محمد بن اسحاق جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں داخل ہیں اور مغازی وسیر کے امام مانے جاتے ہیں کتاب المغازی میں لکھا ہے وبا پیغمبر چند تن از مہاجرین و انصار و اہل بیت بازماندہ بو دند مثل ابو بکرؓ و عمرؓ و علیؓ و عباسؓ۔[2]' [3]

لڑائی کی صورت بگڑ کے پھر بن گئی یعنی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

۹ ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ سن کر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا' اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا اس لیے لوگوں کو زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں حضرت عمرؓ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لا کر پیش کیا غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا کیا گیا تو آنحضرتؐ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے لیکن مقام تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی' اس لیے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

اسی سال آنحضرت نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرز عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی' اس لیے تمام صحابہ کو نہایت رنج و افسوس تھا تاہم کوئی شخص آنحضرت کی خدمت

۱۔ صحیح مسلم غزوہ حنین۔

۲۔ ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نے دیکھی لیکن اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ فارسی زبان میں میری نظر سے گزرا ہے اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے یہ ترجمہ ۶۱۳ھ میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اس کا ایک نہایت قدیم نسخہ آلہ آباد کے کتب خانہ عام میں موجود ہے۔

۳۔ ترمذی و ابوداؤد میں واقعہ فضائل ابو بکرؓ کے تحت میں منقول ہے لیکن غزوہ کی تعیین نہیں ہے۔

میں کچھ کہنے سننے کی جرات نہیں کر سکتا تھا' حضرت عمرؓ نے حاضر خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی' آخر حضرت عمرؓ نے پکار کر دربان سے کہا کہ "شاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کے لیے آیا ہوں۔ خدا کی قسم اگر رسولؐ اللہ حکم دیں تو میں جاکر حفصہ کی گردن مار دوں۔" (صحیح مسلم باب الطلاق)

آنحضرت نے فوراً بلا لیا' حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ "کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دے دی؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں" حضرت عمرؓ نے کہا تمام مسلمان مسجد میں سوگوار بیٹھے ہیں۔ آپؐ اجازت دیں تو ان کو یہ مژدہ سنا آؤں' اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے انہیں واقعات کے سلسلہ میں ایک موقع پر کہا کہ "عمر! تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے ہو' یہاں تک کہ اب ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔"

۶۳۲ء ۱۰ھ میں تمام اطراف عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آئے۔ اسی سال آنحضرت نے حج کے لیے مکہ مکرمہ کا قصد کیا' اور یہ حج آپؐ کا آخری حج تھا۔

۶۳۳ء ۱۱ھ ماہ صفر میں آنحضرتؐ نے رومیوں کے مقابلے کے لیے اسامہ بن زیدؓ کو مامور کیا اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جائیں' لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرتؐ بیمار ہو گئے اور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

آنحضرتؐ بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے۔ بیہقی نے بہ سند صحیح انکی تعداد دس دن بیان کی ہے سلیمان تیمی نے بھی اپنی مغازی میں یہ تعداد لکھی (فتح الباری ج ۵ ص ۹۸) ہے' بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اس قدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جاکر نماز ادا فرماتے تھے' یہاں تک کہ عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپؐ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔

قرطاس کا واقعہ بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ "میں تمہارے لئے ایسی چیزیں لکھوں تاکہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے" اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی طرف

مخاطب ہو کر کہا کہ " آنحضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے" حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ " رسولؐ اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے، ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسولؐ اللہ ﷺ مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ " لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔" یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لیے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لئے اس میں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا، باوجود اس کے حضرت عمرؓ بے پروائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے" طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے، کہ حضرت عمرؓ ہی نے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نعوذ باللہ)

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصول درایت سے کسی نے کام نہیں لیا اس لئے مسئلہ نامنفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھیڑا گیا کہ پیغمبر سے ہذیان ہونا ممکن ہے، کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرتؐ عوارض انسانی سے بری نہ تھے۔

یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کسی امر پر استناد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لیے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۱۔ آنحضرتؐ کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

۲۔ کاغذ و قلم دوات طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرتؐ نے دو شنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لئے اس واقعہ کے بعد آنحضرتؐ چار دن تک زندہ رہے۔

۳۔ اس تمام مدت بیماری میں آنحضرتؐ کی نسبت اور کوئی واقعہ اختلال حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

۴۔ اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے بہت

سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں سات طریقوں سے مذکور ہے) بااین ہمہ بجز عبداللہ بن عباسؓ کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

۵۔ عبداللہ بن عباسؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۳۔ ۱۴ برس کی تھی۔

۶۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباسؓ خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔ ؎۱

۷۔ تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ "رسولؐ اللہ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔ ؎۲۔"

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرتؐ کے اختلال و حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں، تو صرف اس قدر کہنے سے کہ "قلم دوات لاؤ۔" لوگوں کو ہذیان کا کیونکر خیال پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کر لو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اس کے یہ تو معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے، ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ "قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو" اس میں ہذیان کی کیا بات ؎۳ ہے؟ یہ روایت ہے اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہرحال تسلیم کرنا ہو گا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ

؎۱ بخاری باب کتابتہ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس واقعہ میں موجود تھے اس لئے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور بہ دلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے دیکھو فتح الباری باب کتابتہ العلم۔

؎۲ علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر ان کو ناز ہے کہ "لوگوں نے یہ لفظ انکار و استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔ خدانخواستہ آنحضرتؐ کا قول ہذیانی تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جاوے" یہ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا احتمال نہیں مثلاً ہجراً ہجراً (دو دفعہ) یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھجر (صحیح مسلم)

؎۳ ہمارے نکتہ سنجوں نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسولؐ اللہ لکھنا نہیں جانتے تھے اسی لئے آپ کا یہ فرمانا کہ میں لکھ دوں، ہذیانی کا قرینہ تھا۔ لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنی لکھوانے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع و ذائع ہے۔

دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت ہوش میں نہیں ہیں' اور بیہوشی کی
حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔

پس ایسی روایت سے جس میں راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دی
کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے' اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ ا
بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس ک
راوی ہیں اور یہ کہ ان کی عمر اس وقت ۱۳۔ ۱۴ برس کی تھی' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ
واقعہ کے وقت موجود نہ تھے' تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جا
ہے' ممکن ہے کہ کسی کو تاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر ش
کیا جائے لیکن اس کو سمجھنا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کر
کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا' اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

غرض آنحضرت اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اس اثناء میں وقتاً فوقتاً
بہت سی ہدایات اور وصیتیں فرمائیں' عین وفات کے دن آپؐ کی حالت اس قدر سنبھل گ
تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا' اور حضرت ابو بکرؓ اسی خیال سے اپنے مکان کو ج
مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔[۱] لیکن حضرت عمرؓ وفات کے وقت تک موجو
رہے۔ آنحضرتؐ نے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دو شنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھ
میں انتقال فرمایا۔ سہ شنبہ کو دوپہر ڈھلنے پر مدفون ہوئے۔ جماعت اسلام کو آپؐ کی وفات س
جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ عام روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اس قدر خود رف
ہوئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی اس
کو قتل کر دوں گا۔" لیکن قرائن اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے' ہمارے نزدیک چونک
مدینے میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لیے آنحضرتؐ کی وفات ک
منتظر تھا' اس لئے حضرت عمرؓ نے مصلحتاً اس خبر کے پھیلنے کو روکا ہو گا۔ اسی واقعہ نے روایتوں
کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں
اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس کے مطابق نہیں ہو سکتیں۔

---

[۱] طبری صفحہ ۱۳۔ ۱۴

سقیفۂ بنی ساعدہ، حضرت ابو بکرؓ کی خلافت

اور حضرت عمرؓ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے کس کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ رسولؐ اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آ جائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ) سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا، یعنی حضرت علیؓ و خاندان بنی ہاشم، ان پر فطری تعلق کا پورا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے آنحضرتؐ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان کو باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ و ابو بکرؓ وغیرہ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؓ سے بزور منوانا چاہا، گو بنو ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ کیا خلافت کا سوال حضرت عمرؓ وغیرہ نے چھیڑا تھا؟

۲۔ کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے؟

۳- کیا حضرت علیؓ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے؟

۴- ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمرؓ وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟

دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب مسند ابو لیلیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

بینما نحن فی منزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدر ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادرکوھم ان یحدثوا امراً یکون فیہ حرب فقلت لابی بکر انطلق

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب (حضرت عمرؓ) ذرا باہر آؤ میں نے کہا کہ چلو ہٹو' ہم لوگ آنحضرتؐ کے بندوبست میں مشغول ہیں' اس نے کہا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو' ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اس وقت میں نے ابو بکرؓ سے کہا کہ چلو۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نہ حضرت عمرؓ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی تھی بنو ہاشم جس میں حضرت علیؓ شامل تھے' مہاجرین جن کے رئیس و افسر حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ تھے۔ انصار جن کے شیخ القبیلہ سعد بن عبادۃ تھے ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا انصار نے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا' بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے دن حضرت علیؓ مکان سے باہر نکلے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ رسولؐ اللہ کا مزاج کیسا ہے' چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی' حضرت علیؓ نے کہا' "خدا کے فضل سے آپؐ اچھے ہو گئے" حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے' میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسولؐ اللہ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے۔ کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندان

عبد المطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے' آؤ چلو رسول اللہ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب (خلافت) کس کو حاصل ہو گا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لئے وصیت فرما دیں گے۔" حضرت علیؓ نے کہا۔ "میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرتؐ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید نہیں رہے گی۔" ۱

اس روایت سے حضرت عباسؓ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے' حضرت علیؓ کو آنحضرتؐ کی وفات کا اس وقت تک یقین نہ تھا اس لئے انہوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا اس کے علاوہ اپنے انتخاب کئے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنو ہاشم اور ان کے اتباع شریک تھے اور حضرت علیؓ ان کے پیشرو تھے' صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی زبانی روایت ہے۔ ۲

کان من خبرنا حین توفی اللہ نبیہ ان الانصار خالفونا و اجتمعوا باسرھم فی سقیفۃ بنی ساعدۃ و خالف عنا علی والزبیر و من معھما و اجتمع المھاجرون الی ابی بکر۔

ہماری سرگزشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا تو انصار نے قابتہ ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علیؓ و زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی اور مہاجرین ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوئے۔

یہ تقریر حضرت عمرؓ نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جس میں سینکڑوں صحابہ موجود تھے اس لئے اس بات کا گمان نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو' ورنہ یہ لوگ ان کو وہیں ٹوکتے۔ امام مالکؒ کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں

وان علیا والزبیر و من کان معھما تخلفوا نی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ (فتح الباری شرح حدیث مذکور)

اور علیؓ اور زبیرؓ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے۔

تاریخ طبری میں ہے

۱۔ صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی

و تخلف علي والزبير و اخترط الزبير سيفه وقال لا اعمده حتى يبايع علي (تاریخ طبری ص ۱۸۲۰)	اور حضرت علیؓ و زبیرؓ نے علیحدگی اختیار کی اور زبیرؓ نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا جب تک علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار کو میان میں نہ ڈالوں گا۔

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ

۱۔ آنحضرت کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے۔

(۱) انصار (۲) مہاجرین (۳) بنو ہاشم

۲۔ مہاجرین حضرت ابو بکرؓ کے اور بنو ہاشم حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

۳۔ جس طرح حضرت عمرؓ وغیرہ آنحضرت کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے حضرت علیؓ بھی آنحضرتؐ کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علیؓ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے غم و الم میں مصروف تھے اور ان کو ایسے پردرد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین حضرت ابو بکرؓ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بے جا تھا یا بجا؟ اس کو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا ہو باسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع اور گریہ زاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے اور ایک منظم حالت قائم ہو جائے انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث کو چھیڑ کر حالت کو نازک کر دیا کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے کہا کہ "محمد! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے۔" کسی طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے تھے قریش پر کیا موقوف ہے، تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا وان العرب لا تعرف هذا الامر الا لهذا الحي من قريش

اس کے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے' اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا' اس حالت میں ضرور تھا کہ انصار کے دعوی خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے بااثر اور بزرگ اور معمر حضرت ابو بکرؓ تھے' اور فوراً ان کا انتخاب بھی ہو جاتا لیکن لوگ انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں' ساتھ ہی حضرت عثمانؓ' ابو عبیدہ بن جراحؓ' عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بھی ہاتھ بڑھائے [1] اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی' اس کارروائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک گیا اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے صرف بنو ہاشم اپنے ادعا پر رکے رہے' اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں وقتاً" فوقتاً" جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے حضرت عمرؓ نے بزور ان سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؓ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا۔ "یا بنت رسول اللہ! خدا کی قسم آپ ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔" اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں' حضرت عمرؓ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں' حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمرؓ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انہی بے اعتدالوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہؓ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے کیونکہ انہوں نے جمادی الثانی ۱۳ھ

---

[1] ابن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ اول صرف پانچ شخصوں نے بیعت کی تھی۔

میں انتقال کیا' اس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمرؓ ہی کی شرکت سے انجام پائے۔ تاہم ان واقعات کو ہم الفاروق میں نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں اور اس شخص کا حصہ ہیں جس کو حضرت ابو بکرؓ کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابو بکرؓ کو اگرچہ مدتوں کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بار گراں حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی سے اٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب انہوں نے عام رائے کا اندازہ کرنے کے لیے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا سب سے پہلے عبدالرحمن بن عوفؓ کو بلا کر پوچھا انہوں نے کہا کہ عمرؓ کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا" ان کی سختی اس لیے تھی کہ میں نرم تھا جب کام انہیں پر آپڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے" پھر حضرت عثمانؓ کو بلا کر پوچھا' انہوں نے کہا" میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے' اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں۔" جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعض کو تردد ہوا چنانچہ طلحہ نے حضرت ابو بکرؓ سے جا کر کہا کہ "آپ کے موجود ہوتے عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو جانے کیا کریں گے اب آپ خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔" حضرت ابو بکرؓ نے کہا" میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔" یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور عہد نامہ لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھوائے جا چکے تھے کہ غش آگیا' حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ" میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ کیا لکھا تھا مجھ کو پڑھ کر سناؤ حضرت عثمانؓ نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے' اور کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے' عہد نامہ لکھا جا چکا تھا تو حضرت ابو بکرؓ نے اپنے غلام کو دیا کہ جا کر مجمع عام میں سنائے' پھر خود بالا خانے پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ عمرؓ کو مقرر کیا' کیا تم لوگ اس پر راضی ہو سب نے سمعنا و اطعنا کہا۔ پھر حضرت عمرؓ کو نہایت موثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کے لیے عمدہ دستور العمل کی جگہ کام آئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں مرتدین عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی ۱۲ھ میں عراق میں لشکر کشی ہوئی اور حیرۃ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ ۶۳۴ء ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں ان مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہو گیا' حضرت عمرؓ نے عنان خلافت اپنے ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام انہی مہمات کا انجام دینا تھا لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عرب بایدہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اس کے حالات نامعلوم ہیں تاہم اس قدر ہے کہ عاد اور عمالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا' عرب عرباء جو یمن کے فرمانروا تھے ان کی حکومت ایک زمانہ میں بہت زور پکڑ گئی تھی' یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہو گئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا اور بیت المقدس کی بربادی نے اس کے نام کو شہرت دے دی جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اس کے مطیع ہو گئے اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے' رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی' اور چونکہ اس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی' عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی جس کا پہلا فرمانروا مالک بن فہم عدنانی تھا' اس خاندان میں جزیمتہ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی' اس کا بھانجا عمرو بن عدی جو اس کے بعد تخت نشین ہوا اس نے حیرۃ کو دارالسلطنت قرار دیا اور عراق کا بادشاہ کہلایا' اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہو گیا تھا کہ ہشام کلبی کا بیان [1] ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ

---

[1] ہشام کلبی نے یہ تصریح کتاب التیجان میں کی ہے۔

تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرۃ میں اس زمانے میں تصنیف ہوئی تھیں۔" اسی زمانے میں اردشیر بن مالک نے طوائف الملوکی مٹاکر ایک وسیع سلطنت قائم کی، اور عمرو بن عدی کو باج گذار بنا لیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا، لیکن درحقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاہ پور بن اردشیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا، اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باج گذار ہو گئے اور امراء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی چنانچہ شاہ پور ذی الاکتاف جب صغر سنی میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی یہاں تک کہ قبیلہ عبدالقیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا اور ایاد نے عراق کے صوبے دبا لئے، شاہ پور بڑا ہو کر بڑے عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا۔ اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا ہجر میں پہنچ کر نہایت خونریزی کی، اور قبیلہ عبدالقیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ روسائے عرب جو گرفتار ہو کر اس کے سامنے آتے تھے ان کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا، چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطین حیرۃ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانہ میں تھا، عیسوی مذہب قبول کر لیا اور اس تبدیل مذہب پر یا کسی اور سبب سے پرویز نے اس کو قید کر دیا اور قید ہی میں اس نے وفات پائی نعمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دیئے جو قبیلہ بکر کا سردار تھا، پرویز نے اس سے وہ چیزیں طلب کیں اور جب اس نے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ بزور چھین لائے بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام میں بڑے سروسامان سے جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا فارسیوں نے شکست کھائی، اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ

هذا اول یوم انتصفت العرب من العجم — یعنی "یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا۔"

عرب کے تمام شعراء نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ ۶ء میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اس کے کہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ تک نہ تھا، پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے" اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ بازان کو جو

یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیج دو کہ "محمدؐ کو گرفتار کر کے دربار میں لائے۔" اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ یہیں تک رہ گیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلیح و غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے' ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر قبضہ کر لیا تھا' اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کہلانے لگے تھے' لیکن یہ لقب خود ان کا خانہ ساز لقب تھا' ورنہ جیسا کہ مورخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے درحقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔

ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اس وجہ سے ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی' اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے۔ ۶ ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا' اور دحیہ کلبی (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارض جذام میں پہنچے' تو انہی شامی عربوں نے دحیہ پر حملہ کیا اور ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا' اسی طرح جب رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دے کر بصری کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شرحبیل نے ان کو قتل کرا دیا۔ چنانچہ اس کے انتقام کے لئے رسولؐ اللہ نے ۸ ھ میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا' اس لڑائی میں زید بن حارثہؓ حضرت جعفر طیارؓ عبداللہ بن رواحہؓ جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہوئے اور گو خالدؓ کی حکمت عملی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی تاہم نتیجہ جنگ درحقیقت شکست تھا۔

۹ ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں لیکن جب رسول اللہ ﷺ خود پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اس وقت عارضی طور سے لڑائی رک گئی لیکن رومی اور غسانی مسلمانوں کی فکر سے بھی غافل نہیں رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسولؐ اللہ کی نسبت مشہور ہوا کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی تو ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے جا کر کہا کہ کچھ تم نے سنا! حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا؟ کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے۔

اسی حفظ ماتقدم کے لئے ۱۱ ھ میں رسولؐ اللہ نے اسامہ بن زیدؓ کو سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور بڑے بڑے

نامور صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اسامہؓ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار ہو کر انتقال فرمایا' غرض جب حضرت ابو بکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا' حضرت ابو بکرؓ نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تم میں جو شخص مارا جائے گا شہید ہو گا اور جو بچ جائے گا مدافع عن الدین ہو گا یعنی دین کو اس نے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہو گا۔" ان واقعات سے ظاہر ہو گا کہ حضرت ابو بکرؓ نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمرؓ نے جس کی تکمیل کی اس کے کیا اسباب تھے؟ اس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحات ۱؎ عراق ۲؎

فارس کی حکومت کا چوتھا دور جو ساسانی کہلاتا ہے نوشیروان عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی لیکن اس کے مرنے کے ساتھ دفعتہ" ایسی ابتری پیدا ہو گئی کہ ایوان حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیرویہ اس کے بیٹے نے کل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم و بیش پندرہ تھے قتل کرا دیا' اس کے بعد اس

۱؎ جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصے کیے ہیں یعنی جو حصہ عرب سے ملحق ہے اس کو عراق عرب اور جو حصہ عجم سے ملحق ہے اس کو عراق عجم کہتے ہیں عراق عرب کی حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں جزیرہ جنوب میں بحر فارس' مشرق میں خوزستان اور مغرب میں دیار بکر ہے جس کا مشہور شہر موصل ہے دارالسلطنت اس کا بغداد ہے اور جو بڑے بڑے شہر اس میں آباد ہیں وہ بصرہ' کوفہ' واسط وغیرہ ہیں۔

۲؎ ہمارے مورخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سنین کو عنوان قرار دیتے ہیں لیکن اس میں یہ نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آئے ہیں کہ سنہ ختم ہوا چاہتا ہے اور انکو اس سنہ کے تمام واقعات لکھنے ہیں اسلیئے قبل اسکے کہ ایران کی فتوحات تمام ہوں یا موزوں موقع پر ان کا سلسلہ ٹوٹے شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھیڑ دینا پڑتا ہے اسلیئے میں نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جا شام کو ایک جا اور مصر کو ایک جا لکھا ہے۔

کا بیٹا اردشیر ۷ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا' لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اس کو قتل کر دیا اور آپ بادشاہ بن بیٹھا' یہ سنہ ہجری کا بارہواں سال تھا چند روز کے بعد درباریوں نے اس کو قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا' وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا' اب چونکہ خاندان میں یزدگرد کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا' اولاد ذکور باقی نہیں رہی تھی' پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یزدگرد سن شعور کو پہنچ جائے گا تو وہی تخت و تاج کا مالک ۔ا ہو گا۔

پرویز کے بعد جو انقلابات حکومت ہوتے رہے اس کی وجہ سے ملک میں جا بجا بے امنی پھیل گئی' پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں رہا برائے نام ایک عورت کو ایوان شاہی میں بیٹھا رکھا ہے' اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنی شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرة وابلہ کی طرف غارت گری شروع کی۔۲ یہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا' اور خالدؓ سیف اللہ یمامہ اور دیگر قبائل عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے مثنی نے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی' مثنی خود اگرچہ اسلام لا چکے تھے لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا' حضرت ابو بکرؓ کی خدمت سے واپس آ کر انہوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔۳ ان نو مسلموں کا ایک بڑا گروہ لے کر عراق کا رخ کیا ادھر حضرت ابو بکرؓ نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا' خالدؓ نے عراق کے تمام سرحدی مقام فتح کر لئے اور حیرة پر علم فتح نصب کیا یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے حوزنق ایک مشہور محل بنایا تھا' وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالدؓ کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں لیکن ان کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں' خالدؓ نے مہمات عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا لیکن چونکہ ادھر شام کی مہم

۱۔ شیرویہ کے بعد سلسلہ حکومت کی ترتیب اور ناموں کی تعین میں مورخین اس قدر مختلف ہیں کہ دو مورخ بھی باہم متفق نہیں' فردوسی کا بیان سب سے الگ ہے۔ میں نے بلحاظ قدیم العہد اور فارسی النسل ہوئے ابو حنیفہ دینوری کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

۲۔ الاخبار الطول ابو حنیفہ دینوری۔

۳۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۲۱۔

درپیش تھی اور جس زور و شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اس کے مقابلہ کا وہاں پورا سامان نہ تھا حضرت ابو بکرؓ نے ربیع الثانی ۱۳ھ ۶۳۴ء میں خالدؓ کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور مثنیٰ کو اپنا جانشین کرتے جائیں' ادھر خالدؓ روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعتہ" رک گئیں۔

حضرت عمرؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی بیعت خلافت کے لئے تمام اطراف و دیار سے بیشمار آدمی آئے تھے اور تین دن تک ان کا تانتا بندھا رہا تھا' حضرت عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کہا لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے' اور وہ خالدؓ کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب خاموش رہے حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وغظ کہا' لیکن کچھ اثر نہ ہوا' آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے مثنیٰ شیبانی نے اٹھ کر کہا کہ مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔" حاضرین میں سے ابو عبیدہ ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے وہ جوش میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا لھذا یعنی "اس کام کے لیے میں حاضر ہوں۔" ابو عبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ اور مضافات سے[1] ہزار آدمی انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابوعبیدہ کو آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا' یعنی صحابی نہ تھے اس وجہ سے ان کی افسری پر کسی کسی کو خیال ہوا یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ "عمر! صحابہ میں کسی کو یہ منصب دو' فوج میں سینکڑوں صحابہ ہیں اور ان کا افسر بھی صحابی ہو سکتا ہے۔" حضرت عمرؓ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ "تم کو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا' یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لڑنے سے جی چرائیں وہ افسر مقرر کئے جائیں۔" تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضرور تھی۔ ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ ان کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایران کو چونکا دیا تھا چنانچہ

---

[1] بلاذری کی روایت ہے ابو حنیفہ دینوری نے ۵ ہزار تعداد لکھی ہے۔

پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ و سپید کا مالک ہے' یہ کہہ کر اس کے سر پر تاج رکھا اور درباریوں کو جن میں تمام امراء اور اعیان سلطنت شامل تھے۔ تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں۔" چونکہ اہل فارس اپنی نا اتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے' انہوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز میں تمام بدانتظامیاں مٹ گئیں اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کر لی جو ہرمزو پرویز کے زمانے میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی اضلاع عراق میں ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دیئے جنہوں نے مذہبی حمیت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھیلا دی چنانچہ ابو عبیدہ کے پہنچنے سے پہلے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے ان کے ہاتھ سے نکل گئے' پوران دخت نے رستم کی اعانت کے لیے ایک اور فوج گراں تیار کی اور نرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا' جابان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اس کو خاص عداوت تھی' نرسی کسری کا خالہ زاد بھائی تھا' اور عراق کے بعض اضلاع قدیم سے اس کی جاگیر تھے' یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے ادھر ابو عبیدہ اور مثنی حیرۃ تک پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ مصلحت دیکھ کر خفان کو ہٹ آئے جابان نمازق پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبیدہ نے اس اثناء میں فوج کو سروسامان سے آراستہ کر لیا اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لیے بڑھے' نمازق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں' جابان کے میمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے' جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ لیکن بالاخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے' مردان شاہ بدقسمتی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جابان اس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ اس کو پہچانتا نہ تھا جابان نے اس سے کہا کہ اس بڑھاپے میں میں کس کام کا ہوں' مجھ کو چھوڑ دو' اور معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لو' اس نے منظور کر لیا' بعد کو لوگوں نے جابان کو پہچانا تو غل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔

ابو عبیدہ نے اس معرکہ کے بعد کسکر کا رخ کیا جہاں نرسی فوج لئے پڑا تھا سقاطیہ میں

دونوں فوجیں مقابل ہوئیں' نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور خود کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ میمنہ اور میسرہ پر تھے' تاہم نرسی اس وجہ سے لڑائی میں دیر کر رہا تھا کہ پایہ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں ابو عبیدہ کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی' انہوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی بہت بڑے معرکہ کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی' ابو عبید نے خود سقاطیہ میں مقام کیا اور تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بھیج دیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہے ان کو وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فراونداو جو باروسما اور زوابی کے رئیس تھے مطیع ہو گئے' چنانچہ اظہار خلوص کے لیے ایک دن ابو عبید کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے' ابو عبیدہ نے دریافت کیا کہ یہ سامان کل فوج کے لیے ہے یا صرف میرے لئے؟ فرخ نے کہا کہ اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا' ابو عبیدہ نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سن کر رستم نے مروان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جس کو نوشیرواں نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا' چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا کہ درفش کاریانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا اور فتح و ظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا' مشرق فارت کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا' دونوں حریف صف آراء ہوئے' چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں' ابو عبیدہ کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کو اس طرف رہنا چاہیے لیکن ابو عبیدہ جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے کہ یہ نامردی کی دلیل ہے' سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں۔" مروان شاہ جو پیغام لے کر آیا تھا' اس نے کہا ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ "عرب مرد میدان نہیں ہیں۔" اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا اور ابو عبیدہ نے اسی وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا' مثنی اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت و شان میں ان کا رتبہ ابو عبیدہ سے بڑھ کر تھا' جب ابو عبیدہ نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہو جائے گی تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں' غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور تمام فوج پار اتر کر

غنیم سے معرکہ آراء ہوئی' پار کا میدان تنگ و ناہموار تھا اس لئے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا' بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکتے تھے اور بڑے زور سے بجتے جاتے تھے' گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں' سوار سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا' بدک کر پیچھے ہٹے ابو عبید نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو للکارا کہ جانبازو! ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت الٹ دو۔" اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا' لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی' ابو عبیدہ یہ دیکھ کر پیل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مستک سے الگ ہو گئی ہاتھی نے بڑھ کر ان کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیئے کہ ہڈیاں تک چور چور ہو گئیں۔

ابو عبید کے مرنے پر ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے اس نے ابو عبیدہ کی طرح ان کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مسل دیا' اس طرح سات آدمیوں نے جو سب کے سب ابو عبیدہ کے ہم نسب اور خاندان ثقیف سے تھے' باری باری سے علم ہاتھ میں لیے اور مارے گئے آخر میں مثنی نے علم لیا' لیکن اس وقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا اور فوج میں بھاگڑ پڑ چکی تھی طرہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پل کے تختے توڑ دیئے کہ کوئی شخص بھاگ نہ جانے پائے۔ لیکن لوگ اسی طرح بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پل کی طرف رستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے' مثنی نے دوبارہ پل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار اتار دے' خود بچی کھچی فوج کے ساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دباتے آتے تھے رک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے' تاہم حساب کیا گیا' تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔

اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ نادر وقوع میں آیا ہے اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آ بھی گیا تو اس کا عجیب افسوس ناک اثر ہوا ہے اس لڑائی میں جن لوگوں کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھروں

کو نہیں جاتے تھے اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے' مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا لوگ مسلمانوں کی بدقسمتی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے' جو لوگ مدینہ پہنچ کر گھروں میں روپوش تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے حضرت عمرؓ ان کے پاس جا کر ان کو تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم او متحیزا الی فئة میں داخل ہو لیکن ان کو اس سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان ۱۳ ھ میں واقعہ ہوا' اس لڑائی میں نامور صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے وہ سلیط' ابو زید انصاری' عقبہ و عبداللہ پسران قبطی بن قیس' یزید بن قیس الانصاری ابوامیہ الفرازی وغیرہ تھے۔

واقعہ بویب رمضان ۱۴ھ (۶۳۵ء)

اس شکست نے حضرت عمرؓ کو سخت برہم کیا' اور نہایت زور شور سے حملہ کی تیاریاں کیں' تمام عرب میں خطبا اور نقیب بھیج دیئے جنہوں نے پر جوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگا دی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل امنڈ آئے۔ قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لے کر آیا بنو تمیم کے ہزار آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لے کر پہنچے' اسی طرح قبیلہ رباب' بنو کنانہ' ثعم' بنو حنظلہ' بنو ضبہ کے بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے' یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ "نمرو تغلب کے سرداروں نے جو مذہبا عیسائی تھے' حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ "آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔" ان دونوں سرداروں کے ساتھ ان کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے' اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہیں دنوں جریر بجلی دربار خلافت میں حاضر ہوا یہ ایک مشہور سردار تھا اور جناب رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلہ کا سردار مقرر کر دیا جائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن تعمیل کی نوبت نہیں آئی تھی' حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیج دیئے کہ جہاں جہاں اس قبیلے کے آدمی ہوں' تاریخ معین پر اس کے پاس پہنچ

جائیں، جریر یہ جمعیت اعظم لے کر دوبارہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔

ادھر مثنیٰ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات پر نقیب بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی، ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار سوار انتخاب کئے جائیں اور مہران بن مہرویہ ہمدانی افسر مقرر کیا جائے مہران کے انتخاب کی یہ وجہ تھی کہ اس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی، اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور و قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا، اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے، مہران پایہ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر خیمہ زن ہوا۔ صبح ہوتے ہی فرات اتر کر بڑے سرو سامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ مثنیٰ نے نہایت ترتیب سے صف درست کی، فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیئے چنانچہ میمنہ پر مزعور، میسرہ پر نسیر پیدل پر مسعود، والنٹیئر پر عاصم، گشت کی فوج پر عصمہ کو مقرر کیا، لشکر آراستہ ہو چکا تو مثنیٰ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک بار چکر لگایا اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔ "بہادرو دیکھنا تمہاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آئے۔

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا پہلی تکبیر پر فوج حربہ و ہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی، دوسری تکبیر پر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرہ پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مثنیٰ نے دوسری تکبیر ابھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا، یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش میں آ کر صف سے آگے نکل گئے مثنیٰ نے غصے میں آ کر ڈاڑھی دانتوں میں دبالی، اور پکارے کہ "خدا کے لئے اسلام کو رسوا نہ کرو۔" اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آ کر جم گیا، چوتھی تکبیر کہہ کر مثنیٰ نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اٹھا مثنیٰ نے فوج کو للکارا کہ گھبرانا نہیں یہ نامردانہ غل ہے، عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو، اور آج قوم کا معاملہ ہے میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔" انہوں نے لبیک کہا، مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لے کر دھاوا کیا، اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے، عجمی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے مثنیٰ نے للکارا کہ "مسلمانو! کہاں جاتے ہو، میں یہ کھڑا

ہوں۔" اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے۔[1] مثنیٰ نے ان کو سمیٹ کر پھر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے ان کی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی' مثنیٰ نے للکارا کہ "مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پرواہ نہیں' شرفا یوں ہی جان دیا کرتے ہیں' دیکھو تمہارے علم جھکنے نہ پائیں۔" خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ "میرے مرنے سے بے دل نہ ہونا۔"

دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی' انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا' مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اتر کر اس کو گود میں لیا اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا' عجم کا قلب خوب جم کر لڑا مگر کل کا کل برباد ہو گیا' شہر براز جو ایک مشہور افسر تھا' قرط کے ہاتھ سے مارا گیا' تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور بڑی بہادری سے تیغ بکف لڑ رہا تھا کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اچھل کر پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجے میں پکارا میں ہوں تغلب کا نوجوان اور رئیس عجم کا قاتل۔"[2]

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے مثنیٰ نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا ادھر گزر ہوا تو انہوں نے جابجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو رعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسریٰ کے اخیر دن آ گئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں۔ اس وقت سو عجمی ہزار عرب پر بھاری تھے لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل گئے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر ادھر ادھر بھاگ گئے اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا'

---

[1] الاخبار الطول لابی حنیفۃ الدینوری۔

[2] طبری روایت سیف۔

پائے تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ زنانہ حکومت اور آپس کے اختلافات کا یہی نتیجہ تھا۔" اسی وقت پوران دخت کو تخت سے اتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس [1] کا جوان تھا اور خاندان کسریٰ کا وہی ایک نرینہ یادگار رہ گیا تھا۔ تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست و بازو تھے اور آپس میں عناد رکھتے تھے درباریوں نے ان سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کئے دیتے ہیں غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آ گئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے تمام قلعے اور چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں عجم کا سہارا پا کر وہاں بھی بغاوت پھیل گئی اور تمام مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمرؓ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ' اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں ان کو طلبی کا حکم بھیج دو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔ اس کے ساتھ خود بڑے سازوسامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی بہادر' رئیس' صاحب تدبیر' شاعر' خطیب' اہل الرائے ہو فوراً دربار خلافت میں آئے' چونکہ حج کا زمانہ آ چکا تھا۔ خود مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان امنڈ آیا۔ سعد بن ابی وقاص نے تین ہزار آدمی بھیجے۔ جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضرموت صدف' مذحج۔ قیس' غیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لے کر آئے مشہور قبائل میں سے یمن کے ہزار' بنو تمیم و رباب کے چار ہزار' بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ ہر اول طلحہؓ میمنہ پر زبیرؓ میسرہ پر عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا' فوج آراستہ ہو چکی' تو حضرت علیؓ کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کئے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے حضرت عمرؓ کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے پر کمریں باندھ

---

[1] یہ ابو حنیفہ دینوری کی روایت ہے۔ طبری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی ہے۔

لیں- صرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر مقام کیا- اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی- چونکہ امیر المومنین کا خود معرکہ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا- اسلئے صرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی- عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ "امیر المومنین! یہ مہم آپکے بغیر سر نہ ہوگی- لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اسکے خلاف رائے دی- عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں- اگر خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپکو کچھ صدمہ پہنچا' تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے- حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ "میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا- لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں" غرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمرؓ خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارگراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا- ابو عبیدہؓ اور خالدؓ شام کی مہمات میں مصروف تھے- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کیا- لوگ اسی حیص و بیص میں تھے کہ دفعتہً عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ "میں نے پا لیا-" حضرت عمرؓ نے فرمایا "کون؟" بولے کہ "سعد بن ابی وقاص"

سعدؓ بڑے رتبہ کے صحابی اور رسولؐ اللہ کے ماموں تھے ان کی بہادری اور شجاعت بھی مسلم تھی لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا- اس بناء پر حضرت عمرؓ کو پھر بھی تردد تھا- لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی رائے کی تائید کی چارو نا چار منظور کیا- تاہم احتیاط کے لحاظ سے لشکر کی تمام مہمات قبضہ اختیار میں رکھیں- چنانچہ ان معرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت' حملہ کا بندوبست' لشکر کی ترتیب فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ احکام بھیجتے رہتے تھے- اور ایک کام بھی ان کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا- یہاں تک کہ مدینہ سے عراق تک کی فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمرؓ ہی نے نامزد کر دی تھیں چنانچہ مورخ طبری نے نام بنام ان کی تصریح کر دی ہے-

غرض سعدؓ نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ۱۷- ۱۸ منزلیں طے کر کے ثعلبہ پہنچے-۱ اور یہاں مقام کیا' ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط

۱- بلاذری نے ثعلبہ اور طبری نے زرود لکھا ہے یہ دونوں مقام آپس میں نہایت متصل اور بالکل قریب ہیں-

اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا تین مہینے یہاں قیام رہا۔ مثنیٰ موضع ذی قار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے۔ جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰ کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کوفہ پر بڑھیں۔ لیکن جسر کے معرکے میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی کے صدمے سے انتقال کیا' سعد نے ثعلبہ سے چل کر مشراف میں ڈیرے ڈالے' یہاں مثنیٰ کے بھائی معن ان سے آ کر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے' سعد سے بیان کئے۔ چونکہ حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں سعد نے اس مقام کا نقشہ' لشکر کا پھیلاؤ۔ فرود گاہ کا ڈھنگ' رسد کی کیفیت ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں بہت سی ہدایتیں اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری پھر میمنہ و میسرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے۔ فوج کے جدا جدا حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہو گی۔

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ	جاہلیت میں یہ بحرین کے بادشاہ تھے رسولؐ اللہ کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔
میمنہ (دایاں حصہ)	عبداللہ بن المعتصم	صحابی تھے
میسرہ (بایاں حصہ)	شرحبیل بن السمط	نوجوان آدمی تھے۔ مرتدین کی جنگ میں نہایت شہرت حاصل کی تھی۔
ساقہ (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو التمیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجرو (بے قاعدہ فوج)	سلمان بن ربیعہ الباہلی	
پیدل	جمال بن مالک الاسدی	
شتر سوار	عبداللہ بن ذی السمین	
قاضی و خزانچی	عبداللہ بن ربیعہ الباہلی	

رائد یعنی رسد وغیرہ کا بندوبست کرنے والے	سلمان فارسیؓ مشہور صحابی ہیں- فارس کے رہنے والے تھے-
مترجم	ہلال ہجری
منشی	زیادہ بن ابی سفیان
طبیب؎۱	

امرائے اعشار میں سترہ صحابہ تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے' تین سو وہ جو بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے- اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے- لیکن صحابہ کی اولاد تھے-

سعد شراف ہی میں تھے کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا' جس کا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ؎۲ میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں' تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو-"

قادسیہ نہایت شاداب' نہروں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا- حضرت عمرؓ نے جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرتے تھے اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے چنانچہ سعدؓ کو جو فرمان بھیجا اس میں قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا- تاہم چونکہ پرانا تجربہ تھا- سعدؓ کو لکھا کہ قادسیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ بھیجو کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے-" سعدؓ نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ کر بھیجے دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی-

چنانچہ سعد شراف سے چل کر غذیب پہنچے- یہاں عجمیوں کا میگزین رہا کرتا تھا جو مفت ہاتھ آیا- قادسیہ پہنچ کر سعدؓ نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبر لائیں انہوں نے آ کر بیان کیا کہ رستم (پسر فرخ داد) جو آرمینیہ کا رئیس ہے' سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے- سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی' وہاں سے جواب آیا

؎۱ افسوس ہے کہ طبری نے طبیبوں کے نام نہیں لکھے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے ساتھ طبیب بھیجے-

۲۰۔ یہ کوفہ سے ۳۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔

کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور ان کو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعدؓ نے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص انتخاب کئے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے' عطارد بن حاجب' اشعث بن قیس' حارث بن حسان' عاصم بن عمر' عمرو بن معدی کرب' مغیرہ بن شعبہ' معنی بن حارثہ قد و قامت اور ظاہری رعب و ادب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن' بسر بن ابی رہم' حملہ بن جوتیہ' حنظلہ بن الربیع التمیمی' فرات بن حیان العجلی' عدی بن سہیل' مغیرہ بن زرارہ' عقل و تدبیر اور جرم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پائے تخت' قدیم زمانے میں اصطخر تھا۔ لیکن نوشیروان نے مدائن کو دارلسلطنت قرار دیا تھا' اور اسی وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا یہ مقام سعد کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰۔ ۴۰ میل کے فاصلے پر تھا سفراء گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزر ہوتا تھا۔ تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی' یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچ کر ٹھہرے اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا تاہم بیباکی اور دلیری ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی اور تماشائیوں پر اس کا اثر پڑتا تھا۔ گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے' چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی' اور اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے سفرا آئے ہیں یہ سن کر بڑے سازوسامان سے دربار سجایا اور سفراء کو طلب کیا' یہ لوگ عربی جبے پہنے کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لئے موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلے معرکوں نے تمام ایران میں عرب کی دھاک بٹھا دی تھی۔ یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ایک ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عرب میں چادر کو کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا برد۔ اس نے (فارسی کے معنی کے لحاظ سے) کہا کہ "جہاں برد" پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگوں نے کہا "سوط" وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ "پارس راسوختند" ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو

سرگروہ تھے جواب دینے کے لئے آگے بڑھے' پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کئے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں جزیہ یا تلوار۔ یزدگرد نے کہا کہ تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی' تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا' اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔

اس پر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نہ کر سکے اور اٹھ کر کہا کہ یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے) روسائے عرب ہیں اور حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی نہیں کر سکتے' انہوں نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باتیں رہ گئیں ان کو میں بیان کرتا ہوں' یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے آپس میں کٹتے مرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سب سے ممتاز تھا' اول اول ہم نے اس کی مخالفت کی' وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے' وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی باتوں نے دلوں میں اثر کیا وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا' خدا کے حکم سے کرتا تھا' اس نے ہم کو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں' جن کو اسلام سے انکار ہو' اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں جس کو دونوں باتوں سے انکار ہو۔ اس کے لئے تلوار ہے۔" یزدگرد غصے سے بیتاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہہ کر مٹی کا ٹوکرا منگوایا اور کہا تم میں سب سے معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا "میں" ملازموں نے ٹوکرا ان کے سر پر رکھ دیا وہ گھوڑے اڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ "فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہم کو دے دی۔"

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس پر مامور تھا۔ ساباط میں لشکر لئے پڑا تھا۔ اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لیے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اس عرصہ میں بعض بعض رئیس ادھر سے ادھر آ گئے ان میں جوشن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اس حالت نے طول کھینچا تو رعایا جوق در جوق یزدگرد کے پاس پہنچ کر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل

عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں' چار و ناچار رستم کو مقابلے کے لیے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچ کر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں تمام افسر شراب پی کر بدمستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے' ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جس دن ساباط سے بڑھیں' سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں' فوج کا رنگ ڈھنگ' لشکر کی ترتیب اتارے کا رخ ان باتوں کے دریافت کے لئے فوج کے افسر متعین کئے' اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ رات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے' ایک جگہ بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا' تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی اس عرصہ میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا' اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر برچھی کا وار کیا۔ انہوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انہوں نے جھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی اس کے ساتھ دو سوار تھے ان میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں' اتنے میں تمام فوج میں ہل چل پڑ گئی اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلیحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار کی فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے سعدؓ کے سامنے آ کر سلام قبول کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو طلیحہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اس کی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے' وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا' ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جائے سعدؓ نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا' وہ عجیب و غریب ہیئت سے چلے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چیتھڑے لپیٹ لئے' اس ہیئت کزائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے ساز و سامان

سے دربار سجایا' دیبا کا فرش' زرین گاؤ تکئے۔ حریر کے پردے' صدر میں مرصع تخت۔ ربعی فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو گاؤ تکئے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتھیار رکھوا لینا چاہا۔ انہوں نے کہا میں بلایا ہوا آیا ہوں تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں الٹا پھر جاتا ہوں۔ درباریوں نے رستم سے عرض کی اس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا۔ اس کی آنی کو اس طرح فرش پر چبھوتے جاتے تھے کہ پر تکلف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے تخت کے قریب پہنچ کر زمین پر نیزہ مارا۔ جو فرش کو آر پار کر کے زمین پر گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا کہ "اس ملک میں کیوں آئے ہو؟" انہوں نے کہا۔ "اس لئے کہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت جائے۔" رستم نے کہا "میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔" درباری بار بار ربعی کے پاس آکر ان کے ہتھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی کوند سی گئی اور جب اس کے کاٹ کی آزمائش کے لیے ڈھالیں پیش کی گئی تو ربعی نے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ ربعی اس وقت چلے آئے لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ بوابر جاری رہا۔

اخیر سفارت میں مغیرہ گئے اس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاج پہن کر کرسیوں پر بیٹھے خیمے میں دیاب و سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور خدام اور منصب دار قرینے سے دو رویہ پرے جما کر کھڑے ہوئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رستم سے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہوگیا۔ یہاں تک کہ چوبداروں نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اتار دیا۔ مغیرہ نے افسران دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ "میں خود نہیں آیا بلکہ تم نے بلایا تھا اس لئے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبانہ تھا تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن بیٹھے اور تمام لوگ اس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں۔" مترجم نے جس کا نام عود تھا اور حیرۃ کا باشندہ تھا' اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض بعض بول اٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ "یہ نوکروں کی غلطی تھی میرا ایما یا

حکم نہ تھا" پھر بے تکلفی کے طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لے کر کہا کہ "ان تکلوں سے کیا ہوگا؟" مغیرہ نے کہا کہ "آگ کی لو گو چھوٹی ہے پھر بھی آگ ہے۔" رستم نے ان کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا" کس قدر بوسیدہ ہے۔" انہوں نے کہا "ہاں لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔" اس نوک جھونک کے بعد معاملے کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ کچھ انعام دلا دیا جائے گا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ "اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہو گا۔" رستم غصہ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔ مغیرہ اٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قادسیہ[1] کی جنگ اور فتح

محرم ۱۴ ہجری (۶۳۵ء) رستم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا۔ لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اس کو اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بندی کا حکم دیا۔ نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنا دی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آگئی۔ خود سامان جنگ سے آراستہ ہوا۔ دوہری زرہیں پہنیں سر پر خود رکھا ہتھیار لگائے پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ "کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا۔" کسی سپاہی نے کہا۔ "ہاں اگر خدا نے چاہا۔" بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی۔"

فوج کو نہایت ترتیب سے آراستہ کیا۔ آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا ہودجوں اور عماریوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے خبر رسانی کے لیے موقع جنگ سے پایہ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیئے جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور

---

[1] قادسیہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا اور مدائن سبعہ کے وسط میں تھا اب ویران پڑا ہوا ہے۔ ہمارے نقشے میں اس کو شہر مدائن کے متصل سمجھنا چاہیے۔

درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ بھی ایک قدیم شاہی محل تھا۔ جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا سعد کو چونکہ عرق النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے اس لئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ بالا خانے پر میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرفطہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے، یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھوا کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں شماخ۔ حطیہ اوس بن مغرا، عبدۃ بن الطیب۔ عمرو بن معدی کرب اور خطیبوں میں قیس بن ھبیرہ غالب۔ ابن الھذیل الاسدی۔ بسر بن ابی رہم الجہنی۔ عاصم بن عمرو۔ ربیع معدی۔ ربعی بن عامر میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ ان پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض جملے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

ابن الھذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے۔

یا معشر سعد اجعلوا حصونکم السیف و کونوا علیھم کاسود الاجم وادرعو العجاج الابصارو اذاکلت السیوف فارسلو الجنادل فانھا یوذن لھا فیما لا یوذن للحدید

خاندان سعد! تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر بن کر جاؤ۔ گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کر لو جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بار مل جاتا ہے۔ تلواروں کو نہیں ملتا۔

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورہ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں جس کے تاثیر سے دل ہل گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوئی سب سے پہلے ایک ایرانی قدر انداز دیبا کی قبا زیب بدن کئے۔ زریں کمر بند لگائے ہاتھوں میں سونے

کے کڑے پہنے میدان میں آیا۔ ادھر سے عمرو بن معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچ کر کمر میں ہاتھ ڈال کر معلق اٹھا زمین پر دے ٹپکا۔ اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ "یوں لڑا کرتے ہیں۔" لوگوں نے کہا۔ "ہر شخص معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے پھر عام جنگ شروع ہوئی' ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر جو سب میں ممتاز تھا' ہاتھیوں کو ریلا۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے دفعتہ" بدکے منتشر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے تھے' سعدؓ نے یہ ڈھنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو' طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے ساتھیوں سے کہا۔ "عزیزو! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔ تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے' ان کی پامردی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تھم گئی' لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا' سعد نے قبیلہ تمیم کو جو قدر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی؟ یہ سن کر وہ دفعتہ" بڑھے اور اس قدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور عماریاں الٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی۔ تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

سعدؓ جس وقت بالا خانہ پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے' ان کی بی بی سلمیٰ بھی ان کے برابر بیٹھی تھی۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعدؓ غصے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے۔ اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھی کہ افسوس آج مثنیٰ نہ ہوا۔" سعدؓ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ کر مارا کہ مثنیٰ ہوتا تو کیا کرلیتا۔" سلمیٰ نے کہا۔ "سبحان اللہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی۔" یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعدؓ نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مقتولوں کی لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے' مرہم پٹی کے لیے عورتوں کے حوالے کئے پھر فوج کو کمر

بندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا۔ گرد چھٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہؓ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آ پہنچیں حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زمانے میں ابو عبیدہؓ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اس کو حکم ہے کہ سعدؓ کی فوج سے جا کر مل جائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ربیعہ و مضر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ (سعد کے بھائی) سپہ سالار تھے اور ہراول قعقاع کی رکاب میں تھا **قعقاع** نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے ادھر سے بہمن نکلا قعقاع جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اٹھے کہ "لینا ابو عبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے۔" دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے اور کچھ دیر کے ردوبدل کے بعد بہمن مارا گیا دیر تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ براز' اعوان بن قطبہ کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ بزر جمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا۔ قعقاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھو دیئے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔

شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیئے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دور سے نمودار ہوتا تھا' اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا' اور قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول اور برقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیت بنایا' یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمرؓ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کو بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک۔ ربیل بن عمرو طلیحہ بن خویلد۔ عاصم بن عمرو التمیمی کو تلواریں حوالہ کیں اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے ربیل نے فخر کے جوش میں آ کر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علم الا اقوام انا احقهم ۔۔۔ اذا حصلو بالمرھفات البواتر

سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں۔ ۔۔۔ جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں پائیں۔

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا' ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھا اور جن کو شراب پینے کے جرم پر سعدؓ نے قید کر دیا تھا' قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے۔ آخر ضبط نہ کر سکے۔ سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لیے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا ۔ واترک مشدود اعلی و ثاقیا

اس سے بڑھ کر کیا غم ہو گا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں ۔۔۔ اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوا ہوں۔

اذ قمت عنا فی الحدید و اغلقت ۔۔۔ مصاریع من دونی تصم المنادیا

جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی ۔۔۔ اور دروازے اس طرح بند کر دیے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے۔

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آ کر بیڑیاں کاٹ دیں' انہوں نے فوراً اصطبل میں جا کر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا اور میدان جنگ پہنچ کر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرۃ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف الٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔

سعدؓ بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو محجن کا ہے لیکن وہ قید خانے میں قید ہے شام ہوئی تو ابو محجن نے آ کر خود بیڑیاں پہن لیں سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کیے۔

سعدؓ نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا

"خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا۔"

ابو محجن نے کہا۔ "بخدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔"۱

خنساء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی۔۲ اس معرکے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی تھے، لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لم تنب بکم البلا دولم تقعکم السنة ثم جئتم بامکم عجوز کبیرة فرضعتموها بین ایدی اهل فارس والله انکم لبنو رجل واحدة کما انکم بنو امراة واحدة ماخنت اباکم ولا فضحت خالکم انطلقوا فاشهدوا اول القتال واخره۔

پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا، باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کی بھی ہو میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ تو جاؤ! آخر تک لڑو۔

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو خنساء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "خدایا میرے بیٹوں کو بچانا"

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے، اس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوجوں کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور شام کی طرف نکل جائیں۔ پو پھٹے۔ سو سو سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں۔ اور رسالے اسی طرح برابر آتے جائیں چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آ گئیں، ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق سے یہ کہ ہشام جن کو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لیے بھیجا تھا۔ عین موقع پر سات سو

۱۔ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۸۔

۲۔ خنساء کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں اس کا دیوان بیروت میں چھپ گیا ہے اور اس کے مفصل حالات علامہ ابو الفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں لکھا ہیں۔ اصناف شعر میں مرثیہ گوئی میں اس کا کوئی نظیر نہیں گزرا چنانچہ بازار عکاظ میں اس کے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا ارثی العرب یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو، وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر ہوئی تھی۔

سواروں کے ساتھ پہنچ گئے یزد جرد کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور وہ برابر فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا کہ تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہو گا' معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں آیا اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اس کے مقابلہ سے جی چراتے تھے لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا' ایرانیوں نے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دی تھیں۔ عمرو بن معدی کرب نے رفیقوں سے کہا۔ "میں مقابل ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں' تم ساتھ رہنا۔ ورنہ عمرو معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہو گا۔" یہ کہہ کر تلوار میان سے گھسیٹ لی۔ اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعتہ" ان پر ٹوٹ پڑیں اور اس قدر گرد اٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے یہ دیکھ ان کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکہ کے بعد دشمن پیچھے ہٹے عمرو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے آٹا ہوا تھا' بدن پر جا بجا برچھیوں کے زخم تھے تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا' اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا' انہوں نے اس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے ہل نہ سکا' آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا اور یہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہیں دل کا دل پھٹ جاتا ہے ضخم و سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے انہوں نے کہا کہ ان کی سونڈ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا۔ سعد نے قعقاع عاصم۔ حمال۔ راجیل کو بلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیئے کہ ہاتھیوں کو نرغہ میں کر لیں پھر خود برچھا ہاتھ میں لے پیل سفید کی طرف بڑھے عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے ہاتھی جھرجھری لے کر پیچھے ہٹا' ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہو گئی۔ ادھر ربیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لئے اور دم کے دم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے

زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکہ کو لیلتہ الہریر کہتے ہیں' ایرانیوں نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ صفیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے سب سے آگے سواروں کا رسالہ ان کے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعدؓ نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کئے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنی رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعد کے منہ سے بے اختیار نکلا اللھم اغفرہ و انصر "یعنی اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔" قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد' اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع۔ بجیلہ کندہ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ "خدایا اس کو معاف کرنا اور یاور رہنا' اول اول سواروں کے رسالے نے حملہ کیا لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں۔ اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے' یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ حمیضہ نے اس پر حملہ کیا لیکن تلواریں زرہوں پر اچٹ اچٹ کر رہ گئیں۔ سرداران قبیلہ نے للکارا سب نے کہا زرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں' اس نے غصے میں آکر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا کہ کمر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا' لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے اس پر بھی جب فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع نے سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کئے اور سپہ سالار فوج (رستم) کی طرف رخ کیا' ساتھ ہی قیس اشعث عمرو بن معدی کرب' ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھو! "یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں اس جوش کے ساتھ

تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور فیروزان و ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئے' رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا' یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔ ہلال نامی ایک سپاہی نے تعاقب کیا' اتفاق سے ایک نہر سامنے آ گئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے' ساتھ ہی ہلال بھی کودے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔

ہلال نے لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ "رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا۔[1]" ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا تمام فوج میں بھاگڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔ افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے الشعراء نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

برآمد خروشے بکردار رعد زیک سوئے رستم زیک سوئی سعد
چو دیدار رستم نجوں تیرہ گشت جواں مرد تازی برد چیرہ گشت

شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے۔ ان میں شہریار۔ ابن الہربد' فرخان اہوازی' خسرو شنوم ہمدانی نے مردانہ وار جان دی' لیکن ہرمزان۔ اہوز' قارن موقع پا کر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کشتوں کا تو شمار نہ تھا۔ مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔

اس فتح میں چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے' فوج کو ان کی طرف سے بدگمانی رہی یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وقاتلت حتی انزل اللہ نصرہ	وسعد بباب القادسیۃ معصم
میں برابر لڑتا گیا' یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی	لیکن سعد قادسیہ کے دروازے ہی سے لپٹے رہے
فابنا و قد آمت نساء کثیرۃ	و نسوۃ سعد لیس فیھن ایم
ہم واپس پھرے تو سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں	لیکن سعد کی کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی

[1] علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ "رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں لیکن عمرو بن معدی کرب' طلیحہ بن خویلد' قرط بن جماع ان تینوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ میں نے جو روایت لکھی ہے وہ الاخبار الطوال کی روایت ہے۔

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے' یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے آبلوں کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو نامہ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی' حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے ادھر سے ایک شتر سوار آ رہا تھا' بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مژدہ فتح لے کر آیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کئے' اس نے کہا۔ "خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔" حضرت عمرؓ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے' اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا جو شخص سامنے آتا ہے ان کو "امیر المومنین کے لقب سے پکارتا ہے ڈر سے کانپ اٹھا اور کہا کہ "حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔" فرمایا۔ "نہیں کچھ ہرج نہیں تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو۔ چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے مدینے پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی اور ایک نہایت پر اثر تقریر کی جس کا اخیر فقریہ یہ تھا۔ " مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں' میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اسی طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر یہ میری خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے۔"

قادسیہ کے معرکہ میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑے تھے ان میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں پکڑ آئے تھے بہت سے لوگ گھر چھوڑ گئے تھے فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی سعد نے دربار خلافت کو لکھا حضرت عمرؓ نے صحابہ کو بلا کر رائے لی اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آ کر آباد ہوتے گئے رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کر لیں۔

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لئے تھے اور فیروزان کو سر لشکر قرار دیا

تھا- سعد نے ان کے استیصال کے لیے ۶۳۶ء ۱۵ ھ میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے کہ راستہ صاف کرتے جائیں چنانچہ مقام برس میں بصیری سدراہ ہوا' اور میدان جنگ میں زخم کھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا- برس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا' صلح کر لی اور بابل تک موقع بہ موقع پل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں' بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نخیر جان' ہرمزان مہراں' مہرجان وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے سعد نے خود بابل میں مقام کیا اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہر یار جو رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا- زہرہ کوثی سے جب گزرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدان جنگ میں آ کر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائے گا- یہ کہہ کر نابل کو جو قبیلہ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا اس نے گھوڑا آگے بڑھایا شہریار دیو کا ساتن و توش رکھتا تھا' نابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک گردن میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا- اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نابل کے منہ میں آگیا- نابل نے اس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا نابل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ کو چاک کر دیا- شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا نابل نے زرہ وغیرہ اس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دیں- سعد نے عبرت کے لئے حکم دیا نابل وہی لباس اور اسلحہ سجا کر آئے- چنانچہ شہریار کے زرق برق اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر جب مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی-

کوثی ایک تاریخی مقام تھا حضرت ابرہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید رکھا تھا چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی- سعد اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی تلک الایام نداولھابین الناس کوثی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ "جب تک ہم ہیں سلطنت فارس پر کبھی زوال نہیں آ سکتا-" یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت ہلا ہوا تھا اور اسی لئے اس کو بہرہ شیر کہتے تھے- سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا- لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا- سعدؓ

نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعدؓ نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے ادھر ادھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے۔ شہر زاد نے جو ساباط کا رئیس تھا۔ سعد سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے قید کرنے سے کیا حاصل چنانچہ سعد نے ان کے نام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آراء ہوتے تھے' ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برساتے ہوئے نکلے مسلمانوں نے برابر کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے ان کی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں' لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل کر نئی پہن لیجئے بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں اتفاق یہ کہ پہلا تیر انہی کو آ کر لگا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک زندہ بھی ہوں۔" چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھے تلوار سے مارا تھوڑی دیر لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بندھے تھے توڑ کر بیکار کر دیئے تھے۔ سعد دجلہ کے کنارے پہنچے نہ پل تھا نہ کشتی فوج سے مخاطب ہو کر کہا۔ "برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔" یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی اور دفعتہ" سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے دریا اگرچہ نہایت زخار اور مواج تھا' لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آ آ کر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ یمین و یسار کی جو ترتیب تھی اس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے جب فوج کنارے کے قریب آ گئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں ہیں۔ چنانچہ

۱۔ تاریخ طبری میں بعینہ یہی الفاظ ہیں۔

"[1] دیوان آمدند دیوان آمدند" کہتے ہوئے بھاگے تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ تیر اندازوں کے دستے متعین کر دیئے ایک گروہ دریا میں اتر کر سد راہ ہوا۔ لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو خس و خاشاک کی طرح مٹاتے پار نکل آئے یزدگرد نے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مداین میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار آیتیں زبان سے نکلیں کم ترکوا من جنت و عیون وزروع و مقام کریم و نعمة کانوا فیھا فکھین کذلک واور ثنھا قوما اخرین۔

ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہاء کو تعجب ہوگا کہ سعد نے باوجودیکہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جناب رسالت مآب کی صحبت میں رہے تھے۔ عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کی۔ بلکہ ایوان میں جس قدر مجسم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں[1]۔

دو تین دن ٹھہر کر سعد نے حکم دیا کہ دیوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لا کر یکجا کیے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لے کر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقان چین راجہ داہر، قیصر روم، نعمان بن منذر، سیاوش، بہرام چوبیں، کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ ہرمز اور کیقباد کے خنجر تھے۔ نوشیروان کا تاج زرنگار، اور ملبوس شاہی تھا، سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا، اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے، چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا، سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا، جس کو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کے سامان مہیا کیے تھے، بیچ میں سبزے کا چمن تھا، چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول پھل تھے۔ طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبزہ، پکھراج کی جدولیں، سونے چاندی کے درخت، حریرے کے پتے، جواہرات کے پھل تھے۔

---

[1] علامہ طبری نے جو بڑے محدث بھی تھے تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارت گری میں ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اہل فوج ایسے راست باز اور دیانتدار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی۔ بجنسہ لاکر افسر کے پاس حاضر کر دی چنانچہ جب سب سامان لاکر سجایا گیا' اور دور دور تک میدان جگمگا اٹھا تو خود سعدؓ کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا' بے شبہ انتہا کے دیانتدار تھے'

مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا' فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغناء پر حیرت ہوئی۔

محلم نامی مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا' حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات اس کو لا کر پہنائے جائیں یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے' سواری کا جدا' دربار کا جدا' جشن کا جدا' تہنیت کا جدا' چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے جب ملبوس خاص اور تاج زرنگر پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمرؓ کا بھی یہی منشاء تھا' لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولت نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے' وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف دینوی کی عزت نہیں کی جاتی تھیں دنیاوی یادگاروں کی کیا پرواہ کر سکتا تھا؟

جلولا[1] ۱۶ھ (۶۳۷ء)

یہ معرکہ فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سرلشکر

---

[1] جلولا بغداد کے سواد میں ایک شہر ہے جو بسبب چھوٹے ہونے کے نقشے میں مندرج نہیں ہے بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ میں پڑتا ہے۔

تھا نہایت تدبر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستوں اور گزر گاہوں پر گو کھرو بچھا دیئے سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کو خط لکھا وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جائیں اور مقدمتہ الجیش پر قعقاع میمنہ پر مشعر بن مالک میسرہ پر عمرو بن مالک ساقہ پر عمرو بن مرہ مقرر ہوں ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولاء پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً" فوقتاً" قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے' اس طرح اسی ۸۰ معرکے ہوئے۔ لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ مہیا تھا' اور لاکھوں کی جمعیت تھی بیدل نہیں ہوتے تھے ایک دن بڑے زور شور سے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتہ" اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا۔" ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے لیکن گردو غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور حملہ کی تیاریاں کیں ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں' اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رخ گو کھرو بچھوا دیئے اور فوج کو سازو سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جما دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلتہ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اول تیروں کا مینہ برسا' ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنبھالے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا۔ قعقاع نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ انہیں کی رکاب میں تھا' قعقاع نے نقیبوں سے کہلوا دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا فوج نے قعقاع کو ہاشم سمجھا اور دفعتہ" ٹوٹ کر گری ایرانی گھبرا کر ادھر ادھر بھاگے لیکن جس طرف جاتے تھے گو کھرو بچھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مژدہ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مژدہ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع میں بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ

سے ہوتا چنانچہ مجمع عام ہوا اور انہوں نے اس فصاحت اور بلاغت سے تمام واقعات بیان کئے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمرؓ بول اٹھے کہ خطیب اس کو کہتے ہیں انہوں نے برجستہ کہا۔

ان جندنا اطلقونا بالفعال لساننا

اس کے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا لیکن اس وقت شام ہو چکی تھی اس لیے تقسیم ملتوی رہی اور صحن مسجد میں ان کا ڈھیر لگا دیا گیا' عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے رات بھر پہرہ دیا صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گئی درہم و دینار کے علاوہ وہ انبار کے انبار جواہرات تھے۔ حضرت عمرؓ بے ساختہ رو پڑے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے' رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے۔

یزدگرد کو جلولاء کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان چھوڑ کر رے کو روانہ ہوا اور خسرو شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حلوان کی حفاظت کے لیے چھوڑ تا گیا۔ سعد خود جلولا میں ٹھہرے اور قعقاع کو حلوان کی طرف روانہ کیا۔ قعقاع قصر شیریں (حلوان سے تین میل پر ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شنوم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قعقاع نے حلوان پہنچ کر مقام کیا اور ہر طرف امن کی منادی کرا دی اطراف کے رئیس آ آ کر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقعہ پر شام کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے آغاز ۱۳ھ ۶۳۴ء میں شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کی' ابو عبیدہ کو حمص پر' یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر' شرجیل کو اردن پر' عمرو بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا' فوجوں کی مجموعی تعداد ۲۴۰۰۰ ہزار تھی' عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لیے تیار تھے ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلے پر بھیجیں' یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اس پر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں اس

کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کو خط لکھا اور فوجیں مدد کو روانہ کی جائیں' چنانچہ خالد بن الولید جو عراق کی مہم پر مامور تھے' عراق سے چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے دمشق پہنچے اور اس کو صدر مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا' قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لیے روانہ کی جس نے اجنادین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں خالد اور ابو عبیدہ خود پیش قدمی کر کے اجنادین پر بڑھے اور افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آ کر مل جائیں- چنانچہ شرحبیل- یزید- عمرو بن العاص وقت مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے- خالد نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت معرکے کے بعد جس میں تین ہزار مسلمان مارے گئے فتح کامل حاصل ہوئی' یہ واقعہ حسب روایت ابن اسحاق ۲۸ جمادی الاول ۶۳۴ء ۱۳ھ میں واقع ہوا' اس مہم سے فارغ ہو کر خالد نے پھر دمشق کا رخ کیا اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا- محاصرہ اگرچہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں شروع ہوا چونکہ فتح حضرت عمرؓ کے عہد میں حاصل ہوئی اس لیے ہم اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں-

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اس کی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا- ان وجوہ سے خالدؓ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کئے شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا- جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے چنانچہ عمرو بن العاص باب توما پر شرحبیل- باب الفرادیس پر ابوعبیدہ باب الجابیۃ پر متعین ہوئے' اور خود خالد نے پانچ ہزار فوج ساتھ لے کر باب الشرق کے قریب ڈیرے ڈالے- محاصرے کی سختی دیکھ کر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے- خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کے جاسوس جو دریافت حال کے لئے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے' آ کر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہوا ہے ہر ہر فرد میں دلیری' ثابت قدمی' راست بازی عزم اور استقلال پایا جاتا ہے تاہم ان کو سہارا تھا کہ ہرقل سر پر موجود ہے اور حمص سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں اسی اثنا میں حضرت ابو بکرؓ نے انتقال کیا اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے-

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کو برداشت نہیں کر سکتے اس لئے موسم سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھٹ جائے گا۔ لیکن ان کی دونوں امیدیں بیکار گئیں۔ مسلمانوں کی سرگرمی جاڑوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی ادھر خالد نے ذوالکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے مدد نہ آنے پائے۔ چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجی تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل یاس ہو گئی اسی اثناء میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام دے گیا' یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلسے کئے اور کثرت سے شرابیں پی کے شام سے پڑ کر سو رہے۔ خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے۔ اس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آ سکتا تھا۔ اسی وقت اٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی۔ مشک کے سہارے پار اترے اور کمند کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے اوپر جا کر رسی کی سیڑھی کمند سے اٹکا نیچے لٹکا دی اور اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جاں نثار فصیل ۱؎ پر پہنچ گئے۔ خالد نے اتر کر پہلے دربانوں کو تہ تیغ کیا۔ پھر قفل توڑ کر دروازے کھول دیئے۔ ادھر فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی دروازے کھلنے کے ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی اور پہرہ کی فوج کو تہ تیغ کر دیا عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر پناہ کے تمام دروازے خود کھول دیئے اور ابو عبیدہ سے ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچایئے۔ مقسلاط میں جو ٹھٹھیروں کا بازار تھا۔ ابو عبیدہ اور خالد کا سامنا ہوا خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کر لیا تھا۔ اگرچہ لڑ کر فتح کیا تھا۔ لیکن ابو عبیدہ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی' مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں۔ یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی نہ کوئی شخص لونڈی غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلاد شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی رجب ۱۴ھ ۶۳۵ء میں ہوئی۔

۱؎ یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ خالد کو عیسائیوں کے جیش کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور سیڑھی بھی عیسائی لائے تھے۔

فحل ذوقعدہ ۶۳۵ء ۱۴ھ ہجری

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آمادہ ہوئے دمشق کی فتح کے بعد چونکہ ںمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا اس لئے انہوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان فوجیں جمع کرنی شروع کیں، شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لئے جو فوجیں بھیجی ں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں، وہ بھی اس میں آکر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس س ہزار کا مجمع ہو گیا۔ جس کا سپہ سالار سکار نام کا ایک رومی افسر تھا۔

موقعہ جنگ سمجھنے کے لیے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ۔ جن میں سے دمشق، حمص، اردن، فلسطین، مشہور اضلاع ہیں اردن کا صدر مقام طبریہ ۔ جو دمشق سے چار منزل ہے طبریہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جھیل ہے جس ۔ قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کا پرانا نام سلا اور نیا یعنی عربی نام فحل ہے یہ ئی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے، یہ مقام اب بالکل ویران ہے تاہم اس کے کچھ کچھ ار اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی بی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ا۔ رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعتہ" نہ آپڑیں آس پاس جس قدر نہریں تھیں ب کے بند توڑ دیئے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے ام راستے رک گئے لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر سائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بن کر آئے، ابو یدہ نے معاذ بن جبل کو بھیجا۔ معاذ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں دیبائے رین کا فرش بچھا ہے وہیں ٹھہر گئے ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں۔ پ دربار میں جا کر بیٹھے۔ معاذ کی بزرگی اور تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے قف تھے، اس لئے وہ واقعی ان کی عزت کرنی چاہتے تھے اور ان کا باہر کھڑا رہنا ان کو گراں زرتا تھا، معاذ نے کہا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں

چاہتا۔ یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے' عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا ہم تمہاری عزت کرنی
چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے۔ معاذ کو غصہ آیا۔ گھٹنوں
کے بل کھڑ ہو گئے اور کہا کہ "جس کو تم عزت سمجھتے ہو مجھ کو اس کی پروا نہیں اگر زمین پر
بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے۔؟" رومی ان کی بے
پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے' یہاں تک کہ ایک شخص نے پوچھا کہ "مسلمانوں میں تم
سے بھی کوئی بڑھ کر ہے"؟ انہوں نے کہا "معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہ
ہوں" رومی چپ ہو گئے۔ معاذ نے کچھ دیر انتظار کر کے مترجم سے کہا کہ "ان سے کہہ دو
کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے' تو میں واپس جاتا ہوں" رومیوں نے کہا۔ "ہم کو یہ
پوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے ہو۔ ابو سینا کا ملک تم سے قریب ہے فارس
کا بادشاہ مرچکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے اُن کو چھوڑ کر تم نے ہماری
طرف کیوں رخ کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے
ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں۔" معاذ نے کہا سب سے پہلے ہماری یہ درخواست
ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو' شراب پینا چھوڑ دو۔ سور کا
گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ
دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے' اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو
قلت اور کثرت کی پرواہ نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کم من فئة قليلة غلبت فئة
كثيرة باذن الله تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و
مال کا اختیار ہے لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے' وہ کسی بات میں اپنے آپ کو
ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو درے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو ہاتھ
کاٹ ڈالے جائیں وہ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا۔ مال و
دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں۔" رومیوں نے کہا۔ "اچھا ہم تم کو بلقاء کا ضلع اور اردن
کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ۔" معاذ
نے انکار کیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ رومیوں نے براہ راست ابو عبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی۔
چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا ابو عبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے
تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جن کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار
بڑا جاہ و حشم رکھتا ہو گا اور یہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہو گا' لیکن وہ جس طرف آنکھ اٹھا کر

دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے آخر گھبرا کر پوچھا کہ "تمہارا سردار کون ہے؟" لوگوں نے ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیا "درحقیقت تم ہی سردار ہو؟

ابو عبیدہ نے کہا "ہاں۔" قاصد نے کہا۔ "ہم تمہاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔" ابو عبیدہؓ نے انکار کیا۔ قاصد برہم ہو کر اٹھا۔ ابو عبیدہ نے اس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمربندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے۔ا۔ حضرت عمرؓ نے جواب مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ ثابت قدم رہو خدا تمہارا یاور اور مددگار ہے۔"

ابو عبیدہ نے اسی دن کمربندی کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے۔ اگلے دن تنہا خالد میدان میں گئے صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا۔ رومیوں نے بھی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری میدان میں بھیجے، پہلا دستہ خالد کی طرف باگیں اٹھائے چلا آتا تھا کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر ان کا آگا روکا اور سخت کشت و خون ہوا یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی خالد نے سرہ بن مسروق کو اشارہ کیا وہ اپنی رکاب کی فوج کو لے کر مقابل ہوئے تیسرا لشکر بڑے سازو سامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار اس کا سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا۔ قریب پہنچ کر خود ٹھہر گیا۔ اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلہ پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا۔ آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی آ کر مل گئیں، دیر تک معرکہ رہا۔ مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا، اور الٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو للکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے اب ہماری باری ہے اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتہ" ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دباتے چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے، خالد ان کی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے چنانچہ اسی وقت نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہو گا، فوج سازوسامان سے تیار رہے، رات کے

ا۔ فتوح الشام ازدی میں ہے کہ یہ خط ایک شامی لے کر گیا اور حضرت عمرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہو گیا۔

پچھلے پہر ابو عبیدہ بستر خواب سے اٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا' ہاشم بن عتبہ کو میسرہ کی افسری دی پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالدؓ کی ماتحتی میں دیئے گئے۔" فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہ نے اس سرے سے اس سرے تک کا ایک چکر لگایا ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

عباد اللہ استو جبوا من اللہ النصر — یعنی خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو

بالصبر فان اللہ مع الصبرین — کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے پیچھے پیادہ فوجیں اس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے۔ خالد چونکہ ہراول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا رومی قدر اندازوں نے تیروں کا اس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا خالدؓ ادھر سے پہلو دے کر میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اس میں سوار ہی سوار تھے قدر انداز نہ تھے رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا۔ خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا' خالد نے موقع پا کر اس زور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں گیارہ بڑے بڑے افسران کے ہاتھ سے مارے گئے' ادھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے علم ہلا کر کہا۔ "خدا کی قسم جب تک اس کو قلب میں پہنچ کر نہ گاڑوں گا پھر کر نہ آؤں گا۔" یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو نامہ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟[1] حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ رعایا ذمی قرار دی جائے اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔

---

[1] واقعہ فحل کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لی گئی ہے طبری وغیرہ میں نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقعہ کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے۔

اس معرکے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان' مال' زمین' مکانات' گرجے' عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لی جائے گی۔

حمص ۶۳۵ء ۱۴ھ ہجری شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے انگریزی میں اس کو ایسا کہتے ہیں قدیم زمانے میں اس کی شہرت زیادہ اس وجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا۔ جس کے تیرتھ کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے اور اس کا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس حمص اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا' حمص ان دونوں کی نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا اس لئے لشکر اسلام نے اول اسی کا ارادہ کیا راہ میں بعلبک پڑتا تھا وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ حمص کے قریب رومیوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے نکل کر جوسیہ میں مسلمانوں کے مقابل ہوئی لیکن خالد کے پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے خالد نے سبرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا راہ میں رومیوں کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے جو ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں مڈبھیڑ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شرحبیل۔ حمیری نے اکیلے سات سواروں کو قتل کیا اور فوج سے الگ ہو کر جریدہ حمص کی طرف بڑھے' شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالہ نے ان کو تنہا دیکھ کر حملہ کیا' انہوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی' یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے ہاتھ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا جا کر پناہ لی ساتھ ہی یہ بھی پہنچے گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور ڈھیلوں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں زخمی ہو کر شہادت حاصل کی سبرہ کے بعد خالد اور ابو عبیدہ نے بھی حمص کا رخ کیا اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیئے چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی' رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک نہ لڑ سکیں گے اس کے ساتھ ہرقل کا قاصد آ چکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ بھی ہوئی لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق

کی مہم پر مامور تھے' یہ خبر سن کر کچھ فوجیں بھیج دیں جس نے ان کو وہیں روک لیا ور آگے بڑھنے ۱؎ نہ دیا۔ حمص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابو عبیدہ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود ۲؎ حماۃ کی طرف روانہ ہو گئے حماۃ والوں نے ان کے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر شیرز اور شیرز سے معرۃ النعمان پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی ان سے فارغ ہو کر لاذقیہ کا رخ کیا۔ یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے فنیشین کے عہد میں اس کو اماثا کہتے تھے حضرت ابو عبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلہ پر مقام کیا اور اس کی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے اور ان کا تمام کاروبار بند تھا۔ اس کو تائید غیبی خیال کیا اور شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے مسلمان اسی رات کو واپس آ کر غاروں میں چھپ رہے تھے صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر دفعۃً حملہ کیا۔ اور دم کے دم میں شہر فتح ہو گیا حمص کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہرقل کے پائے تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج بھی دیں۔ لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلا لی گئیں۔ اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے۔ خالدؓ ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو گئے عمروؓ بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابو عبیدہؓ نے خود حمص میں اقامت کی۔

یرموک ۵ رجب ۱۵ھ ۶۳۶ء

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے۔ انطاکیہ پہنچے ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز

۱؎ کامل ابن الاثیر۔ ۲؎ یہ ایک قدیم شہر حمص اور قنسرین کے درمیان واقع ہے۔

آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ "عرب تم سے زور میں جمعیت میں' ساز و سامان میں کم ہیں۔ پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے۔" اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں' دن کو روزے رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے آپس میں ایک سے ایک برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں' بدکاریاں کرتے ہیں' اقرار کی پابندی نہیں کرتے اوروں پر ظلم کرتے ہیں' اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔" قیصر درحقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق در جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شاہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم قسطنطنیہ' جزیرہ' آرمینہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کئے جائیں' ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے جو مقامات فتح کر لئے تھے وہاں کے امرا اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ ان کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہؓ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی انہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ میں پورے اترے چنانچہ اس کے صلہ میں خدا نے ہمیشہ تم کو مظفر و منصور رکھا اب تمہارا دشمن اس سازو سامان سے تمہارے مقابلے کے لیے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے' اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان (امیر معاویہؓ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ "میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آراء ہوں' اس کے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔" شرحبیل۔ بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی

چاہیے۔ یزید نے جو رائے دی بلاشبہ خیر خواہی سے دی ہے لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں۔ شرحبیل۔ نے اٹھ کر کہا اے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں اس لئے نقض عہد کو کیونکر ہو سکتا ہے۔" حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے' عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔ ابو عبیدہؓ نے کہا اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص کو چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں' وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے' یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ " عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے' سب ان کو واپس دے دو اور ان سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا' اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ داری نہیں ہو سکتے' اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم کو واپس کیا جاتا ہے' چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدا تم کو واپس لائے" یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ انہوں نے کہا۔ "توراۃ کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں۔ قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔" یہ کہہ کر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔

ابو عبیدہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔[1]

غرض ابو عبیدہ دمشق کو روانہ ہوئے۔[2] اور ان تمام حالات سے حضرت عمرؓ کو اطلاع

---

[1] ان واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان (صفحہ ۱۳۷) میں قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں (صفحہ ۱۸۱) ازدی نے فتوح الشام (صفحہ ۱۳۸) میں تفصیل سے لکھا ہے۔

[2] میں نے یہ تفصیلی واقعات فتوح الشام ازدی سے لئے ہیں لیکن ابوعبیدہ کا حمص چھوڑ کر دمشق چلا آنا ابن واضح عباسی اور دیگر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے۔

دی۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حمص سے چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسران فوج نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ "خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہو گا۔ ابو عبیدہؓ کو جواب لکھا کہ میں مدد کے لیے سعید بن عامر کو بھیجتا ہوں لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے۔" ابو عبیدہؓ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو جمع کیا اور ان سے مشاورت کی۔" یزید بن ابی سفیان۔ شرحبیل۔ بن حسنہ۔ معاذ بن جبل سب نے مختلف رائیں دیں۔ اسی اثناء میں عمروبن العاص کا قاصد خط لے کر پہنچا جس کا یہ مضمون تھا کہ اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے۔" ابو عبیدہؓ نے جواب میں لکھا کہ حمص کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جو بجا بجا پھیلی ہوئی ہیں یکجا ہو جائیں۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہؓ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچ کر قیام کیا۔ عمروبن العاص بھی یہیں آکر ملے' یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لئے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا۔ جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر کی ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی ادھر رومیوں کی آمد اور ان کے سامان کا حال سن سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ "رومی بحرو بر سے ابل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے راہب اور خانقاہ نشین جنھوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔" خط پہنچا تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا' تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ "امیر المومنین! خدا کے لیے ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر نثار ہو جائیں' خدانخواستہ ان کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے۔" مہاجر و انصار کا جوش بڑھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ امیر المومنین! تو خود سپہ سالار بن اور ہم کو ساتھ لے کر چل۔" لیکن اور

صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ اور امدادی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آ گئے ہیں؟ اس نے کہا "یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔" حضرت عمرؓ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ "افسوس اب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنے عرصہ میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے۔" ابو عبیدہ کے نام نہایت پر تاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا۔

الاعمر یقرئنک السلام و یقول لکم یا ھل الاسلام اصدقو اللقاء و شد و علیھم شد اللیوث و لیکونو اھون علیکم من الذرفانا قد کنا علمنا انکم علیھم منصورون۔

یہ عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا۔ اسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی اور انہوں نے نہایت استقلال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں' رومی فوجیں یرموک کے مقابل دیر الجبل میں اتریں' خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبلؓ کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے' میمنہ پر مقرر کیا۔ قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی' اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کئے ایک کو اپنی رکاب میں رکھا' باقی پر قیس بن ہبیرہ' میسرہ بن مسروق' عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا' یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے اور اس وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے۔ رومی بھی بڑے سروسامان سے نکلے دو لاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی اور ۲۴ صفیں تھیں' جن کے آگے آگے ان کے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لئے جوش دلاتے جاتے تھے' فوجیں بالکل مقابل آ گئیں تو ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور کہا کہ "میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔" میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

سائل نساء الحی فی احجالھا　　　　الست یوم الحرب من ایطالھا

پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو۔ کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کا کام نہیں کرتا۔

قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتھیار بھی نہیں سنبھال سکا تھا کہ ان کا وار چل گیا' تلوار سر پر پڑی اور خود کاٹتی ہوئی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا' ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا خالد نے کہا "شگون اچھا ہوا" اور اب خدا نے

چاہا تو آگے فتح ہے "عیسائیوں نے خالد کے ہمرکاب افسروں کے مقابلے میں جدا جدا فوجیں متعین کی تھیں لیکن سب نے شکست کھائی اس دن یہیں تک نوبت پہنچ کر لڑائی ملتوی رہ گئی۔

رات کو باہان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت کا مزہ پڑ چکا ہے بہتر یہ ہے کہ مال وزر کی طمع دلا کر ان کو یہاں سے ٹالا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا' دوسرے دن ابو عبیدہؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیج دو ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں" ابو عبیدہؓ نے خالد کا انتخاب کیا' قاصد جو پیغام لے کر آیا اس کا نام جارج تھا' جس وقت پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے اور جس محویت' سکون و وقار' ادب و خضوع سے انہوں نے نماز ادا کی' قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے ابو عبیدہؓ سے چند سوالات کئے' جن میں ایک یہ تھا کہ تم عیسیٰ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہؓ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔

یاھل الکتب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ القاھا الی مریم سے لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملائکۃ المقربون۔

تک مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا۔ تو جارج بے اختیار پکار اٹھا کہ "بے شک عیسیٰ کے یہی اوصاف ہیں؟ اور بے شک تمہارا پیغمبر سچا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو' مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالدؓ رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لئے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دور تک سواروں کی صفیں قائم کی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے لیکن خالد اس بے پرواہی اور تحقیر کی نگاہ سے ان پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے' باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا اور لا کر اپنے برابر بٹھایا۔

مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی، حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شاہنشاہ ہے، مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا۔ لیکن ہم نے جس کو سردار بنا رکھا ہے اس کو ایک لمحہ کے لئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں، باہان نے پھر تقریر شروع کی، اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ "اہل عرب! تمہاری قوم کے لوگ ہمارے ملک میں آ کر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کئے ہمارا خیال تھا کہ ان مراعات کا تمام عرب ممنون ہو گا۔ لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو، تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں۔ اب تم کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل، وحشی اور بے سازوسامان نہیں۔ یہ حوصلہ ہوا ہے ہم اس پر بھی درگزر کرتے ہیں، بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سو سو دینار دلا دیئے جائیں گے۔

باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ "بے شبہ تم دولت مند ہو، مالدار ہو، صاحب حکومت ہو۔ تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہم کو معلوم ہے، لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگ دست اور خانہ بدوش تھے، ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا، قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے بہت سے خدا بنا رکھے تھے اور ان کو پوجتے تھے، اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے، لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب سے زیادہ شریف زیادہ فیاض زیادہ پاک خو تھا۔ اس نے ہم کو توحید سکھائی اور بتلا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں وہ بیوی اولاد نہیں رکھتا۔ وہ بالکل یکتا ویگانہ ہے اس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں، جس نے ان کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے۔ جس نے نہ مانا، لیکن جزیہ دینا قبول کرتا ہے اس کے ہم حامی اور محافظ ہیں جس کو دونوں سے انکار ہو اس کے لئے تلوار ہے۔"

باہان نے جزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔" غرض کوئی مزاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اٹھ کر چلے آئے۔ اب اس آخری لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں جس کے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے خالد کے چلے آنے کے بعد باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ "تم نے سنا اہل عرب کا دعوی ہے کہ جب تک تم ان کی رعایا نہ بن جاؤ ان کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے تم کو ان کی غلامی منظور ہے۔؟" تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ "ہم مر جائیں گے مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سروسامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہوگئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی' فوج جو ۳۰'۳۵ ہزار تھی اس کے ۳۶ حصے کئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفیں قائم کیں۔ قلب فوج ابوعبیدہؓ کو دیا' میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرحبیل مامور ہوئے' میسرہ یزید بن سفیان کی کمان میں تھا۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کئے چن کر ان لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنون جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے۔ خطباء جو اپنے زور کلام سے لوگوں میں ہل چل ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پرجوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں انہیں میں سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے۔ الا انکم ذارۃ العرب انصار الاسلام و انهم ذارۃ الروم و انصار الشرک اللهم ان هذا یؤمن ایامک اللهم انزل نصرک علی عبادک عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایها الناس غضوا ابصار کم و اشرعو الرماح والزموا امر کم فاذا حمل علو کم فامهلو هم حتی اذ رکبوا اطراف الاسنة فبثوا فی وجو ههم و ثوب الاسد	یارو! نگاہیں نیچی رکھو برچھیاں تان لو اپنی جگہ پر جمے رہو پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو۔ یہاں تک کہ جب برچھیوں کی نوک پر آجائیں تو شیر کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰۔ ۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے لیکن تمام عرب میں منتخب تھے ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا۔ ایک ہزار تھے' سو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسولؐ اللہ کے ہمرکاب تھے' عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی

جماعت تھی ہمدان، خولان، لخم، جزام وغیرہ کے مشہور بہادر تھے۔ اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں۔ امیر معاویہؓ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں عضد والغلفان بسیونکم امیر معاویہؓ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورہ انفال (جس میں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے، جنگ کی ابتداء رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دو لاکھ کا ٹڈی دل لشکر ایک ساتھ بڑھا، ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی جے پکارتے آتے تھے یہ سازوسامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ "اللہ اکبر کس قدر بے انتہا فوج ہے۔" خالد نے جھلا کر کہا۔ "چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ "عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھالیں۔"

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا اور تیروں کا مینہ برساتے بڑھے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک گئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑلیں اور پکاریں کہ "نامراد ادھر آئے تو چوبوں سے تمارا سر توڑ دیں گے۔" خولہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یا هاربا عن نسوة تقيات رميت بالسهم والمنيات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے، اور کہا کہ "میں تو پیدل لڑتا ہوں۔ لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔" ان کے بیٹے نے کہا۔ "ہاں یہ حق میں ادا کروں گا" کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں۔" غرض دونوں باپ، بیٹے فوج میں گھسے اور دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبیدہ کے سردار تھے، پانسو آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے آگے روک لیا۔ میمنہ میں قبیلہ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا۔ عیسائیوں نے لڑائی کا

سارا زور ان پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے جنگ میں یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف سر، ہاتھ، بازو کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے۔ لیکن ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور للکارتے جاتے تھے کہ "ازدیو دیکھنا۔ مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ آئے۔" نو بڑے بڑے بہادر ان کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالدؓ نے فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعۃً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا، کہ رومیوں کی صفیں ابتر کر دیں عکرمہ نے جو ابو جہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑے تھے گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا۔ "عیسائیو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ سے لڑ چکا ہوں کیا آج تمہارے مقابلہ میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے؟" یہ کہہ کر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن ازد بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی کچھ کچھ دم باقی تھا خالد نے اپنے رانوں پر ان کا سر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا۔ "خدا کی قسم عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔"[1]

غرض عکرمہ اور ان کے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیئے۔ خالد کے حملوں نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی یہاں تک کہ آخر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالد ان کو دباتے ہوئے سپہ سالار دربخار تک پہنچ گئے۔ دربخار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر رومال ڈال لئے کہ اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔"

عین اس وقت جب ادھر میمنہ میں بازار قتال گرم تھا ابن قناطیر[2] نے میسرہ پر حملہ کیا۔ بدقسمتی سے اس حصے میں اکثر لخم و غسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے ایک مدت سے روم کے باج گذار رہتے آئے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی بھاگتوں کا پیچھا کرتے

۱۔ تاریخ طبری واقعہ یرموک۔ ۲۔ رومیوں کے میمنہ کا سردار تھا۔

ہوئے خیموں تک پہنچ گئے عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور ان کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ ابتر ہو گئی تھی لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم۔ سعید بن زید۔ یزید بن ابی سفیان' عمرو بن العاص' شرحبیل بن حسنہ داد شجاعت دے رہے تھے۔ قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر ان کے تیور پر بل نہ آتا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کہ "کوئی ہے؟ جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔" لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں لا کر دے دیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے' ابوالاعور' گھوڑے سے کود پڑے' اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ " صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے' اور عقبی میں رحمت' دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے۔" سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہؓ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے' اتفاق سے ان کے باپ ابو سفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے ان کی طرف آ نکلے بیٹے کو دیکھ کر کہا۔ "جان پدر! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے۔" شرحبیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کی طرح کھڑے تھے' قرآن کی یہ آیت ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنتہ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ "خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟" یہ آواز جس کے کان میں پڑی بے اختیار لوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور شرحبیل نے ان کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو لڑتے چلے آتے تھے بڑھنے سے رک گئے۔

ادھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آ کھڑی ہوئیں اور چلا کر کہتی تھیں کہ "میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔"

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے' بلکہ غلبہ کا پلہ رومیوں کی طرف تھا دفعتہ" قیس بن ھبیرہ جن کو خالد نے فوج کا ایک حصہ دے کر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا'

عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی تمام صفیں ابتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں' ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا۔ رومی دور تک ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اس کے کنارے تک آ گئے۔ تھوڑی دیر میں ان کی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ[1] یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی' حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے۔ بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے' اسی اثناء میں کسی نے ان کے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ "میرا پاؤں کیا ہوا؟" ان کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ سوار بن ادنی ایک شاعر نے کہا۔

ومنا ابن عتاب و ناشد رجله　　　و منا للذی اوی الی الحی حاجبا

رومیوں کے جس قدر آدمی مارے گئے' ان کی تعداد میں اختلاف ہے' طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں ضرار بن ازد' ہشام بن العاص ابان' سعید وغیرہ تھے۔ قیصر انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی' اسی وقت قسطنطنیہ کی تیاری کی۔ چلتے وقت شام کی طرف رخ کر کے کہا۔ "الوداع اے شام" ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو نامہ فتح لکھا اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی' جن میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے حضرت عمرؓ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو دفعتہ" سجدہ میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابو عبیدہؓ یرموک سے حمص کو واپس گئے اور خالد کو قنسرین روانہ کیا شہر والوں نے اول مقابلہ کیا۔ لیکن پھر قلعہ بند ہو کر جزیہ کی شرط پر صلح کر لی' یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تنوخ مدت سے آ کر آباد ہو گیا تھا۔ یہ لوگ برسوں تک کمل کے خیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن پر یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنوالی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ہم قومی کے لحاظ سے ان کو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب

---

[1] یہ تمام واقعہ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱ میں مذکور ہے۔

مسلمان ہو گئے صرف بنو سلیح کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا۔ اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے' انہوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔

قنسرین کی فتح کے بعد ابو عبیدہؓ نے حلب کا رخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انہوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے حلب والوں نے ابو عبیدہؓ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمتہ الجیش کے افسر تھے شہر کا محاصرہ کیا' اور چند روز کے بعد مال' شہرپناہ' مکانات' قلعے اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے۔ چونکہ یہ قیصر کا خاص دارالسلطنت تھا۔ بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں آ کر پناہ لی تھی۔ ابو عبیدہؓ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا۔ چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ ان صدر مقامات کی فتح نے تمام شام کو مرعوب کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا۔ عیسائی خود آ کر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہؓ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا۔ جومہ' سرمین' توزی' قورس' مل عزاز۔ لوک۔ عبان یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوتے گئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا اسی طرح بالس اور قاصیرین بھی پہلے ہلہ میں فتح ہو گئے۔ جومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے۔ ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا۔ جس سے ایشائے کوچک کی سرحد ملتی تھی' یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسان' تنوخ' ایاد' رومیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے ان پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔

بیت المقدس ۶۳۷ء ۱۶ھ

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے چنانچہ فلسطین عمرو بن العاص کے حصے میں آیا عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابو بکرؓ ہی کے عہد میں فتح کر لئے تھے اور فاروقی عہد تک تونابلس' لد' عمواس' بیت جبریں تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا' جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابو عبیدہؓ سے جا ملتے تھے اور ان کو مدد دیتے تھے۔ لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ ۱؎ یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ میں بند ہو کر لڑتے رہے۔ اس وقت ابو عبیدہؓ شام کے انتہائی اضلاع قنسیرین وغیرہ فتح کر چکے تھے' چنانچہ ادھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رخ کیا' عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمرؓ خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا جائے' ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمرؓ نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی حضرت عثمان نے کہا کہ عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں آپ ان کی درخواست کو رد کر دیں تو ان کو اور بھی ذلت ہو گی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں' بغیر شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے۔" لیکن حضرت علیؓ نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمرؓ نے ان ہی کی رائے کو پسند کیا' اور سفر کی تیاریاں کیں' ۲؎ حضرت علیؓ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کے سپرد کیے۔ ۳؎ اور رجب ۱۶ھ میں مدنیہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہو گا کہ فاروق اعظم کا سفر' اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سازو سامان سے ہوا ہو گا؟ لیکن یہاں نقاہ و نوبت' خدام و حشم لاؤ و لشکر ایک طرف' معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا' سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجر و انصار ساتھ تھے" تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا

۱؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰۔ ۲؎ یہ طبری کی روایت ہے۔ ۳؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰

ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں آکر ان سے ملیں۔ اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی' چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کی چکنی اور پرتکلف قبائیں تھیں' اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے حضرت عمرؓ کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ "قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں۔" (یعنی سپہ گری کا جوہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے) فرمایا۔ "تو کچھ مضائقہ نہیں ۔۱۔" شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی' غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی کم ترکوا من جنت و عیون الخ پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت القدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمرؓ کی آمد کی خبر پہلے سے پہنچ چکی تھی' چنانچہ رئیسان شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمرؓ فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اڑاتے چلے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لئے حضرت عمرؓ نے پوچھا "خیر ہے۔؟" لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا۔ "گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آئے ہیں غرض معاہدہ صلح لکھا گیا۔ بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ۔۲ ہو گئے۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں

۔۱ طبری صفحہ ۲۱۔ ۲۴ ۔۲ یہ طبری کی روایت ہے' بلاذری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا کہ اس معاہدے کو بتمامہا ہم نے اس کتاب کے دوسرے حصہ میں نقل کیا ہے دیکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ۔

تھا اس کے سم گھس کر بیکار ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا' گھوڑا شوخ اور چالاک تھا۔ حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو کلیل کرنے لگا' فرمایا "کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی۔" یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ اور سرداران فوج استقبال کو آئے' حضرت عمرؓ کا لباس اور سازو سامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک حاضر کی' حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔" غرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد میں گئے محراب داؤد کے پاس پہنچ کر سجدۂ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر ادھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کئے۔ ایک دن بلالؓ (رسول اللہ کا موذن) نے آکر شکایت کی کہ "امیر المومنین ہمارے افسر پرندہ کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔" حضرت عمرؓ نے افسران کی طرف دیکھا' انہوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اسی قیمت پر پرندہ کا گوشت اور میدہ ملتا ہے۔" حضرت عمرؓ افسروں کو مجبور نہ کر سکے' لیکن حکم دیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلالؓ سے درخواست کی کہ آج اذان دو' بلالؓ نے کہا "میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج (اور صرف آج) آپ کا ارشاد بجا لاؤں گا اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسولؐ اللہ کا عہد مبارک یاد آ گیا' اور رقت طاری ہوئی۔ ابو عبیدہؓ اور معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے اور حضرت عمرؓ کی ہچکی لگ گئی۔ دیر تک یہ اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ میں گئے اور کعب بن احبار کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے جو انبیاء سابقین کی یادگار ہے اس کو صخرہ کہتے ہیں اور یہودی اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی حضرت عمرؓ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ "صخرہ کی طرف" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

"تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آ کر جوتی اتار دی۔" اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر ہماری اس کتاب کا دوسرے حصہ کے صفحہ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔

حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش ۶۳۸ء ۱۷ھ

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا تھا' ایران اور روم کی مہمیں جن اسباب سے پیش آئیں' وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لئے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا' اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلامی کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا کہ ایک دن ہماری باری بھی آنی ہے۔ چنانچہ ادھر جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے سے ہمت کیجئے ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں' چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی ادھر جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے ابو عبیدہؓ نے بھی ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفیں جمائیں ساتھ ہی حضرت عمرؓ کو تمام حالات کی اطلاع دی' حضرت عمرؓ نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آ جائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑا دیئے۔ قعقاع بن عمرو کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔ سہل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے ان قبائل کو تھام رکھیں۔ جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے جزیرہ والوں نے جب سنا کہ خود ان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آ گئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیئے۔ عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچھتائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالدؓ نے کہلا بھیجا کہ "افسوس کہ میں دوسرے شخص (ابو عبیدہؓ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھ کو

تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پرواہ نہ ہوتی تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔" ادھر فوج نے ابو عبیدہؓ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انہوں نے خالد سے پوچھا۔ خالد نے کہا۔" میری جو رائے ہے معلوم ہے عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں۔ اب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے۔" اس پر بھی ابو عبیدہؓ کا دل مطمئن نہ تھا۔ تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پرزور اور موثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی میں گواہی دیتا ہوں (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لیے بے قرار تھی ابو عبیدہؓ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا اور دفعتہ" سب نے ہتھیار سنبھال لئے۔ ابو عبیدہؓ قلب فوج اور خالد و عباس میمنہ و میسرہ کو لے کر بڑھے' قعقاع نے جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آئے تھے حمص سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی فوج چھوڑ کر سو سواروں کے ساتھ ابو عبیدہؓ سے آملے مسلمانوں کے حملہ کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا) ابتری کے ساتھ پیچھے ہٹے' ان کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر لڑ کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ مرج الدیباج تک ان کے قدم نہ جمے' یہ اخیر معرکہ تھا جس کی ابتداء خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جس کے بعد ان کو پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرت خالد کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور ۶۳۸ء ۱۷ھ کے واقعات میں حضرت خالدؓ کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے عام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آئے ہیں۔ لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں' خود ہی ۱۳ھ کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی ۱۷ھ کے واقعات میں ان کی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے۔ اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالدؓ کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے۔ تاہم آغاز خلافت میں ان سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا لیکن چونکہ خالد کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لئے ان کو تاکید لکھی کہ آیندہ سے اس کا خیال رکھیں۔ خالدؓ نے جواب میں لکھا کہ "میں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں، اور اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔" حضرت عمرؓ کو ان کی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بے دریغ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ "تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو، خالدؓ نے اس شرط کو نامنظور کیا، اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ میں حضرت خالدؓ کے احوال میں تفصیل سے لکھا ہے۔

بایں ہمہ ان کو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابو عبیدہؓ کے ماتحت کر دیا، اس کے بعد ۶۳۸ء ۱۷ھ میں یہ واقعہ پیش آیا، کہ حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دے دیئے پرچہ نویسوں نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی، دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔"

خالد جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے، قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا، مجمع عام میں خالدؓ سے پوچھا کہ "یہ انعام تم نے کہاں سے دیا۔" خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ ان سے درگزر کی جائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے مجبوراً" قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی۔ اور ان کی سرتابی کی سزا کے لئے انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دم نہیں مارتا اس واقعہ سے ایک طرف تو خالدؓ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کے سطوت جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی تقریر میں یہ بھی کہا کہ "امیر المومنین عمرؓ نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو

معزول کر دیا۔ اس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چپ رہ' ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔" خالد نے کہا "ہاں! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے؟"۱؎

خالد مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ خدا کی قسم تم میرے معاملہ میں نا انصافی کرتے ہو۔" حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔" خالد نے کہا کہ "مال غنیمت سے۔" اور یہ کہہ کر کہا کہ "ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپؐ کے حوالہ کرتا ہوں۔" چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے خالدؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "خالد! واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو' اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر تمام عمالان ملکی کو لکھ بھیجا' کہ میں نے خالد کو ناراضی سے یا خیانت کی بناء پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے مفتون ہوتے جاتے ہیں اس لئے میں نے ان کا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔۲؎" ان واقعات سے ایک نکتہ بین شخص باسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی معزولی کے کیا اسباب تھے۔ اور اس میں کیا مصلحتیں تھی۔

عمواس کی وبا ۶۳۹ء ۱۸ھ

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۷ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے۔ سرغ ۳؎ پہنچ کر ابو عبیدہؓ وغیرہ سے جو ان کے استقبال کے آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں' لیکن فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ "آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔" حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ کل کوچ ہے' حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی

۱؎ دیکھو کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ۸۷ اور تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۷

۲؎ طبری صفحہ ۲۵۲۸۔ ۳؎ ایک مقام کا نام ہے۔

کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نہایت غصہ آیا ور طیش میں آ کر کہا۔

افرارأمن قدر اللہ　　　　یعنی اے عمرؓ! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو

حضرت عمرؓ نے ان کی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا۔

افر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ　　　　یعنی ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کی طرف ہوں۔

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کچھ کام ہے کچھ دنوں کے لئے یہاں آ جاؤ ابو عبیدہؓ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو گا' میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ خط پڑھ کر روئے اور لکھا کہ "فوج جہاں اتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے اس لئے کوئی عمدہ موقع تجویز کر کے وہاں اٹھ جاؤ۔" ابو عبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر مقام کیا جو آب و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔

جابیہ پہنچ کر ابو عبیدہؓ بیمار پڑے' جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا اور نہایت پر اثر الفاظ میں وصیت کی معاذ بن جبلؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آ چکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ ادھر نماز ختم ہوئی ادھر انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا' بیماری اسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا انہیں بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں اس لئے یہاں سے بھاگ چلنا چاہیے۔ معاذ نے سنا تو منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا بلا نہیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے۔" خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے تو بیٹے کو بیمار پایا' نہایت استقلال کے ساتھ کہا۔ یا بنی الحق من ربک فلا تکونن من الممترین یعنی اے فرزند۔ یہ خدا کی طرف سے حق ہے دیکھ شبہ میں نہ پڑنا بیٹے نے جواب دیا ستجد نی انشاء اللہ من الصبرین یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔" یہ کہہ کر انتقال کیا' معاذ بیٹے کو دفنا کر آئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی بڑے اطمینان اور مسرت سے جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے' وبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی طعمہ اجل ہوتے جاتے تھے' لیکن معاذ اس کو خدا کی رحمت سمجھا کئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی' لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا معاذ کے مرنے کے ساتھ انہوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ

"وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی جاتی ہے۔ اس لئے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیے اگرچہ ان کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہم خیال تھے ناپسند آئی' یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔" تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا' فوج ان کے حکم کے مطابق ادھر ادھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وباء کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل میں آئی کہ ۲۵ ہزار مسلمان جو آدھی دنیا کے فتح کرنے کے لیے کافی ہو سکتے تھے' موت کے مہمان ہو چکے تھے ان میں ابو عبیدہؓ معاذ بن جبلؓ یزید بن ابی سفیان' حارث بن ہشامؓ سہیل بن عمرو' عتبہ بن سہیل بڑے درجہ کے لوگ تھے حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے' یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرحبیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔

اس قیامت خیز وباء کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعتہ رک گیا فوج بجائے اس کے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی' ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے ہزاروں عورتیں بیوہ بن گئیں' جو لوگ مرے تھے ان کا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا' حضرت عمرؓ نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے' یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے' ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے' راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ "امیر المومنین کہاں ہیں؟" فرماتے کہ "تمہارے آگے۔" اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو روز قیام کیا گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا' مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کے حوالہ کیا اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا' حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے' ایلہ سے دمشق آئے اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کئے فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں' جو لوگ وبا میں ہلاک ہوئے تھے ان کے دور و نزدیک کے وارثوں کو بلا کر ان کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں' جو اسامیاں خالی ہوئی تھیں ان پر نئے عہدہ دار مقرر کئے' ان باتوں کی دوسری تفصیل دوسرے حصہ میں آئے گی' چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا اور جو انتظامات کئے تھے ان کے متعلق تقریر کی۔

اس سال عرب میں سخت قحط پڑا اور اگر حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے' اسی سال مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کیے' چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی۔

قیساریہ[1] کی فتح۔ شوال ۶۴۰ء ۱۹ھ

یہ شہر بحر شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے' آج ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے اس شہر پر اول اول ۶۳۵ء ۱۳ھ میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کیے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابو عبیدہؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو ان کی جگہ مقرر کیا تھا اور حکم دیا کہ قیساریہ کی مہم پر جائیں وہ ۱۷ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا لیکن ۶۳۹ء ۱۸ھ میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی' امیر معاویہ نے بڑے سازوسامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا' امیر معاویہ کے پاس آ کر ایک سرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اس کی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازے کھول دیا' ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے مورخین کا بیان ہے کم سے کم عیسائیوں کی اسی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی' چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا' اس کی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہو گیا۔

---

[1] بلاذری۔

جزیرہ ۱؎ ۱۷ ہجری ۶۳۸ء

مدائن کی فتح سے دفعتہ " تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے' یا اب ان کو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا' اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں' سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالا کیونکہ اس کی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی' سعد نے حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی وہاں سے عبداللہ بن المعتم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمرؓ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اس لئے افسروں کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمتہ الجیش پر ربعی بن الا شکل' میمنہ پر حارث بن حسان میسرہ پر فرات بن حیان سقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے' عبداللہ بن المعتم پانچ ہزار کی جمعیت سے تکریت ۲؎ کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کیا' مہینے سے زیادہ محاصرہ رہا اور ۲۴ دفعہ حملے ہوئے' چونکہ عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد' تغلب' نمر بھی شریک تھے' عبداللہ نے خفیہ پیغام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تم سے آملیں گے۔ یہ بندوبست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا کیا۔ عجمی مقابلہ کو نکلے تو ان کے ساتھ عربوں نے عقب سے ان پر حملہ کیا' عجمی دونوں طرف سے گھر کر پامال ہو گئے۔ یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اس کا موقع اتفاقی طور پر عراق کے سلسلے میں آگیا تھا اس لئے مورخین اسلام جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے اور خود اس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا ۱۷ ہجری میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی

۱؎ جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں ہے اس کی حدود اربعہ یہ ہیں مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک' جنوب شام' مشرق عراق .شمال آرمینیہ کے کچھ حصے یہ مقام درج نقشہ ہے۔

۲؎ تکریت جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جس کی حد عراق سے ملی جلی ہے' دجلہ کے غربی جانب واقع ہے اور موصل سے ۶ منزل پر ہے۔

جائیں سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اس مہم پر مامور کیا وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رہا کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا ڈیرے ڈالے یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیہ پر صلح کر لی۔ رہا کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اس سرے تک فتح ہو گیا' جن جن مقام پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں ان کے نام یہ ہیں' رقہ' حران' نصیبین' میاد فارقین' سمساط' سروج' قرقیسیا' زوزان' عین الوردۃ۔

خوزستان[1]

۶۳۶ء ۱۵ھ ہجری میں مغیرہ شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملی ہوئی ہے' انہوں نے خیال کیا کہ اس کی فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا' چنانچہ ۶۳۷ء ۱۶ھ کے شروع میں اہواز پر جس کو ایرانی ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا' یہاں کے رئیس نے ایک مختصر رقم دے کر صلح کر لی مغیرہ وہیں رک گئے ۶۳۸ء ۱۷ ہجری میں مغیرہ معزول ہوئے ان کی جگہ ابو موسیٰ شعری مقرر ہوئے اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا' مجبوراً ابو موسیٰ نے لشکر کشی کی' اور اہواز کو جا گھیرا۔ شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔ غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لونڈی غلام بن کر تقسیم کیے گئے' لیکن جب حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے ابو موسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا' یہ خود ایک محفوظ مقام تھا' شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے حملے کو روکا اس معرکہ میں مہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے اور قلعہ والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

ابو موسیٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے' ربیع نے

---

[1] خوزستان اس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے اس میں ۱۴ بڑے شہر ہیں جس میں سب سے بڑا شہر "اہواز" ہے جو نقشہ میں درج کر دیا گیا ہے۔

مناذر کر فتح کر لیا اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی' قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ مجبوراً" رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں' ابو موسیٰؓ نے منظور کیا' رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اس کو امن دے دیا جاتا تھا' بدقسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا' چنانچہ جب سو کی تعداد پوری ہو گئی' تو ابو موسیٰؓ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا' سوس کے بعد رامہرز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی' یزدگرد اس وقت قم میں مقیم تھا' اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابو موسیٰؓ کی دست درازیوں کی خبریں اس کو برابر پہنچتی تھیں' ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سردار تھا' یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگراہوزد فارس میری حکومت میں دے دیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں' یزدگرد نے اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ کر دی' خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارت اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں یہیں تھیں۔ ہرمزان نے وہاں پہنچ کر قلعہ کی مرمت کرائی اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا اس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کے لئے آمادہ کریں' اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت اعظم فراہم ہو گئی' ابو موسیٰ نے دربار خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی' وہاں سے عمارؓ بن یاسر کے نام جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں لیکن غنیم نے جو سازوسامان کیا تھا اس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی' ابو موسیٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ آدھی فوج کو عبداللہ بن مسعود کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر ابو موسیٰ کی مدد کو جاؤ' ادھر جریر بجلی ایک بڑی فوج لے کر جلول پہنچا' ابو موسیٰ نے اس سازو سامان سے شوستر کر رخ کیا اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے' ہرمزان کثرت سے فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا' ابو موسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی' میمنہ براء بن مالک کو دیا (یہ حضرت انسؓ مشہور صحابی) کے بھائی تھے۔ میسرہ پر براابن عازب انصاری کو مقرر کیا' سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں' براابن مالک مارتے دھاڑتے شہرپناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے' ادھر ہرمزان نہایت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا

تھا' عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا' برا مارے گئے' ساتھ ہی مجزاۃ بن ثور نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا لیکن ہرمزان نے ان کا بھی کام تمام کر دیا' تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجمی ایک ہزار مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے' ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابو موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر میں قبضہ کرا دوں' ابو موسیٰ نے منظور کیا' اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور نہر دجیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کے نیچے بہتی ہے پار اتر کر ایک تہ خانے کی راہ میں داخل ہوا اور اشرس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا' ہرمزان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھائے ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے' اشرس نے اس کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا' دو سو بہادروں نے بڑھ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے' اشرس اسی تہ خانے کی راہ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچے' اور پہرہ داروں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے ادھر ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہل چل پڑ گئی ہر مزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی' مسلمان قلعے کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ "میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو۔ اور جو کچھ فیصلہ ہو عمرؓ کے ہاتھ سے ہو۔" ابو موسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انسؓ کو مامور کیا کہ مدینہ تک اس کے ساتھ جائیں ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لئے مدینہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا' دیبا کی قبا زیب بدن کی' شاہان عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی۔ غرض شان و شوکت کی تصویر بن کر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ "امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ

سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبہ نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس کا دربار بھی بڑے سازوسامان کا ہو گا حضرت عمرؓ اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے زرق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ "دنیائے دوں کی دلفریبیاں ہیں۔" اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب ہوئے اس وقت تک مترجم نہیں آیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے اس لئے انہوں نے ترجمانی کی حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیرہ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے اس لئے کہا کہ "از کدام اراضی؟" پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر جاتا تھا شوستر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ا حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ "عمرؓ! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے' اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔" یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ "جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں۔" حضرت عمرؓ نے منظور کیا اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ "میں پانی نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔" حضرت عمرؓ اس مغالطہ پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا۔ لیکن یہ تدبیر اس لئے کی کہ لوگ یہ نہیں کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا۔۲ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے' اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ۔ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا۔ جو شوستر سے ۲۴ میل ہے کئی دن تک محاصرہ رہا ایک دن شہر والوں نے خود شہرپناہ کے دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ

ا۔ ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ ۲۔ عقد الفرید لابن عبد ربہ باب المیکدہ فی الحرب

تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا اور اس کا سبب دریافت کیا شہر والوں نے کہا۔ "تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا رہا۔" سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰؓ نے کہا کہ ایک غلام کی خودرائی حجت نہیں ہو سکتی۔" شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے آخر حضرت عمرؓ کو خط لکھا گیا انہوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے۔" اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا' اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نئے ملک کا اضافہ ہو گیا۔

عراق[1] عجم ۶۴۱ء ۲۱ھ ہجری

جلولا کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں یزدگرد رے چلا گیا لیکن یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اس لئے رے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا' یہاں پہنچ کر مرو میں اقامت کی آتش پارسی ساتھ تھی اس کے لئے آتش کدہ تیار کرایا اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت و حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا۔ اور ہرمزان جو سلطنت کا زور و بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا رعب و داب باقی نہیں رہا تھا تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعتہ نہیں مٹ سکتا تھا' ایرانی اس وقت تک یہ سمجھے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقامات تک پہنچ کر رک جائے گی' اس لئے ان کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا۔ لیکن خوزستان کے واقعہ سے ان کی آنکھیں کھلیں ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہنچے' اس سے دفعتہ طبرستان جرجان۔ نہاوند۔ رے۔ اصفہان۔ ہمدان سے گزر کر خراسان اور سندھ تک تلاطم مچ گیا۔ اور ڈیڑھ

---

[1] سرزمین عراق دو حصوں میں منقسم ہے مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عرق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں کہ شمال میں طبرستان' جنوب میں شیراز' مشرق میں خوزستان اور مغرب میں شہر مراغہ واقع ہے اس وقت اس کے بڑے شہر اصفہان ہمدان اور رے سمجھے جاتے تھے اس وقت رے بالکل ویران ہو گیا اور اس کے قریب طہران آباد ہو گیا ہے جو شاہان قاچار کا دارالسلطنت ہے۔

لاکھ کا ٹڈی دل لشکر قم میں آ کر ٹھہرا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو (ہرمز کا فرزند تھا) سر لشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا' اس معرکہ میں درفش کاویانی جس کو عجم فال ظفر سمجھتے تھے۔ مبارک فالی کے لحاظ سے نکالا گیا چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھریرا اس پر سایہ کرتا جاتا تھا' عمار بن یاسر نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی حضرت عمرؓ عمار کا خط لئے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور سب کو سنا کر کہا کہ "گروہ عرب! اس مرتبہ تمام ایران کمربستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟" طلحہؓ بن عبید اللہ نے اٹھ کر کہا کہ "امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دیں بجا لائیں۔" حضرت عثمانؓ نے کہا۔ "میری رائے ہے کہ شام یمن۔ بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں' اور آپ خود اہل حرم کو لے کر مدینہ سے اٹھیں' کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں' اور پھر نہاوند کا رخ کیا جائے۔" حضرت عثمانؓ کی اس رائے کو سب نے پسند کیا' لیکن حضرت علیؓ چپ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا وہ بولے کہ "شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا' اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں قیامت برپا ہو جائے گی' اور خود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہو گا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام۔ یمن۔ بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہیں ایک ایک ثلث ادھر روانہ کر دی جائیں۔" حضرت عمرؓ نے کہا میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں تنہا اس کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا' اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم میں سپہ سالار بن کر کون جائے؟ لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے۔ لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر آتا تھا جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور مہمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمرؓ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف ان کی نگاہ میں تھے چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اس کا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا' اور سب نے اس کی تائید کی نعمان تیس ہزار کی جمعیت لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔ جن میں سے حذیفہ بن الیمان' عبداللہ بن عمرؓ' جریر بجلی' مغیرہ بن شعبہ عمرو بن معدی کرب زیادہ

مشہور ہیں نعمان نے جاسوسوں کو بھیج کر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند سے ۹ میل ادھر اسپدہان ایک مقام تھا وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمرؓ نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں ان کو لکھا کہ ایرانی اس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ پائیں' اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا' عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دے چکے تھے' سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے درو دربار آراستہ کیا' مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زریں پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک کے شہزادے دیبائے زرکش کی قبائیں' سر پر تاج زرہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں جن کی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی مردان شاہ نے کہا۔ "اہل عرب! سب سے زیادہ بدبخت سب سے زیادہ فاقہ مست' سب سے زیادہ ناپاک جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو! یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون میں آلودہ ہوں' اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔" مغیرہ نے کہا۔ "ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے لیکن اس ملک میں آ کر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا اور یہ مزے ہم سے اسی وقت چھوٹیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔" غرض سفارت بے حاصل گئی اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں نعمان نے میمنہ اور میسرہ پر حذیفہ اور سوید بن مقرن کو مجروہ پر قعقاع کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع متعین ہوئے۔ ادھر میمنہ پر زردک اور میسرہ پر بہمن تھا' عجمیوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچھا دیئے تھے جس کی وجہ سے مسمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہو تا تھا اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے' نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے لی ملیحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں اور قعقاع کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں۔ عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس بندوبست کے لئے کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے جس قدر بڑھتے آتے تھے گوکھرو بچھاتے آتے تھے' قعقاع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ گوکھرو کی سرحد سے نکل آئے۔

نعمان نے ادھر جو فوجیں جما رکھی تھیں موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جونہی عجمی زد پر آئے انہوں نے حملہ کرنا چاہا لیکن نعمان نے روکا عجمی جو برابر تیر برسا رہے تھے' اس سے سینکڑوں ہزاروں مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہ بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے۔ اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر ڈھلی تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے پہلے نعرہ پر فوج سازو سامان سے درست ہو گئی دوسرے پر لوگوں نے تلواریں تول لیں تیسرے پر دفعۃ حملہ کیا اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہو گئے ان کا امتیازی لباس جس سے معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جونہی وہ گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن کے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاوہ اور قبا پہن کی گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے گرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا۔ اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا۔ دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں' گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آ گیا اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا۔ " مسلمانوں کو فتح ہوئی" خدا کا شکر ادا کر کے کہا کہ فوراً عمرؓ کو اطلاع دو۔"

رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگ نکلے مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا' حذیفہ بن الیمانؓ نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچ کر مقام کیا' یہاں ایک مشہور آتش کدہ تھا۔ اس کا موبد حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسریٰ پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لا کر پیش کیے جس کو کسریٰ نے مشکل وقتوں کے لئے محفوظ کر رکھا تھا' حذیفہؓ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا' حضرت عمرؓ کو

ہفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی قاصد نے مژدہ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن
جب نعمان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے
قاصد نے اور شہدا کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جن کو میں
نہیں جانتا۔ حضرت عمرؓ پھر روئے اور فرمایا کہ "عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا ان کو جانتا ہے۔
جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ "فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو
تقسیم کر دیں۔" چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم کے فروخت ہوئے۔

اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی لڑ کر مارے گئے اس معرکہ کے بعد عجم نے بھی کبھی
زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت
فاروقؓ کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی ۶۴۲ء ۲۱ھ ہجری

اس وقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا اردہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو
لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لیے تھیں عراق کا البتہ ممالک محروسہ میں
اضافہ کر لیا گیا تھا لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے
حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں' وہ عراق کے سلسلہ میں
خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے
آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے۔"

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے میں
آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے
نہاوند کے معرکہ سے حضرت عمرؓ کو اس پر خیال ہوا اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ "ممالک
مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے۔" لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حد
سے نکل نہ جائے یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہے گا کہ
تخت کیان کا وارث موجود ہے اس وقت تک ان کی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔"

اس بناء پر حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کر
اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے چنانچہ خراسان کا علم

احنف بن قیس کو۔ سابور و اردشیر کا مجاشع بن مسعود کو' اصطخر کا عثمان ابن العاص الثقفی کو' افساء کا ساریہ بن رہم الکنانی کو' کرمان کا سہیل بن عدی کو سیستان کا عاصم بن عمرو کو' مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو۔ آذر بیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ ۲۱ھ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم ان کو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے ۲۱ھ میں عبداللہ بن عبداللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی' یہاں کے رئیس نے جس کا نام استندار تھا اصفہان کے نواح میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی جس کے ہراول پر شہر براز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا' دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جادویہ نے میدان میں آ کر پکارا کہ جس کا دعوی ہو تنہا میرے مقابلہ کو آئے' عبداللہ خود مقابلہ کو نکلے' جادویہ مارا گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا' استدار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی عبداللہ نے آگے بڑھ کر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذوسفان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں' ہم تم لڑ کر خود فیصلہ کر لیں' دونوں حریف میدان میں آئے فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا' عبداللہ نے اس پامردی سے اس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے منہ سے بے اختیار آفریں نکلی اور کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دے کر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے عبداللہ نے یہ شرط منظور کر لی اور معاہدہ صلح لکھ دیا۔

اسی اثناء میں یہ خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو ادھر روانہ کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچ کر محاصرہ کے سامان کئے۔ لیکن جب محاصرہ میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا۔ لیکن دیلم نے رے اور آذر بیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کر لی ایک طرف سے فرخان کا باپ زمینیدی جو رے کا رئیس تھا۔ انبوہ کثیر لے کر آیا دوسری طرف سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رود میں یہ فوجیں مقابل ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا آخر دیلم نے شکست کھائی' عروہ جو واقعہ جسر میں حضرت عمرؓ کے پاس شکست کی خبر لے کر گئے تھے اس فتح کا پیام لے کر گئے کہ

ہفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی قاصد نے مژدہ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے قاصد نے اور شہدا کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جن کو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمرؓ پھر روئے اور فرمایا کہ "عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا ان کو جانتا ہے۔" جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ "فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں۔" چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم کے فروخت ہوئے۔

اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی لڑ کر مارے گئے اس معرکہ کے بعد عجم نے بھی کبھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت فاروقؓ کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی ۶۴۲ء ۲۱ھ ہجری

اس وقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا اردہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لیے تھیں عراق کا البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا۔ کیونکہ اسلام سے پہلے اس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں' وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے بیچ آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے۔"

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے میں آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے وہاں غدر کروا دیا کرتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ سے حضرت عمرؓ کو اس پر خیال ہوا اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ "ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے۔" لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہے گا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے اس وقت تک ان کی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔"

اس بناء پر حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کیے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے چنانچہ خراسان کا علم

احنف بن قیس کو۔ سابور و اردشیر کا مجاشع بن مسعود کو' اصطخر کا عثمان ابن العاص الثقفی کو' افساء کا ساریہ بن رہم الکنانی کو' کرمان کا سہیل بن عدی کو سیستان کا عاصم بن عمرو کو' مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو۔ آذر بیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ ۲۱ھ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم ان کو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے ۲۱ھ میں عبداللہ بن عبداللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی' یہاں کے رئیس نے جس کا نام استندار تھا اصفہان کے نواح میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی جس کے ہراول پر شہر براز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا' دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جادویہ نے میدان میں آ کر پکارا کہ جس کا دعوی ہو تنہا میرے مقابلہ کو آئے' عبداللہ خود مقابلہ کو نکلے' جادویہ مارا گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا' استدار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی عبداللہ نے آگے بڑھ کر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذوسفان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں' ہم تم لڑ کر خود فیصلہ کر لیں' دونوں حریف میدان میں آئے فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا' عبداللہ نے اس پامردی سے اس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے منہ سے بے اختیار آفریں نکلی اور کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دے کر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے عبداللہ نے یہ شرط منظور کر لی اور معاہدہ صلح لکھ دیا۔

اسی اثناء میں یہ خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو ادھر روانہ کیا۔ انہوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچ کر محاصرہ کے سامان کئے۔ لیکن جب محاصرہ میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا۔ لیکن دیلم نے رے اور آذر بیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کر لی ایک طرف سے فرخان کا باپ زمیندیذی جو رے کا رئیس تھا۔ انبوہ کثیر لے کر آیا دوسری طرف سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رود میں یہ فوجیں مقابل ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آ گیا آخر دیلم نے شکست کھائی' عروہ جو واقعہ جسر میں حضرت عمرؓ کے پاس شکست کی خبر لے کر گئے تھے اس فتح کا پیام لے کر گئے کہ

اس دن کی تلافی ہو جائے۔ حضرت عمرؓ ویلم کی تیاریاں سن کر نہایت تردد میں تھے اور امداد کا سامان کر رہے تھے کہ دفعتہ" عروہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ شگون اچھا نہیں بے ساختہ زبان سے انا اللہ نکلا۔ عروہ نے کہا آپ گھبرائیں نہیں' خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمرؓ نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے رے کو روانہ ہوں۔ رے کا حاکم اس وقت سیاؤش تھا جو بہرام چوبیں کا پوتا تھا اس نے دنیا وند۔ طبرستان۔ قوس جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں لیکن زمیندی جس کو سیاؤش سے کچھ ملال تھا۔ نعیم بن مقرن سے آملا۔ اس کی سازش سے شہر پر حملہ ہوا' اور حملہ کے ساتھ دفعتہ" شہر فتح ہو گیا۔ نعیم نے زمیندی کو رے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو برباد کر کے حکم دیا کہ نئے سرے سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

آذر بیجان¹ ۶۴۳ء ۲۲ھ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے آذر بیجان کا علم عتبہ (بن فرقد) اور بکیر کو بھیجا تھا اور ان کے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین کر دی تھیں' بکیر جب میدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عتبہ کا سدراہ ہوا لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں چونکہ آذر بیجان انہیں دونوں بھائیوں کے قبضے میں تھا۔ عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذر بیجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے' مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذر بیجان کا علم حذیفہ بن یمان کو ملا تھا۔ وہ نہاوند

---

¹ نقشہ دیکھنے سے آذر بیجان کا پتہ اس طرح لگے گا کہ شہر تبریز کو اس کا صدر مقام سمجھنا چاہیے۔ (سابق میں شہر مراغہ دار الصدر تھا) بروعہ اور اردبیل اسی صوبہ میں آباد ہیں۔ آذر بائیجان کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ موبد آذر آباد نے ایک آتش کدہ بنایا تھا جس کا نام آذر آباد گان تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ لغت پہلوی میں آذر کے معنی آتش کے ہیں اور بائیگان کے معنی میں محافظ یعنی نگاہ دارند آتش۔ چونکہ اس صوبہ میں آتش کدوں کثرت تھی اس کی وجہ سے یہی نام ہو گیا جس کو عربوں نے اپنی زبان میں آذر بیجان کر لیا۔

سے چل کر اردبیل پہنچے جو آذربیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے ماجروان منمید سراۃ۔ سبز۔ میانج وغیرہ سے ایک انبوہ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا۔ اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موقان و جیلان پر حملہ کیا اور فتح کے پھریرے اڑائے۔

اسی اثناء میں دربار خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقد ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

طبرستان¹ ۶۴۳ء ۲۲ھ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رے فتح کر لیا تو ان کے بھائی سوید قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ وجدل کے قبضہ میں آ گیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے' سوید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ و پیام کیا اس نے جزیہ پر صلح کر لی اور معاہدہ صلح میں بتصریح لکھ دیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا اور مسلمانوں کو ان پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہو گا۔

آرمینیہ² بکیر جو آذربیجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے۔ آذربیجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نئی فوج تیار کر کے ان کی مدد کو بھیجی' باب کا رئیس جس کا نام شہربراز تھا مجوسی تھا اور سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سن کر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجھ کو آرمینیہ کے مکینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے' ایران کی نسل

---

¹ نقشہ میں طبرستان فتوحات شمال میں ملے گا' اس لئے کہ خلافت فاروقی میں جزیہ دے کر چھوڑ دیا گیا تھا' اس کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں خراسان و جرجان' مغرب میں آذربائیجان شمال میں جرزجان اور جنوب میں بلاد خیل' بصام اور استر آباد اس کے مشہور شہر ہیں۔

² صوبہ آرمینیہ کو بلاد ارمن بھی کہتے ہیں جو ایشائے کوچک کا ایک حصہ ہے' شمال میں بحر اسود جنوب میں کوئی اور صحرائی حصہ دور تک چلا گیا ہے مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلاد روم واقع ہیں چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی میں کامل فتح ہوا تھا اس لئے نقشہ میں فاروقی رنگ سے جدا ہے۔

سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں' لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش ہو تو فوجی امداد لی جائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لیے یہ شرط منظور کرلی گئی اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ' بلخبیر کی طرف جو مملکت خزر کا پائے تخت تھا' روانہ ہوئے شہر براز ساتھ تھا اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ "عبدالرحمٰن نے کہا۔" لیکن میں جب تک اس کے جگر میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آ سکتا۔" چنانچہ بیضا فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ ادھر بکیر نے قان کو جہاں سے اردن کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا۔ حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال املان کا رخ کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھریرا اڑاتا حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ یہ تمام مہمات حضرت عثمانؓ کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

فارس[۱] ۶۴۴ء ۲۳ھ

فارس پر اگرچہ اول اول ۱۷ھ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اس وقت چنداں کامیابی ہوئی ہم نے اس زمانے کے واقعات کے ساتھ اس کو لکھنا مناسب نہ سمجھا' عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا۔" لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی علا بن الخضرمی ۱۷ھ میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے' اور چونکہ سعد بن ابی وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی۔ ہر میدان میں ان سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے سعدؓ نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا یہاں تک کہ دربار خلافت سے

---

[۱] حال کے جغرافیہ میں عراق کی حدود گھٹا کر فارس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے' اس وقت فارس کے حدود یہ تھی۔ شمال میں اصفہان جنوب میں بحرفارس مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراق عرب اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے۔

اجازت تک نہ لی اور فوجیں تیار کر کے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سر لشکر تھے اور جارودبن المعلی اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اصطخر پہنچ کر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پر اتریں' یہاں کا حاکم ایک ہیربد تھا' وہ ایک انبوہ کثیر لے کر پہنچا اور دریا اتر کر اس پار صفیں قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضے میں آ گئے تھے' لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ کو بڑھے اور فوج کو للکارا کہ "مسلمانو! بیدل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھیننا چاہا ہے۔ لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔"

خلید اور جارود بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو تہ تیغ کیا' خلید کا رجز یہ تھا۔

یا ال عبدلقیس للنزاع قد حفل الامداد بالجراع
وکلھم فی سنن المصاع بحسن ضرب القوم بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا مگر غنیم نے جہاز غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا۔ بدقسمتی سے ادھر بھی راہیں بند تھیں' ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جا بجا فوجیں متعین کر دی تھیں۔

حضرت عمرؓ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے علاء کو نہایت تہدید کا نامہ لکھا ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانوں کو بچانے کے لیے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے۔ چنانچہ بارہ ہزار فوج جس کے سپہ سالار ابوسبرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہاں رکے پڑے تھے وہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے' ادھر مجوسیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دیئے تھے اور ایک انبوہ کثیر جس کا سر لشکر شہرک تھا اکٹھا کر لیا تھا۔ دونوں حریف دل توڑ کر لڑے بالآخر ابوسبرہ نے فتح حاصل کی لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا۔ بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعہ نہاوند کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جدا جدا فوجیں متعین کیں۔ پارسیوں نے توج کو صدر مقام قرار دے کر یہاں بڑا سامان کیا تھا' لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات پر پھیل گئیں تو ان کو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ ان کی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابور۔ اردشیر۔ توج۔

اصطخر سب باری باری فتح ہو گئے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی ۲۳ھ میں جب عثمان بن ابی العاص بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس مہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ ابرکاوان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کئے یہاں سے کبھی کبھی اٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آ جاتے اس طرح اردشیر' سابور اصطخر۔ ارجان کے بہت سے حصے دبا لئے شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا' اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا رامشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حکم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا' اس کے بعد عثمانؓ نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں۔ اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک بڑ گئی عثمانؓ نے جس طرف رخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ گازروں نوبند جان' ارجان شیراز' سابور جو فارس کے صدر مقامات ہیں۔ خود عثمان کے ہاتھ سے فتح ہوئے فساء دارالبحر وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

کرمان[1] ۶۴۴ء ۲۳ھ ہجری کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۳ھ میں ایک فوج لے کر جس کا ہراول بشیر بن عمر العجلی کی افسری میں تھا کرمان پر حملہ آور ہوئے یہاں کے مرزبان نے قفس وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی جیرفت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں اور بے شمار اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں جیرفت کرمان کا تجارت گاہ اور سرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

---

[1] اس کا قدیم نام کرمانیہ ہے حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں کوہستان' جنوب میں بحر عمان مشرق میں سیستان اور مغرب میں فارس ہے زمانہ سابق میں اس کا دار الصدر کو اسیر (بیرو سیر) تھا جس کی جگہ اب جیرفت آباد ہے۔

سیستان^ا ۶۴۴ء ۲۳ھ یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑ کر بھاگ نکلے۔ عاصم برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصرہ کیا محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ان کی تمام اراضی حمی سمجھی جائے مسلمانوں نے یہ شرط منظور کرلی اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھو تک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے' ان کی فتح کی کلید ہاتھ میں آ گئی۔ چنانچہ وقتاً" فوقتاً" ان ملکوں پر حملے ہوتے رہے۔

مکران^۲ ۶۴۴ء ۲۳ھ مکران پر حکم بن عمرو التغلبی مامور ہوئے تھے' چنانچہ ۲۳ ھ میں روانہ ہو کر نہر مکران کے اس طرف فوجیں اتاریں' مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پار اتر کر آیا' اور صف آرائی کی ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے نامہ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے' دربار خلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو نامہ فتح لے کر گئے تھے حضرت عمرؓ نے ان سے مکران کا حال پوچھا' انہوں نے کہا۔ ارض سھلھا جبل مائھا وشل وثمرھا دقل وعدوھا بطل و خیرھا قلیل و شرھا طویل والکثیر بھا قلیل حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے۔ انہوں نے کہا۔ "میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔" حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ "فوجیں جہاں تک پہنچ چکی ہیں وہیں رک جائیں۔" چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے۔ لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مورخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ

---

^ا سیستان کو عرب بجستان کہتے ہیں حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں ہرات' جنوب میں مکران مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان یہاں کا مشہور شہر زرنج ہے جہاں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے رقبہ ۲۵۰۰۰ میل مربع ہے۔

^۲ آج کل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ مورخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہے مگر طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے اس لئے ہم نے بھی نقشہ میں فتوحات فاروقی کی وہیں تک حد قرار دی ہے۔

صحیح ہے تو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ و ہند میں بھی آ چکا تھا۔

خراسان[1] کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۶۴۴ء ۲۳ھ

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں احنف بن قیس بھی تھے اور ان کو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا۔ احنف نے ۲۲ھ میں خراسان کا رخ کیا' طبسین ہو کر ہرات پہنچے اور اس کو فتح کر کے مرد شاہ جہان پر بڑھے' یزدگرد شاہنشاہ فارس یہیں مقیم تھا۔ ان کی آمد سن کر مرود چلا گیا۔ اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے نامے لکھے احنف نے مرد شاہجہان پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرورود کی طرف بڑھے یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور سیدھا بلخ پہنچا۔ اس اثناء میں کوفہ سے امدادی فوجیں آ گئیں جس سے میمنہ و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمہ بن النضری' ربعی بن عامر التیمی۔ عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی ابن ام غزال الہمدانی تھے۔ احنف نے تازہ دم فوج لے کر بلخ پر حملہ کیا یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا احنف نے میدان خالی پا کر ہر طرف فوجیں بھیج دیں اور نیشا پور طخارستان تک فتح کر لیا مرورود کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا۔ اور حضرت عمرؓ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آ گیا۔ حضرت عمرؓ فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا' احنف کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیوں کا سرتاج ہے' تاہم جواب میں جو نامہ لکھا اس میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا' ادھر یزدگرد خاقان کے پاس گیا تو اس نے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر ہمراہ لے کر یزدگرد کے ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف چوبیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے خاقان کی آمد سن کر مرورود کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرورود پہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہو کر مرد شاہجہاں کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان

---

[1] علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراالنہر فرغانہ' خوارزم' طخارستان اور سیستان کا رقبہ خراسان میں داخل تھا مگر اصل یہ ہے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں اس کے مشہور شہر نیشا پور۔ مرو۔ ہرات۔ بلخ۔ طوس فساد اور ابی ورد وغیرہ تھے جن میں سے پچھلے اب بالکل ویران ہیں۔

میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا' نہر اتر کر ایک میدان میں جس کی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صفیں جمائے پڑی رہیں۔ عجمی صبح اور شام سازو سامان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ ادھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے واپس آ جاتے تھے۔ ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر میدان جنگ میں باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں۔ پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدان میں گئے ادھر سے معمول کے موافق ایک طبل و علم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک ردوبدل رہی آخر احنف نے ایک برچھی ماری ترک زمین پر گر کر مر گیا۔ احنف نے جوش میں آکر کہا۔

ان علی کل رئیس حقا ان یخضب الصعدة اولیندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترکی میدان میں آئے اور احنف کے ہاتھ سے مارے گئے خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں' چونکہ شگون برا تھا' نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بے فائدہ پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔ چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔

یزدگرد۔ مرو شاہجہاں کا محاصرہ کیے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ فتح سے ناامید ہو کر خزانہ اور جواہر خانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے روکا اور جب اس نے نہ مانا تو برسر مقابلہ آکر تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا' اور حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان کا دارالسلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمرؓ کو فتح نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مژدہ فتح سنایا اور ایک پر اثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ "آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دے دے گا۔"

مصر کی فتح ۶۴۱ء ۲۰ھ ہجری

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے۔ وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصران کی تجارت کا جولانگاہ تھا اس زمانے میں مصر کی نسبت گو اس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہو گا۔ لیکن اس کی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ ان کی نظر میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اس میں یہ ان سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا۔ لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی اس پر بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو الٹے پھر آنا۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا۔ عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آ چکے ۱۔ غرض عریش سے چل کر فرما پہنچے یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گو اب ویران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں آباد تھا۔ اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی۔ اس نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ بالاخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمرو فرما سے چل کر بلبیس، اور ام دنین کو فتح کرتے ہوئے پہنچے، فسطاط اس زمانے میں کف دست میدان تھا۔ اور اس قطعہ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اس وقت زراعت کے کھیت یا چراہ گاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں

۱۔ مقریزی وغیرہ میں لکھا ہے کہ قاصد مقام رفح میں عمرو سے ملا انہوں نے اس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے منع کیا ہو گا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لے لوں گا۔ عریش کے قریب پہنچے تو خط لے کر کھولا اور پڑھ کر کہا کہ امیر المومنین نے لکھا ہے کہ مصر نہ پہنچ چکے ہو تو رک جانا۔ لیکن ہم تو مصر کی حد میں آ چکے لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی حیلہ بازی کے اتہام کی کیا ضرورت ہے اولاً تو بلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خط ان کو عریش ہی میں ملا۔ لیکن رفح میں ملا ہو تو تب بھی کچھ ہرج نہیں کیونکہ رفح خود مصر میں داخل ہے۔

سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہاں رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا' اور جہاز اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں۔ ان وجوہ سے سرکاری ضرورتوں کے لیے نہایت مناسب مقام تھا' عمرو نے اول اسی کو تاکا اور محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں۔ مقوقس جو مصر کا فرمانروا اور قیصر کا باج گذار تھا' عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت کو دیکھ کر عمرو نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور اعانت طلب کی انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے' یہ افسر زبیرؓ بن العوام' عبادہ بن الصامتؓ' مقدادؓ بن عمرو سلمہؓ بن مخلد تھے۔ زبیرؓ کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمرو نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دے دیئے۔ انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کئے' اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیرؓ نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابہ نے ان کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی۔ عیسائی یہ سمجھ کر مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے' بدحواس ہو کر بھاگے ادھر زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی دھوم دھام سے دعوت کی۔ عمرو بن العاص نے قبول کر لی اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے ان لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور مخملی کرسیوں پر بیٹھے' کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیا دے دیا تھا۔ سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز اور عادات کے موافق کھانے بیٹھے' کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیاں شوربے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شوربہ کی چھینٹیں اڑ کر رومیوں

کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ کھانے کے بعد رومیوں نے کہا۔ "وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں شریک تھے یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سلیقہ نہ تھے۔" عمرو نے کہا۔ "وہ اہل الرائے تھے اور یہ سپاہی ہیں۔"

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لئے معاہدہ صلح لکھوایا تھا لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی تو اس نے نہایت ناراضگی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچ کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو۔

اسکندریہ کی فتح ۴۲- ۶۴۱ء ۲۱ھ

فسطاط کی فتح کے بعد عمروؓ نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ "فسطاط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔" وہاں سے منظوری آئی عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلہ بنا لیا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی حکم دیا کہ اس کو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آ کر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اس لئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا' اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے بہرحال ۲۱ھ میں عمرو نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں' انہوں نے سدراہ ہونا چاہا' چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جس میں ہزاروں قبطی بھی شامل تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں' مقام کریون میں دونوں حریفوں کا سامان ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت طیش میں آ کر جنگ کی اور بے شمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرات نہ کی اور عمرو نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ مقوقس جزیہ دے کر صلح کرنا چاہتا تھا' لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا' تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معینؔ کے لئے صلح ہو جائے۔ عمرو نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر شہر پناہ کی فصیل پر مسلمانوں کے آمنے سامنے صف جما کر کھڑے ہوں' عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جا سکیں انہوں نے شہر کی طرف منہ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہلا بھیجا کہ "ہم تمہارا مطلب سمجھے لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اب تک جو ملک فتح کئے کثرت فوج کے بل پر نہیں کئے۔ تمہارا بادشاہ ہرقل جس سازو سامان سے ہمارے مقابلے

کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں۔" مقوقس نے کہا "سچ ہے یہی عرب ہیں جنہوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا۔" اس پر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے مقوقس کو بہت برا بھلا کہا' اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۵)

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی' اس لئے عمرو سے اقرار لے لیا تھا کہ "چونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں' اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے۔" قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکہ میں دونوں الگ رہے۔ بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی۔ فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہیں کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا تیر و خدنگ سے گزر کر تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ "جس کا دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔" مسلمہ بن مخلد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے ان کو زمین پر دے ٹپکا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی۔ عمرو کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی خیال نہ کر کے کہا کہ "زنخوں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔" مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا زور اسی طرح قائم تھا۔ آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا۔ آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیئے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن العاص اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ وار جان دینی چاہی تو انہوں نے کہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے' اگر ہمارا آدمی مارا گیا تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔

عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لیے نکلنا چاہا۔ مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر آنچ آئی تو انتظام میں خلل ہو گا' یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ

مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے انہوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا' اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی گستاخی کی معافی مانگی اور انہوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔ (مقریزی صفحہ ۱۶۴۔ ۱۶۵ جلد اول)

محاصرہ جس قدر طول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمرؓ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ "شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے عمرو نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پر اثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامتؓ کو جو برسوں رسولؐ اللہ کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ "اپنا نیزہ مجھ کو دیجئے۔" خود سر سے عمامہ اتارا۔ اور نیزہ پر لگا کر ان کو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ زبیر بن العومؓ اور مسلمہ بن مخلدؓ کو فوج کا ہراول کیا۔ غرض اس سروسامان سے قلعہ پر دھاوا ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ عمرو نے اسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ "جس قدر تیز جا سکو جاؤ اور امیر المومنین کو مژدہ فتح سناؤ۔ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہ خلافت میں جانے سے پہلے سیدھے مسجد نبوی کر رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی ادھر آ نکلی اور ان کو مسافر کی ہیئت دیکھ کر پوچھا کہ "کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟" انہوں نے کہا " اسکندریہ سے۔" اس نے اسی وقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیرالمومنین بلاتے ہیں' حضرت عمرؓ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ خود چلنے کے لئے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی الصلواۃ جامعۃ سنتے ہی تمام مدینہ امنڈ آیا معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے۔ وہاں سے اٹھ کر حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کے گھر پر گئے۔ حضرت عمرؓ نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ انہوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے

ہوں فرمایا "افسوس! تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا۔ تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔" ؂۱

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا الگ الگ قطعے متعین کیے اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں۔ تفصیل اس کے دوسرے حصے میں آئے گی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا۔ تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہ جائے۔ چنانچہ خارجۃ بن حذافہ العدوی' فیمو' اشمونین' اخمیم' بشرودات' معید اور اسکے تمام مضافات میں چکر لگا آئے اور ہر جگہ لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن وہب الجمحی نے تنیس' دمیاط' تونہ' دمیرہ' شطا' و قملہ' بنا' بوہیر کو مسخر کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کیے۔ ؂۲

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبطی اور رومی گرفتار ہوئے تھے عمرو نے دربار خلافت کو لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں' اسلام قبول کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں' ورنہ جزیہ دینا ہو گا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے عمرو نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے' ایک جا جمع کیے عیسائی سرداروں کو طلب کیا اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہ کر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے بچھے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارک باد کا غل پڑتا تھا۔ اور مسلمان اس قدر غم زدہ ہوتے تھے کہ بہتوں کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہ رسدی کے موافق کامیاب آئے۔ ؂۳

؂۱ یہ تمام تفصیل مقریزی سے لی گئی ہے۔ ؂۲ فتوح البلدان ص ۲۱۷' ؂۳ طبری ص ۲۵۸۲۔ ۲۵۸۳

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۶۴۴ء ۲۳ھ

(کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ ماہ چار دن)

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ جس کی کنیت ابو لولو تھی اس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی اس نے کہا روزانہ دو درہم (قریبا سات آنے) حضرت عمرؓ نے پوچھا' تو کونسا پیشہ کرتا ہے' بولا کہ "نجاری نقاشی) آہنگری" فرمایا کہ "ان صنعتوں کے مقابلہ میں رقم کچھ بہت نہیں ہے۔" فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں سیدھی ہو جاتیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے' اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لئے بڑھے۔ اور جوں ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعتہ" گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ سامنے بسمل پڑے تھے فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا۔ لیکن بالاخر پکڑ لیا گیا' اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا۔" لوگوں نے کہا۔ فیروز۔" فرمایا کہ الحمد للہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعوئی رکھتا تھا۔" لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں غالبا شفا ہو جائے'

چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اس نے نبیذ اور دودھ پلایا۔ اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئی۔ اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیں۔"

حضرت عمرؓ نے عبداللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ "عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسولؐ اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔" عبداللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی۔" عبداللہ واپس آئے لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی' بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے۔ فرمایا یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔

اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا' تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جایئے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا۔ اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی بارہا ان کے منہ سے بیساختہ آہ نکل گئی' کہ "افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔" تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علیؓ۔ عثمانؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ لیکن حضرت عمرؓ ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ [1] اور اس کا انہوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا۔' چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک تفصیل سے مذکورہ ہیں۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (طبری ص ۲۷۷۷)

---

[1] حضرت عمرؓ نے اور بزرگوں کی نسبت جو خوردہ گیراں کیں' گو ہم نے ان کو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جائے کلام نہیں البتہ حضرت علیؓ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔"

تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں ظرافت ہے یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے حضرت علیؓ ظریف تھے مگر اس قدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے، کہ حضرت علیؓ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے، علامہ طبری نے اس معاملے کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہو گا۔ مکالمہ عبداللہ بن عباسؓ سے ہوا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرف دار تھے۔

حضرت عمرؓ:۔ کیوں عبداللہ بن عباس علی ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ بن عباسؓ:۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ:۔ تمہارے باپ رسولؐ اللہ کے چچا، اور تم رسول اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرف دار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ بن عباسؓ:۔ میں نہیں جانتا

حضرت عمرؓ:۔ لیکن میں جانتا ہوں، تمہاری قوم، تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباسؓ:۔ کیوں؟

حضرت عمرؓ:۔ وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آ جائیں شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابو بکرؓ نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں، ابو بکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کو ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ مفید نہ ہوتا۔

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمرؓ:۔ کیوں عبداللہ بن عباسؓ! تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سنا کرتا تھا۔ لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ:۔ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ بن عباسؓ:۔ ظلماً" کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا، کیونکہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں۔

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور حواس نے یاوری دی اسی دھن میں مصروف رہے' لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو' اس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین۔ انصار۔ اعراب وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی۔ یہودی۔ پارسی جو اسلام کی رعایا تھے) پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی۔ چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے۔ "میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا' اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان) لیکن عمر بن شبہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے' کہتے تھے کہ حضرت عمرؓ پر

(گذشتہ حاشیہ) لیکن حسداً" تو اس کا تعجب کیا ہے۔ ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمرؓ:۔ افسوس خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ بن عباسؓ:۔ ایسی بات نہ کہہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمرؓ:۔ اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباسؓ:۔ بہت مناسب (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۸ تا ۲۷۷۱)

ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اس بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیری اور بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور یہ زیادہ تر اسی وجہ سے تھا کہ حضرت عمرؓ خود آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔

قرض کیونکر رہ سکتا تھا۔ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وارث کو ایک لاکھ میں بیچا تھا۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر چھیاسی ہزار کا قرض تھا۔ لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ ان کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا۔ جس کو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمت کے بیچ میں واقع تھا۔ اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفائی اخبار دار المصطفےٰ میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور[2] ہے۔

حضرت عمرؓ نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ صہیبؓ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت علیؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالم تاب خاک میں چھپ گیا۔

---

[1] دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۵۲

[2] دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۹ صفحہ ۱۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ دوئم

فتوحات پر ایک اجمالی نظر!

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو۔ اس سے تمہارے دل پر اس کے عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم و استقلال کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا۔ لیکن اسلاف کی داستان سننے میں تم نے اس کی پرواہ نہ کی ہو گی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحرا نشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر الٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی؟ جو کچھ ہوا اس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں، لیکن اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کے حدود اربعہ کیا تھے؟

فتوحات فاروقی کی وسعت حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربع یعنی مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی، اس لیے وہ قابل ذکر نہیں۔

اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق، عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آ جاتا ہے شامل تھا، ایشیائے کوچک پر جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں ۲۰ھ میں حملہ ہوا تھا۔ لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمرؓ کی فتوحات ہیں اور اس کی

تمام مدت دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

فتح کے اسباب یورپین مورخوں کی رائے کے موافق پہلے سوال کا جواب یورپین مورخوں نے یہ دیا ہے کہ اس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں فارس میں خسروپرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا ہو موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں اول بدل ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ تین چار برس کے عرصے میں ہی عنان حکومت چھ سات فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا۔ جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نوشیرواں نے گو تلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا۔ لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب و عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے عیسائیوں میں نسطورین فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ بھی اسلام کے سایہ میں آ کر مخالفوں کے ظلم و ستم سے بچ گیا' اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقوں کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آ گئی۔

روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی' اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا' اس لیے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اسکی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوتی جاتی تھی۔

یورپین مورخین کی رائے کی غلطی یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں۔ لیکن جس قدر واقعیت ہے اس سے زیادہ طرز استدلال کی ملمع سازی ہے۔ جو یورپ کا خاص انداز ہے' بے شبہ اس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں۔ لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پر زور قوی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جاتیں۔

روم و فارس گو کسی حالت میں تھے' تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جو اب تک موجود ہیں' رومیوں میں ایک مدت

تک ان کا عملی رواج رہا۔ اس کے ساتھ رسد کی فراوانی۔ سروسامانی کی بہتات' آلات جنگ کے تنوع' فوجوں کی کثرت میں کمی نہیں آئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں' اپنے قلعوں میں اپنے مورچوں میں رہ کر اپنے ملک کی حفاظت کرنی تھی' مسلمانوں کے حملے سے پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شان و شوکت کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لے لئے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال تھا۔ خسرو پرویز کی وفات سے اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے' اتنے تھوڑے عرصے میں ایسی قوم اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی! البتہ تخت نشینوں کی ادل بدل سے نظام میں فرق آگیا تھا لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ فوج اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی اس لئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے مزدکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا۔ لیکن ہم کو تمام تاریخ میں ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ نسٹورین کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ خود یورپین مورخوں نے کہیں نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال تھا کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے تعبیہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود۔ زرہ۔ چلتہ۔ جوشن۔ بکتر۔ چار آئینہ۔ آہنی دستانے جھلم موزے۔ جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ[1] تھا۔ اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی۔ اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی ہوتی تھی۔ آلات جنگ میں گرز و کمند سے عرب بالکل آشنا نہ تھے تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادسیہ کے معرکے میں ایرانیوں نے جب پہلے پہل ان کو دیکھا تو سمجھا کہ تکلے ہیں۔

---

[1] ابن قتیبہ نے الاخبار الطوال میں لکھا ہے یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں۔

فتوحات کے اصلی اسباب ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، بلند حوصلگی، دلیری پیدا ہو گئی تھی اور جس کو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا۔ روم اور فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اس کی ٹکر نہیں اٹھا سکتی تھیں، البتہ اس کے ساتھ اور چیزیں بھی مل گئی تھیں جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی، اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راست بازی اور دیانتداری تھی جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راست بازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکہ میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ "خدا تم کو پھر اس ملک میں لائے" اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ "ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آ سکتا۔

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی اس لئے رومیوں نے جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا ان کے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو آگے مطلع صاف تھا۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی۔ وہاں سلطنت کے نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے۔ وہ سلطنت کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کے لیے لڑتے تھے یہی وجہ تھی کہ پائے تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں۔ لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی اور اس لئے فتح کے بعد بقائے حکومت میں ان سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا۔ ان دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے، شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکوم تھا۔ عراق میں لخمی خاندان والے دراصل ملک کے مالک تھے۔ گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائیگاں نہیں جا سکتا تھا عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمانوں ہو گئے۔ اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو

بن گئے۔ [۱] شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے ہو گئے سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم اور قتل عام کی بدولت چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔

سکندر وغیرہ کی فتوحات کا موازنہ

سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اس کے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے ان میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا اسی طرح فارس میں جب اصطخر کو فتح کیا۔ تو تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح کی اور بھی بے رحمیاں اس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے' یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کی بقا نہیں۔ چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیرپا نہ ہوئیں لیکن فوری فتوحات کے لئے اس قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز' بخت نصر' تیمور' نادر جتنے بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمرؓ کی فتوحات میں کبھی سرمو قانون' انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ آدمیوں کا قتل عام ایک طرف درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا' بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا تھا' دشمن سے کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام دیئے جاتے تھے کہ فان قاتلو کم فلا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا۔ یعنی دشمن تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک کان نہ کاٹو کسی بچے کو قتل نہ کرو۔ (کتاب الخراج صفحہ ۱۳۰)

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لے کر درگزر کی جاتی تھی۔

---

[۱] آگے چل کر ایک موقع پر ہم نے ان کے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔

یہاں تک کہ جب عربسوس والے تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلاوطن کر دیا' لیکن اس کے ساتھ ان کی کل جائداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دے دیا اور اضلاع کے حکام کو احکام بھیج دیئے کہ جدھر سے ان لوگوں کا گزر ہو ان کو ہر طرح کی اعانت دی جائے اور جب یہ کسی شہر میں قیام اختیار کریں تو ایک سال تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گزرے ہیں۔ ان کو یہ دکھانا چاہیے کہ اس احتیاط' اس قید' اس پابندی' اس درگزر کے ساتھ دنیا میں کسی حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔

اس کے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ اس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہاتھ آتا تھا فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے' فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں البتہ ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔

ایک اور صریح فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گزرنے والے بادل کی طرح تھیں کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کئے وہاں کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا برخلاف اس کے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اس وقت فتح ہوئے تیرہ سو برس گزرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص

اخیر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی چنداں تخصیص نہ تھی' اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے لیکن کیا نتیجہ یہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہ برقی قوتیں ہیں لیکن یہ قوتیں اسی وقت کام دے سکتی ہیں جب کام لینے والا بھی اسی زور و قوت کا ہو۔ قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں' واقعات خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں

فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص ان کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا' اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کی ترتیب فوجی مشقیں' بارکوں کی تعمیر' گھوڑوں کی پرداخت قلعوں کی حفاظت' جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کی تعین' فوج کی نقل و حرکت' پرچہ نویسی کا انتظام' افسران فوجی کا انتخاب' قلعہ شکن آلات کا استعمال' یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کئے اور ان کو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لو گے کہ حضرت عمرؓ کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمرؓ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا فوج جب مدینے سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں۔ جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوئے تھے ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے' اس کے اشاروں پر ہوتا ہے۔

دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی۔ ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمرؓ کی حسن تدبیر تھی' جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا۔ اور دوسری طرف ایک کوہ گراں کے پرخچے اڑا دیئے۔ چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔ ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعوی صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظمؓ کے برابر فاتح اور کشورستان نہیں گزرا جو کہ فتوحات اور عدل دونوں کا جامع ہو۔

نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد میں پڑی لیکن نظام

حکومت کا دور حضرت عمرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے حضرت ابوبکرؓ کی دو سالہ خلافت میں اگرچہ بڑی بڑی مہمات کا فیصلہ ہوا۔ یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں۔ تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک طرف تو فتوحات کو وسعت دی کہ قیصرو کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں۔ دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آ چکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا' اس کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف اس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے ملتا تھا' یعنی سلطنت کا میلان' ذاتی اختیارات پر تھا یا عام رائے پر۔

جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر بلا امتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے' یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہو گا' اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہو گا' یہاں تک سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا صرف ایک ممبر رہ جائے۔ برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دارومدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بناء پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں۔ صرف چند ارکان سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے۔

۲۔ چونکہ بجز چند عہدہ داروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔

۳۔ مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں

ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے۔ ان کو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی کہ خودارباب حقوق کو ہو سکتی ہے چونکہ بجز چندارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا اس لئے میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم میں اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے اس بناء پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہوتی۔ اس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں تھیں لخمی، جمیری، غسانی لیکن یہ سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار جمہوری اصول پر انتخاب کئے جاتے تھے۔ لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی۔ بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی حضرت ابو بکرؓ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا۔ گو ان کا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ و تمت الا وانہا قد کانت کذلک لکن اللہ وقی شرھا۔

حضرت عمرؓ کے گردوپیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں ایران میں تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خود مختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے۔ تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آ گئیں۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوری (کونسل)

ان میں سب کا اصل

الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا۔ یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آ سکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی مہاجرین و انصار۔

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ

مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے اوس و خزرج۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضروری تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابتؓ اس میں شامل ۱ تھے۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تھے' تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔ ۲

مجلس شوریٰ کے جلسے

معمولی اور روز مرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے' لیکن جب کوئی اہم امر پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہؓ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں دے دیئے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام قدمائے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ وہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں پانچ شخص قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے' شریک ہوئے کئی دن تک مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جو تقریر ۳ کی' جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ

۱۔ کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ حیدر آباد

۲۔ تاریخ طبری ص ۲۵۷۴۔ ۳۔ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۴ و ۱۵ میں ہے۔

وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لم از عجکم الا لان تشرکو فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم۔ ولست ارید ان یتبعو ھذالذی ھوای

۲۱ھ میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سروسامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمانؓ طلحہ بن عبید اللہؓ۔ زبیر بن العوامؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی۔ غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمرؓ موقع جنگ پر نہ جائیں اسی طرح فوج کی تنخواہ دفتر کی ترتیب۔ عمال کا تقرر۔ غیر قوموں کی تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص۔ اس قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت تاریخوں میں بہ تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔ ان امور کے پیش ہوتے وقت ارکان مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت۔ استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی، بلکہ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں، انکے خاص الفاظ یہ ہیں۔ لا خلافۃ الا عن مشورۃ۔[1]

ایک اور مجلس مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی ہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے۔ صوبہ جات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں۔ حضرت عمرؓ اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا مورخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ مصنف بن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۹

...رین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معھم فیہ

كان للهاجرين مجلس فی المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه وثهم عما ينتبی اليه من امر الافاق فقال يوما ما ادری كيف اصنع بالمجوس-

عام رعایا کی مداخلت مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی- صوبجات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے- بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا کہ کوفہ' بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی پسند سے ایک ایک شخص کا انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانتدار اور قابل ہوں- چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد بصرہ سے حجاج بن علاط' شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا- اور حضرت عمرؓ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا' قاضی ابویوسفؒ صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں-

كتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة يبعثون اليه رجلا من اخير هم واصلحهم والى اهل البصرة كذلک والى اهل الشام كذلک قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن فرقد و بعث اليه اهل الشام معن يزيد و بعث اليه اهل البصرة الحجاج بن علاط كلهم سلميون قال فاستعمل كل واحد منهم على خراج ارضه (کتاب الخراج ص ۶۴)

سعد بن ابی وقاصؓ بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی پائے تخت کے فاتح تھے- حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا- لیکن جب لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کر دیا-

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے- حضرت عمرؓ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے- اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں ان کو وفد کہتے تھے- اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایت سے مطلع کیا جائے اور داد رسی چاہی جائے-

حضرت عمرؓ نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا یہاں تک کہ خاص اس کے لیے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالان سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا چنانچہ اس کی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آئے گی۔

خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابر رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو ملک کی آمدنی میں سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اس کے اختیارات محدود ہوں' ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ یہ تمام امور حضرت عمرؓ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمرؓ کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے۔ اور ان کے کیا اختیارات ہیں۔ ایک موقع پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی اس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں۔

انما انا ومالکم کولی البتیم ان اسغنیت استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف لکم علی ایھا الناس خصال فخذونی بما لکم علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم ولا مما افاء اللہ علیکم الا من وجھہ ولکھ علی اذا وقع فی یدی ان لایخرج منی الا فی حقہ ولکم علی ان لزید فی اعطیاتکم واسد تغورکم ولکم علی ان لا القیکم فی الھالک۔ (کتاب الخراج ص ۶۰)

مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لیے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہ ہونے پائے ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھا دوں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ اتق اللہ یا

عمر یعنی "اے عمر خدا سے ڈر۔" حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں۔ اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم۔[1]" ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بنؓ جبل نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومت جمہوری کی اصل تصویر ہے اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جا سکتی۔

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمرؓ کے نظام حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی و تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے پڑھنے اور دیگر ضروریات کے لئے جدا جدا کمرے بنتے جاتے ہیں یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدائے تمدن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جلے رہتے ہیں۔ جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ جرائم کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے انگریزی حکومت کو ۱۰۰ برس ہوئے لیکن جوڈیشنل اور ایگزکٹیو اختیارات اب تک ملے جلے ہیں یعنی حاکم ضلع مالگزاری بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے۔ اور غیر آئینی اضلاع میں تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے

حضرت عمرؓ کے عجیب و غریب کارناموں کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے۔ تاہم انہوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کر کے جداگانہ محکمے قائم کیے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷

ملک کی تقسیم

صوبجات اور اضلاع

عہدہ داران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں' ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے جن کو صوبہ ضلع اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی ابتداء کی اور اس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور تناسب سے اس کے حدود قائم کئے تمام مورخین نے اس کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبوں میں تقسیم کیا۔

حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ مصر۔ فلسطین مورخ یعقوبی نے ۸ کے بجائے ۷ صوبے لکھے اور لکھا ہے کہ یہ "انتظام حضرت عمرؓ نے ۲۰ھ میں کیا تھا۔" مورخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے جس کی تفصیل بتا دینی ضروری ہے فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی اس کے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس۔ خوزستان کرمان وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے ان کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلع تھے اکثر جگہ حضرت عمرؓ نے اسی طرح رہنے دیئے اس لئے مورخین نے ان کا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمرؓ نے قائم کئے ان کا ذکر ضرور تھا اور وہ یہی ۸ تھے لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کئے تھے۔ فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیئے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا۔ اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین کیا۔ا مصر کی نسبت ہم کو

معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ ۱؎ بالائی حصہ جس کو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جس میں ۲۸ ضلعے شامل تھے۔ ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور نشیبی حصہ میں ۱۵ ضلعے شامل تھے اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی عہد کے صوبے فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے تقریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیئے تھے۔ اس لئے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔ ۲؎ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

خراسان اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے طبرستان۔ رے قزوین۔ زنجان۔ قم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ نہاوند۔ دینور۔ حلوان۔ ماسندان۔ مہرجان۔ قزق۔ شہرزور۔ سامغان۔ آذر سجان۔

فارس اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ اصطخر۔ شیراز۔ نوبند جان۔ جور۔ گازورون فسا۔ دارابجرو۔ اردشیر خرہ۔ سابور۔ اہواز۔ جندیسابور۔ سوس۔ نہرتیری۔ منادر۔ تستر ایذج۔ رام ہرمز۔

صوبوں کے افسر صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکم صوبہ کاتب یعنی میر منشی۔ کاتب دیوان۔ یعنی دفتر فوج کا میر منشی۔ صاحب الخراج یعنی کلکٹر صاحب احداث یعنی افسر پولیس صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ۔ قاضی یعنی صدر الصدور و منصف چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی، عثمان بن حنیف کلکٹر۔ عبداللہ بن مسعود خزانہ۔ شریح قاضی۔ عبداللہ بن خلف الخزاعی کاتب دیوان تھے۔ ۳؎

۱؎ طبری صفحہ ۲۴۰۳، ۲۴۰۷ اصل عبارت یہ ہے۔ (فصارت فلسطین نصفین نصف مع اہل ایلیا و نصف مع اہل الرملۃ و ہم عشر کورد فلسطین تعدل الشام کلہا و فرق فلسطین علی رجلین فنزل کل واحد منہافی عملہ) ۲؎ تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲ جلد اول۔
۳؎ طبری ۲۶۴۷ و ابن خلکان صفحہ ۲۵۳۔

ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا' پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا۔ مثلاً عمار بن یاسر جس کوفے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہیں کے سپرد تھا' بحرین میں قدامہ بن مظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اس کے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے عمار کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو دس معزز آدمی ان کے اسٹاف میں دیئے۔ جن میں ایک قرظ خرجی بھی تھے۔ ۱

میر منشی قابل اور تقریر اور تحریر میں یکتا ہوتا تھا' ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا۔ جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اس کے علم کے نیچے آ جاتا۔

اضلاع میں بھی عامل' افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ ہوتے تھے' اور یہ سب گورنر کے ماتحت اور اس کے زیر حکومت کام کرتے تھے' پرگنوں میں غالباً صرف تحصیل دار رہتے تھے اور اس کے ساتھ اس کا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدہ داران کا انتخاب اور ان کی کاروائی کا دستور العمل بنانا تھا۔ کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانونی کتنا ہی مکمل ہو' لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدہ داران ملکی قابل لائق' راست باز اور متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے' ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا' انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی' کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی' یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے' اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ قرظ۔

سے واقفیت بہم پہنچائی تھی یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لیے اس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں چار شخص تھے جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے' امیر معاویہ' عمرو بن العاصؓ' مغیرہ بن شعبہ ا۔ زیاد بن سمیہ۔ حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے' اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے۔ اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائے۔ زیاد ان کے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا اس لئے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا۔ لیکن اس کی قابلیت اور استعداد کی بناء پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر کار بنائیں' فن حرب میں عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے۔ لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا۔ لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا' کیونکہ ہر شخص اپنا فن خوب جانتا ہے۔ ۲ عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے' ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔ آپ نے فرمایا اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "میں" یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے' آنحضرتؐ نے سنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے' ان کی اس قابلیت پر ان کو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میر منشی مقرر کیا۔

نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمرؓ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے باتفاق کہا کہ آپ کو جو واقفیت ہے' اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا' چنانچہ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "یہ انتخاب بالکل بجا ہے۔" عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے اور زہد و تقدس میں بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے' قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمرؓ

ا۔ اسد الغابہ تذکرہ مغیرہ بن شعبہ۔

۲۔ استیعاب قاضی ابن عبدالبر و طبری صفحہ ۲۶۱۷۔

نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا تو معزول کر دیا اور ان کے طرف داروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لیے موزوں نہ تھے' اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں' جن کا استقصاء نہیں کیا جا سکتا' کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے ان پرزوں کو حکومت کی کل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔

تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ "اگر لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا۔"[1] حضرت ابوبریہ نے کہا کہ "ہم آپ کو مدد دیں گے۔" لیکن اس وقت ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ "اے عمرؓ تم رسولؐ اللہ کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو۔" حضرت عمرؓ نے کہا۔ "میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں۔" ابو عبیدہؓ نے کہا۔ "اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں بیش مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں۔[2]" غرض حضرت عمرؓ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیانتدار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور ان کو ملکی خدمتیں سپرد کیں۔

عہدہ داروں کے مقرر کرنے کے لیے مجلس شوریٰ

اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا' چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے سے ہوا تھا' بعض اوقات صوبے یا ضلعے کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ قابل ہو' اس کا انتخاب کر کے بھیجو چنانچہ انہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے' عثمان بن فرقد' معن بن یزید' حجاج بن علاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے چنانچہ ہم اس کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

تنخواہ کا معاملہ

ایک وقت یہ تھا کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ اصل عبارت یہ ہے ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال اذالم تعینونی فمن یعیننی الخ۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۳۔

نہیں کرتے تھے اور اس کو زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہ اسی طرح جس طرح آجکل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرہ لیں تو ان کو نہایت ناگوار ہو گا لیکن نذر و نیاز کے نام سے جو رقمیں ملتی ہیں اس سے ان کو احتراز نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے۔ لیکن یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف تھا' اس لئے حضرت عمرؓ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں۔ ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہؓ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا۔۱ تو حضرت عمرؓ نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا۔ حکیم بن حزام نے حضرت عمرؓ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی وظیفہ یا روزینہ لینا گوارا نہ کیا۔۲

عاملوں کے فرامین میں ان کے فرائض کی تفصیل

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اس کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا۔ جس میں اس کی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔۳۔ اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی' عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا' کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اس کے متعلق خطبے دیئے' ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا۔ عاملوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

الاوانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمته الهدی یهتدی بکم فادوا علی المسلمین حقوقهم ولا نضر بوهم فتذلوهم ولا	یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے' بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو' ان کو زدوکوب

۱طبری صفحہ ۲۵۷۔ ۲کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۳۲۲۔ ۳طبری صفحہ ۲۷۴۷' اسد الغابہ (تذکرہ حذیفہ بن الیمان) سے بھی تصدیق ہوتی ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں: کان عمر اذا استعمل عاملا کتب عهدته قد بعثت فلانا وامرته افلما اقدم المدائین استقبله الدهاقین فلما قرء عهدته

تحملوهم فتفتنوهم ولا تغلقوا الابواب دونهم فیاکل قویهم صغیفهم ولا تستاثروا علیهم فتظلموهم۔

نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں' ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں' ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ ایک گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے۱ تھے۔ جس سے یہ مقصد تھا کہ جس شخص کو مقرر کیا جاتا ہے اس کی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے۔

عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہو گا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھناؤ آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۲۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔

عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا۔ اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور اگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۳۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے سب کی موجودات کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر دیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں۔

ابلغ امیر المومنین رسالته	فانت امین الله فی المال والامر
فلا تدعن اهل الرساتیق والقری	یسیغون مال الله فی الادم الوفر
فارسل الی الحجاج فاعرف حسابه	وارسل الی جزو ارسل الی بشر

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۶ میں ہے کان عمر اذا استعمل رجلا شهدا علیه رهطا من الانصار۔

۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔ ۳۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ میں ہے کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عماله اذا ولاهم ثم یقاسمهم مازاد علی ذلک۔

ولا تنسين النافعين كليهما — ولا ابن غلاب من سراة بنی نصر
وما عاصم منها لصفر عيابه — وذلک الذی فی السرق مولی بنی بدر
وشیلا فسل المال و ابن محرش — فقد کان فی اهل الرساتیق ذادکر
نوئدب اذا ابو وفعرواذا غزوا — فانی لهم دفرٌ ولسنا اولی وفر
اذا التاجر الباری جاء بقارة — من المسک راحت فی مفارقهم تجری

زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں حج کی تقریب سے پہلے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایات ہو تو پیش کرے[1]۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر ان کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ "صاحبو! عمال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ تم کو طمانچے ماریں یا تمہارا مال چھین لیں بلکہ میں ان کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو۔ تاکہ میں اس کا انتقام لوں۔" عمرو بن العاصؓ نے جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ "اگر کوئی عامل ادب دینے کے لیے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اس کو سزا دیں گے؟" حضرت عمرؓ نے کہا۔ "اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا' کیونکہ میں نے خود رسولؐ اللہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے' خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق تلف نہ کرو۔ ورنہ وہ کفران نعمت پر مجبور ہوں گے۔

ایک دفعہ حسب معمول تمام عامل حاضر تھے ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔ "حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سو کوڑے لگائے۔ عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمال پر گراں ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔"

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۶۸۰ میں ہے و کان من سنته عمرو سیرته یا خذ عماله بموافاة الحج فی کل سنته للسیاسته ولحجرهم بذلک عن الرعیته ولیکون لشکاة الرعیته وقتا وغایته ینهر نها فیه الیه ۱۲

عمروبن العاص نے منت کر کے مستغیث کو اس پر شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔۱۔

عاملوں کی تحقیقات وقتاً" فوقتاً" عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں ان کی تحقیقات کے لیے ایک خاص عہدہ قائم کیا جس پر محمد بن مسلمہ انصاری مامور تھے' یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے' تمام غزوات میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے' ایک دفعہ رسولؐ اللہ ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے' ان وجوہ سے حضرت عمرؓ نے ایسے بڑے کام کے لیے انہیں کو انتخاب کیا' جس کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے۔۲۔ اور موقع پر جا کر مجامع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ ۲۱ھ میں سعد بن ابی وقاصؓ جنہوں نے قادسیہ کی مہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر نہاوند کے قریب آ پہنچے تھے مسلمانوں کو سخت تردد تھا اور ان کے مقابلے کے لیے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں۔ عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پر خطر وقت ہے تاہم یہ تردد مجھ کو سعد بن ابی وقاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے اظہار لئے اور سعد بن ابی وقاصؓ کو ساتھ لے کر مدینہ میں آئے یہاں حضرت عمرؓ نے خود ان کا اظہار لیا۔۳۔

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۲۔ ۲۔ اسد الغابہ تذکرہ محمد بن مسلمہ میں ہے وھو کان صاحب العمال ایام عمر کان عمر اذا شتکی الیہ عامل ارسل محمداً الکشف الحال وھو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ شطر اموالھم طبری نے مختلف مقامات میں تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے۔

۳۔ یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۶۰۶ تا ۲۶۰۸ میں ہے صحیح بخاری میں بھی اس واقعے کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اول صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ میرٹھ۔

کمیشن بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں بعض اوقات ابتداً عامل کو مدینہ بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور یہ اکثر اس وقت ہوتا تھا جب کہ عامل صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا اور ابو موسیٰؓ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کی' الزامات یہ تھے۔

۱۔ ابو موسیٰؓ نے اسیران جنگ میں ۲۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لیے رکھے ہیں۔
۲۔ ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں آ سکتی۔
۳۔ کاروبار حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سفید کا مالک ہے۔

تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا۔ تیسرے الزام کا ابو موسی نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست و تدبیر کا آدمی ہے اس لئے میں نے اس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے حضرت عمرؓ نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا' اس لئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں۔ دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسی کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی ان سے چھین لی گئی۔ (طبری صفحہ ۲۷۱۰ تا ۲۷۱۲)

عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی۔ خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا' سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اس کے دربار میں بار نہیں پاتا وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۶۶)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ "عمرؓ کیا عاملوں کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الہی سے بچ جاؤ گے'؛ تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے۔" حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے اس ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے کرتہ اتروا کر کمل کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ "جنگل میں لے جا

کر چراؤ۔"

عیاض کو انکار کی تو مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "تجھ کو اس سے عار کیوں ہے' تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا۔" غرض عیاض نے دل سے توبہ کی' اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔ (کتاب الخراج صفحہ ٦٦)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا۔ جس میں ڈیوڑھی بھی تھی حضرت عمرؓ نے اس خیال سے اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہو گا۔ محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد بن ابی وقاص چپکے دیکھتے گئے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت و ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے لیکن حقیقت یہ ہے' کہ حضرت عمرؓ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست و باز و یعنی ارکان سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں۔ عام آدمیوں کو اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں' ان کے افعال کا اثر بھی انہیں تک محدود رہے گا۔ لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرز معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں۔ اس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ باسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں پولٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں مساواۃ اور عدم ترجیح جس کو آج کل اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں' عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہو گی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت سے زیادہ کامیاب ہو گی یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے' ورنہ امیر معاویہ' شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے' اور حضرت عمرؓ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے' شام کے سفر میں حضرت عمرؓ نے ان کے خدام و حشم کو دیکھ کر اس قدر کہا اکسرانیہ یعنی یہ نوشیروانی جاہ و جلال کیسا؟ مگر جب انہوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا رعب و داب نہیں قائم ہو سکتا۔ تو حضرت عمرؓ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راست بازی کے قائم رکھنے کے لیے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں' یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں' جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے حضرت عمرؓ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا تاہم تنخواہ میں عالی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ' چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔ (استیعاب قاضی ابن عبدالبرو ازالتہ **الخفاء** ج دوم ص ۷۱)

اب ہم عمالان فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پرزے استعمال کئے تھے۔

نام	مقام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابو عبیدہؓ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں
یزید بن ابی سفیانؓ	"	"	تمام بنو امیہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا۔
امیر معاویہؓ	"	"	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاصؓ	مصر	"	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاصؓ	کوفہ	"	آنخضرتؐ کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوانؓ	بصرہ	"	مہاجرین میں سے ہیں' بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابو موسی اشعریؓ	"	"	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسیدؓ	مکہ مکرمہ	"	آنخضرت نے ان کو مکہ مکرمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبدالحارثؓ	"	"	فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاصؓ	"	"	ابو جہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاصؓ	طائف	"	آنخضرت کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما تھا۔
یعلی بن امیہؓ	یمن	"	صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام

رکھتے تھے۔

علاء بن الحضرمیؓ	یمن	”	بڑے صاحب اثر تھے، آنحضرتؐ نے ان کو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمانؓ	مدائن	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیفؓ	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
عیاض بن غنمؓ	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا تھا۔
عمر بن سعدؓ	حمص	”	حضرت عمرؓ ان کی نہایت عزت کرتے تھے
حذیفہ بن الیمانؓ	مدائن	”	مشہور صحابی اور آنحضرتؐ کے راز دار تھے۔
نافع بن عبدالحارثؓ	”	”	بڑے خاندان کے آدمی تھے۔
خالد بن حرث دہمانی	اصفہان	افسر خزانہ	
سمرة بن جندبؓ	سوق الاہواز	”	اکابر صحابہ میں ہیں۔
نعمان بن عدیؓ	میسان	”	صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔
عرفجہ بن ہرثمہؓ	موصل	کمشنر مالگزاری	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

صیغہ محاصل

خراج

خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا

خراج کا نظم و نسق

عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا، اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیئے تھے، لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام اچھا جانتے ہیں۔ اس لئے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے جناب رسولؐ اللہ نے ان کی درخواست منظور کرلی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے ان کی زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے

لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا۔ بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمرؓ کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی ۱۶ھ میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا اور اس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا۔ تو حضرت عمرؓ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلہ فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دے دیا جائے حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے ساتھ سعد بن وقاصؓ کو وہاں کی مردم شماری کے لیے حکم دیا تھا' سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا' تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمرؓ کی یہ رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔۱ لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ اہل فوج کے ہم زبان تھے حضرت بلالؓ نے اس قدر کد کی کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا اللھم اکفنی بلالا یعنی "اے خدا مجھ کو بلال سے نجات دے۔" حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری' بیرونی حملوں کی حفاظت' ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پا سکتی ہیں۔" چونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا جمہوری طریقہ تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا اس لئے عام اجلاس ہوا جس میں تمام قدماء مہاجرین اور انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار' وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔۲ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔

حضرت عمرؓ کا استدلال

حضرت عمرؓ کو دفعتہ" قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو بحث کے نص قاطع تھی یعنی للفقراء المھاجرین الذین اخرجو من دیارھم واموالھم اس آیت کے اخیر فقرے والذین جاؤ من بعد ھم سے حضرت عمرؓ نے یہ

۱۔ طبری ۲۴۶۷ و فتوح البلدان صفحہ ۲۶۶ کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔ ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۱۴

استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔

حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت پرزور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اٹھے کہ بے شبہ آپ کی رائے بالکل صحیح ہے۔" اس استدلال کی بنا پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کے ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بیدخل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمرؓ نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مال گزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر ایک قسم کی مزروعہ زمین پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے۔ جو تین قسطوں میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا اور نوشیروان نے اس کی تکمیل کی تھی نوشیروان تک تعین لگان میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ لیکن خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا اور یزدگرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں [1] حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لئے چونکہ دیانت کے ساتھ مساحت سے واقف ہونا ضرور تھا۔ اور عرب میں اس قسم کے فنون اس وقت تک رائج نہ تھے۔ اس لئے فی الجملہ وقت پیش آئی۔ آخر دو شخص انتخاب کئے گئے۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ

افسران بندوبست

یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے

---

[1] کتاب الاوائل ذکر اول من غیر سنۃ ساسان و ذکر امن وضع الخراج۔

کہ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیائش کی۔ جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پیائش کا پیمانہ خود اپنے دست مبارک سے تیار کر کے دیا۔ کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیائش کا کام جاری رہا۔

عراق کا کل رقبہ کل رقبہ طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۲۴۰ یعنی کل ۳۰۰۰۰ میل مکسر ٹھہرا اور پہاڑ صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندان شاہی کی جاگیر' آتش کدوں کے اوقاف' لاوارثوں اور باغیوں کی جائیداد وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص تھیں۔ دریا برآورد۔۸ جنگل۔ ان تمام زمینوں کو حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دے کر ان کی آمدنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ (۷۰۰۰۰۰۰) تھی رفاہ عام کے کاموں کے لیے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو دے دی گئی اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کی شرح

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگھ پختہ	۲ درہم سال
جو	"	۱ درہم سال
نیشکر	"	۶ درہم سال
روئی	"	۵ درہم سال
انگور	"	۱۰ درہم سال
نخلستان	"	۱۰ درہم سال
تل	"	۸ درہم سال
ترکاری	"	۳ درہم سال

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا۔ یعنی گیہوں پر فی جریب ۴ درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے۔

عراق کا خراج افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو۔ دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیائش کے مہتمم

مختلف لیاقت کے تھے۔ اس لئے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا۔ تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی۔ اس سے زیادہ مالکان اراضی کے لیے چھوڑ دیا گیا' حضرت عمرؓ کو ذمی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ "نہیں۔ بلکہ ابھی اس قدر اور گنجائش ہے" (کتاب الخراج)

زمیندار اور تعلقہ دار جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی حالت اسی طرح قائم رہنے دی اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔

جس خوبی سے بندوبست کیا گیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نوشیراں کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعتہ" زراعت کی پیداوار میں ترقی ہو گئی۔

پیداوار اور آمدنی میں ترقی چنانچہ بندوبست کے دوسرے ہی سال اخراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالہائے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا' اس پر بھی حضرت عمرؓ کو یہ احتیاط تھی کہ ہر

ہر سال مالگزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔[1]

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن جس قدر مالگزاری ان کے عہد میں وصول ہوئی۔ زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ اصل عبارت یہ ہے ان عمر الخطاب کان یحیی من العروق کل سنته ماته الف الف اوقیته ثم یخرج الیه عشرة من اهل الکوفته و عشرة من اهل البصرة یشهدون اربع شهادات باللہ انه من طیب مافیه ظلم مسلم ولا معاهد ۱۲۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جس قدر خراج وصول ہوا زمانہ مابعد میں کبھی نہیں ہوا

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ حجاج پر خدا لعنت کرے کمبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ عمر بن الخطابؓ نے عراق کی مالگزاری ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی۔ زیاد نے ۱۰ کروڑ ۱۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر و ظلم کے صرف ۲ کروڑ ۸ لاکھ وصول کئے۔[۱] مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لیے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کروڑ ۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا' یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی' یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر

خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا

فارسی میں' شام کا رومی میں' مصر کا قبطی میں تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی۔ یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی' چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا۔ ٹالو میز (بطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا اور رومن ایمپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقہ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیئے تھے۔

مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد مالگزاری

۱۔ خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقوں سے وصول کیا جائے۔

۲۔ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر اس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔

۳۔ بندوبست چار سالہ ہو۔[۲]

رومیوں کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ مصر سے غلہ کی ایک مقدار کثیر پائے

۱۔ معجم البلدان ذکر سوار۔ ۲۔ پروفیسر FAVAN BERGHOM نے ایک کتاب (حاشیہ جاری)

تخت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے یہیں سے غلہ جاتا تھا۔ جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا' حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیئے۔ ¹

حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی یورپ کے مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی۔ چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا' اسی اصول کے موافق بھیجا گیا' لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حرمین کے لیے جو گلہ بھیجا جاتا تھا خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اس کی تصریح کی ہے۔ ² حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لیے غلے کے کھیتوں کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر میں وصول مالگزاری کا طریقہ حضرت عمرؓ نے مال گزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی۔ مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار' دریائے نیل کی طغیانی پر ہے۔ اور چونکہ اس کی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چند سالوں کے اوسط کے حساب اس لئے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے ان کا کام چل سکے۔

بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں مال گزاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب

فرنچ زبان میں مسلمانوں کے قانون مالگزاری پر لکھی ہے یہ حالات میں نے اسی کتاب سے لئے ہیں آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے آئیں گے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے

LA PROPRIETE TERRITORIAL' IMPOT FONCIER SONS LES PREMIERS CALIFES

¹ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶۔ ² مقریزی جلد اول صفحہ ۷۹۔

مال گزاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار اور عراف طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا۔ جس میں مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے یہ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں پر پھیلا دی جاتی پیداوار جو ہوتی تھی اس میں اول گرجاؤں اور عمالوں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ نکال لیا جاتا تھا۔ باقی جو بچتا تھا اس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی۔ ہر گاؤں پر جمع تشخیص ہوتی تھی پڑتے سے اس کا ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا[1]۔

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضی تھا اور مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین ارب غلہ قرار دی گئی اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

مصر کا کل خراج اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا' اس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی جس کے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی۔ خراج اس کے علاوہ تھا۔ ابو حوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیے میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کئے تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پہلے سال ۲۰ کروڑ وصول کئے تھے' عمرو بن العاص سے باز پرس کی'' یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور نہ تھا۔ اس لئے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مورخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام ماقبل

---

[1] مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۷ علامہ بشاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ ۲۱۲ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے اسی تعداد کا نام لیا ہے بہرحال حضرت عمرؓ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی زمانہ مابعد میں کبھی اس حد تک نہ پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوا۔

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں ہشام بن عبدالمالک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری تو ۳۰ لاکھ سے چالیس لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمان کے زمانے میں عبداللہ بن سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار وصول کئے تھے۔ لیکن جب حضرت عثمان نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا[1]۔ تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ "ہاں! لیکن بچہ بھوکا رہا۔" امیر معاویہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے۔ ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ[2] دینار تھی۔ فاطمین کے عہد میں خلیفہ المعزالدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دوگنی کر دی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ[3] ہوئے۔

شام شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے مقبوضہ میں قائم کیا تھا' اس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے۔ اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کئے تھے۔ یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا' اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری[4] تھا۔ قرائن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی کل تعداد ایک کروڑ ۴۰ لاکھ دینار یعنی ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے تھی۔

عراق' مصر اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس' کرمان' آرمینیہ وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے مورخین ان ملکوں کے

---

[1] دیکھو مقریزی صفحہ ۱۸ جلد اول۔ [2] معجم البلدان ذکر مصر۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۷۴' ۷۵۔
[3] کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔ ابن حوقل ذکر مصر۔
[4] دیکھو پروفیسر برخیم فرانسیسی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مالگزاری پر۔

حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا- کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اس کی تعداد لکھ دی ہے باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اس لئے ہم بھی اس کی چنداں پروا نہیں کرتے۔

قانون مالگزاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑتی ہے کہ اس صیغہ میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں- سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغہ میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعتہ" نہایت ترقی کر گئی' یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون اور بالکل جابرانہ تھا' مٹا دیا- رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ اراکین دربار کو دے دیں- کچھ شاہی جاگیریں قرار پائیں- کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں- اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالک زمین ان کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے- اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں- لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے متمتع ہونے کے لئے رومی زمینداروں سے اعانت لینی پڑتی تھی' اس بہانے سے زمیندار خود زمین پر متصرف ہو جاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا- یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا- بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا-

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا- رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے اور جو رہ گئے ان کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی- حضرت عمرؓ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے- باشندگان ملک کے حوالے کر دیں اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جاتیں قاعدہ بنایا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے- یعنی مالکان اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے- یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا- چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی- تو بڑے بڑے

پیشوایان مذہب مثلاً امام مالک' نافع بن یزید بن البیعہ نے ان پر سخت اعتراض کیا۔[1] حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے۔" یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک عطفی ایک شخص نے مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے اس کو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت[2] ہو۔"

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا۔ جس کی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی۔ کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی۔ دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی اس لئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدو ان کی برابری نہیں کر سکتے تھے سب سے بڑھ کر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا۔ فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج مال گزاری کے معاملے کو بہت دخل ہے رومن سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا۔ مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا۔ مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی دمشق اور حمص میں عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ "ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی۔ یعنی ان کو زراعت اور فلاحت سے روک دیا۔ درحقیقت اس سے حضرت عمرؓ کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے عرب کے اصلی جوہر دلیری' بہادری' جفاکشی' ہمت' عزم اسی وقت تک قائم رہے' جب تک وہ کاشتکاری اور زمینداروں سے الگ رہے جس دن انہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا اسی دن یہ تمام اوصاف بھی ان سے رخصت ہو گئے۔

---

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۷۔ [2] حسن المحاضرہ صفحہ ۹۳۔

بندوبست مال گزاری میں ذمیوں سے رائے لینا اس معاملے میں ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمرؓ نے برتا یہ تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں ذمی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے، عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی ہوں۔[1] پیائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور ان کے اظہار[2] لئے۔

اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اظہار[3] لیا۔ یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا۔ اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مقید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے جس کا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ترقی زراعت بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے گا۔ اس کی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضے سے نکل جائے گی" اس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لئے اشتہار دے دیا کہ واپس آ جائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے۔ زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے آ کر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی آپؐ کی فوج ادھر سے گزری اور اس کو برباد کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔[4] تمام ممالک مفتوح

1۔ کتاب الخراج۔ 2۔ کتاب الخراج صفحہ ۵۔

3۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۷۴، ۷۵۔ 4۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔

میں نہریں جاری کیں۔ اور بند باندھے۔

محکمہ آبپاشی تالاب تیار کرانے۔ پانی کی تقسیم کرنے کے دہانے بنانے نہروں کے شعبے نکالنے اور اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا' علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ (مقریزی ص ۷۶ ج اول) خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزر بن معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں۔ جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سینکڑوں نہریں تیار ہوئیں جس کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

خراجی اور عشری نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان اوپر گزر چکا۔ عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھی اور جس کے اقسام حسب ذیل ہوتے تھے۔

ا۔ عرب کی زمین جس کے قابضین اوائل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

۲۔ جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھیں مثلاً لاوارث مر گیا یا مفرور ہو گیا یا بغاوت کی یا استعفیٰ دے دیا۔

۳۔ جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اس کو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ زکوۃ کی مد میں داخل تھا۔ اسلئے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوۃ مقرر تھی۔ جس کی مقدار اصل پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا تھا یہ شرح خود جناب رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہی حضرت عمرؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اگر وہ زمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں تو ان پر خراج مقرر کر دیا چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبداللہ بن مسعودؓ و خباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا کنواں کھود کر اسکی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایۃً عشر مقرر کیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج صفحہ ۳۵ تا ۳۷)

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی نا انصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں۔ مثلاً مویشی پر زکوٰۃ۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ۔ روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولوں سے بالکل مستثنیٰ تھے اس بنا پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی، یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھیں اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا' اس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتیں تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج و عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے' وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ' عشور' جزیہ' مال غنیمت کا خمس' زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی' اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی یہاں تک کہ بھیڑ' بکری' اونٹ سبھی پر زکوٰۃ تھی۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام خود جناب رسولؐ اللہ کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔

گھوڑوں پر زکوٰۃ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو اضافہ ہوا یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا لیکن اس سے عیاذاً" باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسولؐ اللہ کی مخالفت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا۔ آنحضرتؐ کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ نہیں تھی۔ بہر حال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی اور اول حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔

عشور عشور خاص بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو

غیر ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابو موسی اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ منج کے عیسائیوں نے جو اس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمرؓ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا یعنی حربیوں سے دس فی صد' ذمیوں سے پانچ فی صد' مسلمانوں سے اڑھائی فی صد لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قائم کر دیا۔ جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اس کی درآمد برآمد کی معیاد سال بھر تھی۔ یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے' اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا' یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا' حضرت عمرؓ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

صیغہ عدالت

محکمہ قضاء یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت' انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے۔ مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضاء کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا۔ ہر صیغے کا اجراء رعب و داب کا محتاج رہتا ہے اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسی اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص باثر اور صاحب عظمت نہ ہو' قاضی نہ مقرر کیا جائے۔ بلکہ اسی بناء پر عبداللہ بن مسعودؓ کو فصل قضایا سے روک لیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضاء کا صیغہ بالکل الگ کر دیا اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے اس کے ساتھ قضاء کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسی اشعریؓ گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اس کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں ۔۱۔ رومن ایمپائر کے دوازدہ گاہ قواعد ۲ جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کئے جاتے ہیں اور جن کی نسبت سیسر روم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام فلاسفروں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔

ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر

حضرت عمرؓ کا فرمان بعبارتہا ذیل میں درج ہے۔

اما بعد فان القضاء فریضة محکمة وسنة متبعة سوبین الناس فی وجھک و مجلسک وعدلک حتی لا یایس الضعیف من عدلک ولا یطمع الشریف فی حیفک البینة	خدا کی تعریف کے بعد قضا ایک ضروری فرض ہے لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور، انصاف سے مایوس نہ ہو اور روادار کو تمہاری رو رعایت کی امید نہ پیدا ہو۔ جو شخص دعویٰ

(حاشیہ گذشتہ صفحہ) ۔۱ اخبار القضاہ لمحمد بن خلف الو کیع۔

۔۱ اس فرمان کو علامہ ابو اسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں اور علامہ بیہقی و ماوردی و جاحظ و ابن عبد ربہ اور بہت سے محدثین و مورخین نے نقل کیا ہے۔

۔۲ ۴۵۱ قبل مسیح رومن ایمپائر نے یونان میں سفرا بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئین اور سلطنت کے لئے ایک مستقل قانون بنائیں، یہ سفیر یونان گئے اور وہاں سے واپس آکر ایک دستور العمل تیار کیا، جس میں بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے۔ یہ تمام قواعد سیسہ کی تختی پر کندہ کئے گئے اور مدت تک رومن ایمپائر کا وہی قانون رہا۔ اس میں صیغہ قضاء کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) جب تم عدالت میں طلب کئے جاؤ۔ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔ (۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جاوے (۳) مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اس کو پکڑ سکتے ہو۔ (۴) مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو تم اس کو سواری دو۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

علی من ادعی والیمین علی من انکر والصلح جایز الا صلحا احل حراما وحرم حلالا لا یمنعک قضاء قضیة بالامس فراجعت فیه نفسک ان ترجع الی الحق الفهم الفهم فیما یختلج فی صدرک مما لم یبلغک فی الکتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلک و اجعل لمن ادعی بینة امدا ینتهی الیه فان احضر بینة اخذت له بحقه والا وجهت القضاء علیه والمسلمون عدول بعضهم علی بعض الا مجلودا فی حد او مجربا فی شهادة الزور اوظنینا فی ولاء او وراثة۔

کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر قسم۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام۔ حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو جس مسئلے پر شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو پھر قیاس لگاؤ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک میعاد مقرر کرو اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ۔ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثنا نے۔ ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں درے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دے ہو یا ولا اور وارثت میں مشکوک ہوں۔

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

۲۔ بار ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

۳۔ مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔

۴۔ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح

(گذشتہ حاشیہ) ورنہ اس پر حاضری کے لئے جبر نہیں کیا جا سکتا' (۵) مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اس کو چھوڑ دو۔ (۶) دولت مند کا ضامن دولت مند ہونا چاہیے۔ (۷) جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیے۔ (۸) جج صبح سے دوپہر مقدمہ سنے گا۔ (۹) فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہو گا۔ (۱۰) مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔ (۱۱) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو ان کو ضامن دینا چاہیے۔ (۱۲) جو شخص گواہ پیش نہیں کر سکتا۔ مدعا علیہ کے دروازے پر اپنے دعوے کو پکار کر کہے۔ یہ وہ قواعد ہیں جن کو یاد کر کے یورپ رومن ایمپائر پر ناز کرتا ہے۔

نہیں ہو سکتی ہے۔

۵۔ قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

۶۔ مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہیے۔

۷۔ تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یک طرفہ فیصل کیا جائے گا۔

۸۔ ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

صیغہ قضاء کی عمدگی یعنی فصل خصوصیات میں پورا عدل و انصاف ان باتوں پر موقوف ہے۔

۱۔ عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔

۲۔ قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔

۳۔ وہ اصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل خصومات میں رو رعایت نہ کرنے پائیں۔

۴۔ آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا۔ تاکہ مقدمات کے انفصال میں ہرج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید موجود تھا۔ البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں' اس لیے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی۔ قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث' اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔[۱]

۱۔ کنز العمال صفحہ ۱۷۴ جلد ۳ مسند داری میں بھی یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اس کی اصلی عبارت یہ ہے۔ عن شریح ان عمر ابن الخطاب کتب الیہ ان جائک شئی فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جائک مالیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ فاقض بھا فان جائک مالیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنۃ رسول اللہ

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور مبہم مسائل کے متعلق فتاوے لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر ان کو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصاء نہیں کر سکے اگر کوئی چاہے تو کنزالعمال اور ازالتہ الخفا وغیرہ سے کر سکتا ہے اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاوے مذکور ہیں۔

قضاۃ کا انتخاب قضاۃ کے انتخاب میں احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں منتخب تھے۔ پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابت تھے جو رسول اللہ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے امام ابن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہیں ۔ا۔ فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو منجملہ ان پانچ شخصوں کے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام قرآن مجید حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمرؓ ان کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہؓ نے ان کے ساتھ ایک موقعہ پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو امیر معاویہؓ کی ماتحتی سے الگ کر لیا۔۲۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ کے حکام عدالت کوفہ کے قاضی عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ جن کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد ۱۹ھ میں قاضی شریح مقرر ہوئے وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے لیکن اس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے حضرت علیؓ ان کو اقضی العرب کہا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کے سوا

ولم يتكلمه فيه احد قبلک فاختر ای الامرين شئت ان شئت ان تجتهد برايک ثم تقدم وان شئت تتاخر فتاخر ولا اری التاخر الاخير الک۔

۱۔ اخبار القضاۃ میں ہے ان عمر استعمل زيدا على القضاء و فرض له رزقا۔

۲۔ دیکھو اسد الغابتہ فی احوال الصحابہ۔ واستیعاب قاضی ابن عبدالبر تذکرہ کعب بن سور الازدی۔

جمیل بن معمر الجمحی، ابو مریم الحنفی، سلمان ربیعہ الباہلی، عبدالرحمن بن ربیعہ، ابو قرۃ الکندی، عمران بن الحصین جو حضرت عمرؓ کے زمانے کے قضاۃ ہیں ان کی عظمت و جلالت شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا قاضی۔ اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا۔ اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا۔ تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے، انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ اس پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے کہ کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔۱۔ کعب بن سورالازدی کے ساتھ بھی اس قسم کا واقعہ گذرا۔ ناجائز وسائل آمدنی کے روکنے کے لیے بہت سی بندشیں کیں۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل (۱) تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعیۃ اور قاضی شریح کی تنخواہ پان پان سو درہم ماہوار تھی۔۲۔ اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

(۲) قاعدہ مقرر کیا۔ کہ جو شخص دولت مند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ بیان کی کہ "دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہو گا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی رعب و داب کا اثر نہ ہو گا"۔۳

۱۔ کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ۔ ۲۔ فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۷۔
۳۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی دیوان عدالت میں شاہ و گدا' امیر و غریب' شریف و رذیل سب ہم رتبہ سمجھے جائیں حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربہ اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے ایک دفعہ ان میں اور ابی ابن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ کہہ کر ابی کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ برابر نہ ہوں تم منصب قضاء کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔"

قضاۃ اور ان کی کاروائیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اصول اختیار کئے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ بنوامیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے ہیں علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی برد تھے (یہ بنو امیہ کے زمانے میں تھے)

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع قاضی سے خالی نہیں تھا۔ اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصل کر لیا کریں اس لئے اسلامی عدالتوں میں ان کے مقدمات کم آتے تھے اور اس بناء پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہرحال کافی تھا۔

ماہرین فن کی شہادت

صیغہ قضاء اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان ان کے اجتہادات کے ذکر میں آئے گا۔ ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی۔ یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا۔ اس میں

خاص اس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا مثلاً حطیہ نے زبرقان بن بزر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی زبرقان نے حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ درج کیا۔ چونکہ یہ شعرو شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور ان کی رائے ے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں حلیہ شناسوں کے اظہار لیے چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کئے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور داد رسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے اور داد خواہوں کو دعوی سے باز آنا اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی اور حضرت عمرؓ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔

عدالت کا مکان یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لیے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا۔ کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیم اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا۔ عدالت کے دروازے پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور متبذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں تاکہ اظہار مدعا میں اس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

محکمہ افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیے کہ قانون سے واقف ہے۔ یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہیں آ سکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں

جاننا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زور دیا ہے۔ بے شبہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ قوموں نے اس کے لیے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی۔ یورپ میں تعلیم اس قدر ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اس کے لیے کوئی تدبیر نہیں لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون داں یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا' اور اس لئے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا یہ طریقہ آغاز اسلام میں خودبخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا زمانہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی اسی طریقے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتاء کے لئے نامزد کر دیئے جائیں تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے حضرت عمرؓ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انہوں نے افتاء کی اجازت دی مثلاً حضرت علیؓ۔ حضرت عثمانؓ معاذ بن جبلؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ ابو ہریرہؓ اور ابودرداءؓ وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں "سابق وعظ و فتوئے موقوف بود' برارائے خلیفہ وعظ می گفتند و فتویٰ می دادند۔" (ص ۱۳۰)

تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی انہوں نے فتوے دیئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا۔ (مسند داری و ازالۃ الخفاص ۱۳۰) بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے حضرت ابوہریرہؓ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتویٰ دیا؟ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔"

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے' اس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلان عام کا

کوئی ذریعہ نہ تھا' حضرت عمرؓ نے بارہا اس کا اعلان کیا' شام کے سفر میں بمقام جابیہ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔

من اراد القران فلیات ابیا ومن ارادان یسائل الفرائض فلیات زیدا ومن ارادان یسال عن الفقه فلیات معاذا۔

یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہیے ہے تو معاذ کے پاس جائے۔

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے مقدمات فوجداری کے لئے حضرت عمرؓ نے کوئی جدا محکمہ قائم نہیں کیا۔ بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا اور سرقہ۔ قضاۃ کے ہاں فیصل ہوتے تھے اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام احداث تھا۔ چنانچہ افسران پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ بحرین پر حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعونؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کو مقرر کیا۔

قدامہ کو تحصیل مالگزاری کی خدمت دی اور حضرت ابو ہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دوکاندار ترازو میں دھوکہ نہ دینے پائیں کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لئے ہر جگہ اہل کار اور افسر مقرر تھے۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا۔ یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں کنزالعمال میں جہاں ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا۔ وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے جیل خانے کی ایجاد کا یہ فعل عہدہ احتساب کا ماخذ ہے۔"

جیل خانہ کی ایجاد اس صیغے میں حضرت عمرؓ کی ایجاد یہ ہے کہ جیل خانے بنوائے' ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں حضرت عمرؓ۔نے اول مکہ مکرمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیل خانہ بنایا (مقریزی جلد دوم صفحہ ۱۸۷) پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ "علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ

نرسل سے بنا تھا۔ (فتوح البلدان صفحہ ۴۶۳) اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے' اور جیل خانے میں بھجواتے تھے۔

جیل خانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں تبدیلی ہوئی مثلاً ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

جلاوطنی کی سزا جلا وطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔ (اسد الغابہ ذکر ابو محجن ثقفی)

بیت المال (یا) خزانہ

بیت المال پہلے نہ تھا یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا۔ جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ مال غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا۔ چنانچہ پہلے سال دس دس درہم اور دوسرے سال بیس بیس درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۵ھ میں حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر بحرین سے آئی ہے آپ لوگوں کی مرضی ہے؟

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا؟ حضرت علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کی سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے خلاف رائے دی۔ ولید بن ہشام نے کہا۔ میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔"

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دارالخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور چونکہ اس کی نگرانی اور حساب کتاب کے لیے نہایت قابل اور دیانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔

بیت المال کے افسر عبداللہ بن ارقمؓ کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے۔ خزانہ کا افسر مقرر کیا اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کئے جن میں عبدالرحمٰن بن عبید القاریؓ اور معیقب بھی[1] تھے۔ معیقب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ کے انگشتری بردار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانتداری اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دارالخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حرثؓ اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ خاص خزانے کے افسر تھے۔

بیت المال کی عمارتیں حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں کوفہ میں بیت المال کے لئے اول ایک محل تعمیر ہوا، جس کو روزابہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروان فارس کی عمارت سے آیا تھا۔ لیکن جب اس میں نقب کے ذریعے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ مسجد کی عمارت بیت المال سے ملا دی جائے۔ کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا چنانچہ سعد بن وقاصؓ کے حکم سے روزابہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا[2]۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ سے باغی ہو کر بصرہ میں

---

[1] کتب رجال میں معیقب کا دیکھو۔
[2] یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کوفہ میں ہے۔

آئے اور خزانہ پر قبضہ کرنا چاہا تو سیابجہ کے ۴۰ سپاہی خزانہ کے پہرے پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہؓ و زبیرؓ کے ارادے کی مزاحمت کی۔ سیابجہ کی نسبت اسی مورخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا۔[1]

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے اور ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی۔ باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھی بھیج دی جاتی تھی۔ "اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمرؓ کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے۔[2] یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی۔

جو رقم دارالخلافہ کے خزانے میں رہتی تھی مورخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے، کہ دارالخلافہ کے خزانے سے خاص دارالخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اس کی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمرؓ کو جو اہتمام تھا۔ اس کے متعلق تاریخوں میں بہت دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

پبلک ورک یا نظارات نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اس کا ترجمہ نظارات نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغے میں مفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں، سرکاری عمارات۔ نہریں۔ سڑکیں۔ پل۔ شفا

---

[1] فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۳ تا ۳۷۶۔

[2] عمرو بن العاص گورنر مصر کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ الفاظ تھے۔ فاذا حصل الیک وجمعتہ اخرجت عطاء المسلمین وما یحتاج الیہ ممالا بد منہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الی کنزالعمال بحوالہ ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۴۳۔

خانے حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کے لئے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفا خانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لئے حضرت عمرؓ نے جس قدر نہریں تیار کرائیں ان کا مختصر حال ہم صیغہ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

حضرت عمرؓ نے جو نہریں تیار کرائیں

نہرابی موسی: یہ نہر ۹ میل لمبی تھی جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے انہوں نے نہایت پر اثر تقریر کی جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے۔ اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی چھ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت ابو موسی اشعری کے نام اس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جائے' چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں ملائی گئی جس کے ذریعہ سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

نہر معقل

نہر معقل۔ یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے اذاجاء نہر اللہ بطل نہر معقل یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسارؓ کے سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد

نہر سعد۔ اس نہر کے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد بن ابی وقاص (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی۔ سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا۔ انہوں نے بڑے اہتمام سے کام کرایا۔ لیکن کچھ دور تک پہنچ کر ایک پہاڑ بیچ میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا۔ تاہم نہر سعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

ا۔ فتوح البلدان ص ۳۵۶ '۳۵۷ میں اسکا حال تفصیل سے لکھا ہے جغرافیہ بشاری میں بھی اسکا ذکر ہے۔

نہر امیر المومنین سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمرؓ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸ھ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا اس لئے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی حضرت عمرؓ نے ان دقتوں پر خیال کر کے عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دار الخلافہ میں حاضر ہو جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل کو اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہو گا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا دقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی اس ذریعے سے جہاز دریائے نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جدہ پہنچ کر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منورہ کی بندرگاہ تھی۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے، کہ چھ مہینے میں بن کر تیار ہو گئی۔ چنانچہ پہلے ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا۔ اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کی بندرگاہ میں آئے یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز کے بعد عاملوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اٹ گئی۔ یہاں تک کہ مقام ذنب التمساخ تک آ کر بالکل بند ہو گئی۔ ۱۰۵ھ میں منصور عباسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اس کو بند کر دیا۔ لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔[۱]

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم و بحر قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے لیکن جب حضرت عمرؓ کو ان کے ارادے سے اطلاع

۱۔ یہ تفصیل حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۹۳، ۹۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۷۱ و جلد دوم صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۴ میں ہے۔

ہوئی تو نارضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑالے جائیں گے۔[۱]" اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

حضرت عمرؓ نے جو عمارتیں تیار کرائیں

عمارات جو حضرت عمرؓ نے تعمیر کرائیں تین قسم کی تھیں۔

۱۔ مذہبی جیسے مساجد وغیرہ ان کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے میں آئے گا' یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضتہ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

۲۔ فوجی' جیسے قلعے' چھاؤنیاں' بارکیں۔ان کا بیان فوجی انتظامات کے بیان میں آئے گا۔

۳۔ ملکی مثلاً دارالامارۃ وغیرہ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ دارالامارۃ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکام جہاں ان کا دفتر رہتا تھا۔ کوفہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

دفتر

۲۔ دیوان۔ یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

خزانہ

۳۔ بیت المال۔ یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا۔

قید خانے

۴۔ قید خانے۔ مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال صیغہ پولیس کے بیان میں گزر چکا بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ دارالامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔[۲]

مہمان خانے

۵۔ مہمان خانے۔ یہ مکانات اس لئے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لئے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا اس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے امر ان یتخذ لمن یرد من الآفاق

۱۔ تقویم البلدان ابو الفداء صفحہ ۱۰۶

۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۴۷

دارا ان کانوا ینزلونها ۔ا مدینہ منورہ کا مہمان خانہ ۱۷ھ میں تعمیر ہوا۔ چنانچہ ابن حبان نے کتاب الثقاۃ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ مابعد میں جو کچھ ہوا، ہوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور وہ لوگ اس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضگی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا۔۲ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائے گی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے شام فتح کیا تو شرائط صلح میں یہ امر بھی داخل تھا۔۳

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکہ مکرمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہ خلائق تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں جب مکہ مکرمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لے کر مکہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں۔ "از اں جملہ آنکہ سالے بقصد عمرہ بہ مکہ محترمہ توجہ فرمود نزدیک مراجعت امر فرمود تارد منازلے

۱۔ فتوح البلدان ۲۷۸۔ ۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۴۷۔

۳۔ کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہے وعلی ان علیهم ارشاد الضال و بناء القناطر علی الانهار من اموالهم تاریخ طبری واقعات ۱۶ھ صفحہ ۲۴۰ میں سڑک اور پل دونوں کا ذکر ہے۔

که مابین حرمین واقع اند سا یهادپنا ہا سازند و ہر جا یکہ اپنا شتہ شدہ باشد آں را پاک کنند و صاف نمایندو در منازل کم آب چاہہا اکنند تا جر حجاج باستراحت تمام قطع مراحل میسر شود۔"

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو جو خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئی ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے ان میں بصرہ کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی۔ نحو کے اصلی دارالعلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ میں ہی رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہو گا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں بحرفارس خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے' ایک شہر بسائیں زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمرؓ نے بتایا تھا' عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے۔

بصرہ جہاں اب بصرہ آباد ہے یہاں پہلے کف دست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان نہ تھا۔ عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی اور مختلف قبائل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو اتارنا مناسب ہو اتاریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جس کے ساتھ دفتر اور قید خانے کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا ۱۷ھ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ

نہ بنائے۔

بصرہ۱ سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے۔ چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمانہ حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوج رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اس کا اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتداء ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ آئمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ ایسی جگہ تلاش کرنا چاہیے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان و حذیفہؓ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کوفہ کی زمین انتخاب کی یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا۔ ان کا پائے تخت یہی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں۔ منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خدا العذراء یعنی عارض محبوب

۱۔ بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور یہاں کی زمین اسی قسم کی تھی لیکن معجم البلدان میں ایک مجوسی فاضل کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے اس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ بس راہ تھا۔ جس کے معنی فارس "بہت سے راستوں" کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں۔ اس لئے اہل عجم اس کو اس نام سے موسوم کرتے تھے اس کی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ آس پاس شاہان عرب نے جو عمارتیں تیار کرائی تھیں۔ اس کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے مثلاً خورنق جو دراصل خورنگاہ سے اور سدیر جو دراصل سہ در ہے۔

کہتے تھے کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان۔ شقایق۔ قیصوم۔ خزامی کا چمن زار تھا۔ غرض ۱۷ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ھیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰، ۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷، ۷ ہاتھ چوڑی ہوں جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی اس قدر وسیع تھی کہ اس میں ۴۰ ہزار آدمی آ سکتے تھے اس کے ہر چار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمارتیں اول گھاس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا جو نوشیروانی عمارات سے نکال کر لائے گئے تھے اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی یعنی ان کی تخمینی جو قیمت ٹھہری وہ ان کے جزیہ میں مجرا کی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا۔ جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا۔ جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی اور چونکہ حضرت عمرؓ کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی انہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے۔ چنانچہ روزبہ نامی ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزبہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی قدر دانی کی اور ہمیشہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں سلیم۔ ثقیف۔ ہمدان۔

بجیلہ- تیم اللات- تغلب- بنو اسد- نخع و کندۃ- ازورمزینہ- تمیم و محارب- اسد و عامر- بجالتہ جدیلۃ و اخلاط- جہینہ- مذحج- ہوازن وغیرہ وغیرہ-

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا- زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی- لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے ۶۴ھ میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے اور اہل یمن کے ۶ ہزار گھران کے علاوہ تھے-

زمانہ مابعد کی تعمیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تھا- تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اس کی بنیاد اب تک قائم ہے-

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتداء یہیں ہوئی یعنی ابوالاسودؒ دوئلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے- فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی امام ابو حنیفہؒ صاحب نے قاضی ابو یوسفؒ وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی- حدیث وفقہ اور علوم عربیت کے بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی- حماد- امام ابو حنیفہ- شعبی یادگار زمانہ تھے-[1]

فسطاط عمرو بن العاصؓ نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے ان کے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے اردہ کیا کہ اسی کو مستقر حکومت بنائیں چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی- حضرت عمرؓ دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے- بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اس لئے اس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا-

عمرو بن العاص اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے یہاں ان کا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا- جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے- چنانچہ

---

[1] کوفہ و بصرہ کے حالات طبری' بلاذری اور معجم البلدان سے لئے گئے ہیں-

اسی خیمے میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی ہر ہر قبیلے کے لئے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج شریک بن سمی- عمرو بن مخزم' حویل بن ناشرہ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں جس قدر محلے اس وقت تھے' اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی- عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اس کے قبلہ کی سمت متعین کی ان صحابہ میں زبیرؓ - مقدادؓ- عبادہؓ- ابو درداؓ اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے یہ مسجد ۵۰ گز لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی- تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دارالحکومت کے مقابل تھا- اور عمارتوں میں سات سات گز کا فاصلہ تھا-

عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمرؓ نے کے لیے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا یہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لئے اس کا نام فسطاط پڑا جس کے معنی عرب میں خیمہ کے ہیں- آبادی کا سن ۲۱ھ ہے-

فسطاط کی وسعت آبادی فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کی بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا- امیر معاویہ کے زمانے میں ۴۰ ہزار اہل عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے' مورخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں ۳۶۰ مسجدیں' ۸ ہزار سڑکیں' ۷۰ حمام تھے' اس کی وسعت اور ہر قسم کی سروسامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے- مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پائے تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا- علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے- ناسخ بغداد مفخر الاسلام خزانہ المغرب لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملا من اھلہ ولا اکثر مراکب من ساحلہ یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے' تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں یہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ہیں-"

موصل موصل- یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا- لیکن اس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے حضرت عمرؓ کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا- ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد

محلے آباد کئے ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی ۔۱ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا- یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ "مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں- نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے اور موصل جو مشرق و مغرب کی گزرگاہ ہے یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اس کو یہاں سے گزرنا پڑتا ہے-

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی- چنانچہ اس کی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں-

جیزہ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے- عمرو بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لئے رومی دریا کی طرف سے نہ چڑھ آئیں- تھوڑی سی فوج اس مقام پر متعین کر دی جس میں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے- فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاصؓ نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے- عمرو بن العاصؓ نے ان کے حالات کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی- وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ ان کی حفاظت کے لیے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ ۲۱ھ میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور ۲۲ھ میں بن کر تیار ہوا' یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ "ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے' ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے-" چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے- حضرت عمرؓ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا- چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے- ان میں بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں-۲

۱- فتوح البلدان از صفحہ ۳۳۱ تا ۳۳۲-

۲- جیزہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے-

صیغہ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گزر چکی ہیں جن کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا۔ غیر منظم اور اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر میں جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی تھی، فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا۔

فوجی نظام رومن ایمپائر میں کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے۔ ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اس قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا اور اس وجہ سے اگرچہ لوگ کبھی علم بغاوت بلند کرتے تھے، تو ان کی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھیں اس طریقہ کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے۔ اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے۔

فوجی نظام فارس میں ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا فارسی میں جن کو مرزبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا اور آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا۔

فوجی نظام فرانس میں فرانس میں ۱۱۵۱ء تک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو مل جاتا تھا وہیں قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد ۱۵۷۱ء تک یہی طریقہ جاری رہا۔

عرب میں شاہان یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں صرف اس قدر ہوا

کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر دس دس روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس تک پہنچ گئی۔ لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی' نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا' نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا۔ حضرت عمرؓ کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ لیکن ۱۵ھ ہی میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام حضرت عمرؓ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جو بحرین کے حاکم مقرر کئے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی' پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اس قدر عجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابو ہریرہؓ نے کہا' ہاں یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مراتب رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔[۱] ایک دوسری روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔ اور یہ فارسی لفظ ہے دبستان۔ دبیر۔ دفتر۔ دیوان سب ایک مادہ کے لفظ ہیں جن کا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں۔

تمام ملک کا فوج بنانا بہر حال ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا۔ اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا' انہوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے' باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا۔ لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعلیم نہ تھی' اول قریش اور انصار سے شروع کیا' مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخص بہت بڑے نساب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے۔ مخرمتہ بن نوفل۔ جبیر بن مطعم۔ عقیل بن ابی طالب۔ علم الانساب عرب کا

۱۔ مقریزی صفحہ ۹۲ اور فتوح البلدان صفحہ ۴۴۹۔

موروثی فن تھا اور خاص کر یہ تینوں[1] بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔

حضرت عمرؓ نے ان کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب مفصلا درج ہو ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا' جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابو بکرؓ کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا۔ یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی۔ لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت' خودغرضی کا آلہ بن جاتی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "یوں نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے قرابت داروں سے شروع کرو۔ اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرتؐ سے دور ہوتے گئے ہیں اسی ترتیب سے ان کے نام آخر میں لکھتے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔"

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرتؐ سے ملتا ہے' غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔[2]

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے	۵ ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکائے جنگ احد	۴ ہزار درہم
فتح مکہ کے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے	۲ ہزار درہم
اہل یمن	۴ سو درہم

---

[1] جاحظ نے کتاب البیان والتبیین (جلد دوم صفحہ ۳۷) مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ تمام قریش میں چار شخص اشعار عرب اور انساب و اخبار کے حافظ تھے مخرمتہ بن نوفل' ابوالجہم' حویطب بن عبدالعزی' عقیل بن ابی طالب۔

[2] تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۷ و مقریزی جلد اول صفحہ ۹۲ بلاذری صفحہ ۴۴۸ و یعقوبی صفحہ ۱۷۵ وطبری صفحہ ۲۴۱۱ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے۔

قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین ۳ سو درہم

بلاامتیاز مراتب ۲ سو درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی دو ہزار درہم مقرر ہوئی اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا درجہ تھا۔

جس قدر آدمی درج[1] رجسٹر ہوئے تھے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

ا۔ جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

---

[1] اس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی جو تنخواہیں مقرر کیں اس کو فوجی سیغے سے چنداں تعلق نہیں بلکہ یہ رفاہ عام کی غرض سے تھا لیکن یہ نہایت غلط خیال ہے اولاً جہاں مورخوں نے اس واقعہ کا شان نزول بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن ہشام نے حضرت عمرؓ سے کہا قد جئت الشام فرایت ملوکھا قد دونو دیونا و جند واجندا فدون دیوانا و جند جندا فاخذ بقولہ یعنی میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی دفتر بنائیے اور فوج مرتب کیجئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ولید کے قول پر عمل کیا۔
دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے حضرت عمرؓ ان کی تنخواہ نہیں مقرر کرتے تھے اسی بناء پر مکہ کے لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ فتوح البلدان میں ہے ان عمر کان لایعطی اھل مکۃ عطا ولا یضرب علیھم بعثا فتوح صفحہ ۴۵۸ یہی وجہ تھی کہ جب صحرا نشین بدوؤں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک آبادی میں رہنے والوں کی تنخواہیں مقرر نہ ہو جائیں۔ صحرانشینوں کا روزینہ نہیں مقرر کر سکتا۔"
البتہ اس میں شک نہیں کہ اول اول فوج کے رجسٹر میں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے' یا کسی فن میں صاحب کمال تھے' لیکن استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ خلط مبحث جو بہ ضرورت اختیار کیا گیا تھا۔ مٹتا گیا چنانچہ اسی مضمون میں آگے اس کی بحث آتی ہے۔

۲- جو عموماً اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جا سکتے تھے ان کو عربی میں مطوعہ کہتے ہیں اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل والنٹیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام' ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ۲۰ھ میں فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو قسمیں کیں۔ ملکی اور فوجی' ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا ہے۔

فوجی صدر مقامات فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مراکز قرار دیئے جن کا نام جند[۱] رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔ مدینہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل۔ فسطاط۔ مصر۔ دمشق۔ حمص۔ اردن۔ فلسطین۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی حد اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مل گئی تھی۔ لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جا سکتے تھے وہ صرف عراق۔ مصر۔ جزیرہ اور شام تھے چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی انہی ممالک میں قائم کئے گئے موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام قائم کرنے ضرور تھے۔ اس لئے دمشق۔ فلسطین۔ حمص۔ اردن چار صدر مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جواب قاہرہ سے بدل گیا ہے تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ۔ کوفہ' یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

۱- جند کی تحقیقات کے لئے دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۳۲۔ مورخ یعقوبی نے واقعات ۲۰ھ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم کئے لیکن مورخ مذکور نے صرف فلسطین۔ جزیرہ۔ موصل اور قنسرین کا نام لکھا ہے۔

اس کے صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے وہ حسب ذیل تھے۔

فوجی بارکیں فوجوں کے رہنے کے لئے بارکیں تھیں۔ کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لئے آباد ہی کئے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ، چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہر ثمہ بن عرفجہ ازدی (گورنر موصل) نے حضرت عمرؓ کی ہدایات کے بموجب داغ بیل ڈال کر اس کو شہر کی صورت میں آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لئے جدا جدا محلے بسائے۔

گھوڑوں کی پرداخت ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ تیار رہتے تھے یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعتہ" ضرورت پیش آ جائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ تیار ہو۱ جائے۔ ۱۷ھ میں جزیرہ والوں نے دفعتہ" بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری، ان گھوڑوں کی پرداخت اور تربیت میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ۲ تیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اس کی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیش فی سبیل اللہ ۳ کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعۃ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۴ میں ہے کان لعمر اربعۃ الاف فرس عدۃ لکون ان کان یشتیھا فی قبلتہ قصر الکوفہ و بالبصرۃ نحو منھا وقیم علیھا جزئین معاویۃ و فی کل مصر من الا مصار الثمانیتہ علی قدرھا فان نابتھم نابئتہ رکب قوم و تقد موالی ان یستعد الناس۔

۲۔ حضرت عمرؓ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے عرب میں متعدد چراگاہیں تیار کرائی تھیں سب سے بڑی چراگاہ ربذہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر نجد کے ضلع میں واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی۔ دوسری مقام ضریہ میں تھی جو مکہ معظمہ سے سات منزل پر ہے اس کی وسعت ہر طرف سے چھ چھ میل تھی اس میں تقریباً چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے، ان چراگاہوں کی پوری تفصیل خلاصہ الوفا باخبار دار المصطفےٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶ میں ہے۔ ۳۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۶

میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہو گئی تھی اور سلمان الخیل کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ جاڑوں میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی۔ جس کے معنی اصطبل خانے کے ہیں اور اسی لحاظ سے عجمی اس کو آخور شاہ جہان کہتے تھے۔ بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقوں کے قریب شاداب چراگاہوں میں چرائے جاتے تھے۔ سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی تربیت میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے۔

خاص کر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انہوں نے نہایت ترقی دی' اس سے پہلے اہل عرب' نسل میں ماں کی پرواہ نہیں کرتے تھے سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیازہ قائم کیا۔ چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی وہ دوغلا قرار دے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصہ سے محروم کر دیتے تھے۔ ۱

بصرہ کا اہتمام جزر بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر ۳۔ فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتا تھا۔

رسد کا غلہ ۴۔ رسد کے لئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔ ۲

فوجی چھاؤنیاں ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوج چھاؤنیاں قائم کیں اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا اگرچہ یہ ان کا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ٹلتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے جب شام فتح کیا تو ہر ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتدبہ فوج رہتی تھی

۱۔ کتب رجال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو۔

۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے۔ وکان المسلمون کلما فتحوا مدینتہ" ظاہرۃ او عند ساحل و بنوا فیھا قدر من یحتاج لما الیہ من المسلمین فان حدث فی شئی منھا حدث من قبل العد و سربو الیھا الاسداد اور صفحہ ۱۵۱ ہے ولی ابو عبیدۃ کل کورۃ منھا عاملا و ضم الیہ جماعۃ من المسلمین و شحن النواحی المخوفۃ۔

لیکن امن و امان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا' جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی دلوک منج' رعیان' قورس' تیزین' انطاکیہ وغیرہ (عربی میں ان کو فروج یا ثغور کہتے ہیں ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق اور مناسب انتظامات کئے جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے (یعنی عسقلان' یافا نیساریہ' ارسوف' عکا' صور' بیروت' طرلوس' صیدا' ایاس الاذقیہ چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لیے ان کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اس کا افسر کل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا۔۱' بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہمسر حد تھا' وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے۔۲

۱۹ھ میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔

حضرت عمرؓ نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے سے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں اس کے ساتھ تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ سے روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔۳

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی' ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۳ اصل عبارت ہے۔ قسم عمر الارزاق و سمی الشراقی والصوائف وسد فروج الشام ومسالحها و اخنور بها وسمی ذلک فی کل کورة واستعمل عبداللہ بن قیس علی السواحل من کل کورة۔

۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ میں ہے ورتب ابو عبیده ببالس جماعته من المقاتلهه و اسکنها قوما من العرب الذین کانوا بالشام فاسلموا بعد قدومه المسلمین الشام۔

۳۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے ان معاویة کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخیه یزید الحلل السواحل فکتب الیه فی مرمته حصونها و ترتیب المقاتلة فیها واقامته الحرس علی مناظرها و اتخاذ المواقید لها۔

میں رہتی تھی' باقی آدھی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی' یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جس کی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی۔ [1]

۲۶ھ میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا۔ تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی میں جس قدر فوج تھی اس کی ایک چوتھائی انہی مقامات کے لیے مخصوص کر دی۔ [2] عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقامات تھے چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے ۱۰ ہزار بیرونی مہمات میں مصروف رکھے [3] جائیں تاہم ان اضلاع میں عجمیوں کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ خربیہ اور ذابوقہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں' وہ سب نئے سرے سے تعمیر کر دی گئیں۔ [4] صوبہ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ چنانچہ نہر تیری' مناذر' سوق الاھواز' سرق' ہرمزان' سوس' بنیان' جندی' سابور' مہر جانقذق' یہ تمام مقامات فوجوں سے معمور [5] ہو گئے' رے اور آذر بائیجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ ۱۰ ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں جا بجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں' البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیوں دی گئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی' لیکن بحری طاقت کا کچھ

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۲۷ میں ہے وکان لکل عریف قصر ینزل بمن معہ من اصحابہ اتخذوا فیہ اخاید۔

[2] دیکھو طبری صفحہ ۲۵۹۴ و مقریزی صفحہ ۱۶۷

[3] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۰۷ میں ہے وکان بالکوفۃ اذ ذاک اربعون الف مقاتل و کان یغز و ھذین الثغرین (ای الری و آذر بیجان) ھم عشرۃ الاف فی کل سنۃ فکان الرجل یصیبہ فی کل الربیع سنین غزوۃ۔

[4] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۰۔ [5] طبری صفحہ ۲۶۵۰۔

سامان نہ تھا' ادھر یونانی مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے اس وجہ سے شام و مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا۔ اور وہاں ان کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا' ان وجوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہ کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔

فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم تھیں؟ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہیں مقامات میں کیں جو ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا' اس لئے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضروری تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

فوجی دفتر کی وسعت حضرت عمرؓ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کئے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اس قدر منظم کر دیا کہ اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے' فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا' مدینہ سے عسفان تک جو مکہ مکرمہ سے دو منزل ادھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا کوفہ' بصرہ' موصل' فسطاط' جیزہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے اس بے شمار گروہ کی علیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا' تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔[۱]

۱۔ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۳۱۔ امام ملک نے موطا میں ۳۰ ہزار کے بجائے ۴۰ ہزار کی تعداد بیان کی ہے۔

ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی

ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے' کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی ان کو باری باری سے ہمیشہ رے اور آذربائیجان کے مہمات میں حاضر رہنا ضرور تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا۔ جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا' سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی عبدالمالک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے اور اسی دن درحقیقت' حکومت بھی عرب کے ہاتھ سے نکل گئی۔

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آگیا تھا' ہم پھر حضرت عمرؓ کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اس میں داخل کئے گئے۔

فوج میں عجمی رومی ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

یزدگرد شہنشاہ فارس نے ویلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی اور جند شاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے ان کو فوج میں داخل کر لیا' اور کوفہ میں آباد کر کے ان کی تنخواہیں بھی مقرر کر دیں ۱۔ چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی جا بجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزدگرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

۱۷ھ میں یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر بڑے بڑے نامی پہلوان تھے اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہادر منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے' ابو موسیٰ اشعریؓ نے جب ۲۰ھ میں سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے سیاہ

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰۔

کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ کے مقابلے کو جائے سوس کی فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سرداروں کے ابو موسیٰؓ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی' ابو موسیٰؓ گو ان شرائط پر راضی نہ تھے' لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی' حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کرلی جائیں' چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کئے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا کر ان کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں' ان میں سے چھ افسروں کے جن کے یہ نام تھے سیاہ' خسرو' شہریار' شیرویہ' شہرویہ' افرودین ڈھائی ڈھائی ہزار اور سو بہادروں کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی- تستر کے معرکہ میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی-۱-

باذان' نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا- اس کی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے' ان کا نام بھی دفتر فوج میں لکھا گیا تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا' سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زط کہتے تھے' یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے' سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کئے گئے-۲-

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے' چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچ سو آدمی شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے- یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا' چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے-۳-

غرض حضرت عمرؓ نے صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی' یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی' والنٹیر فوج میں ہزاروں مجوسی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے' فوج نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئے گی لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کر لیا گیا تھا-

---

۱- طبری واقعات ۱۷ھ ذکر فتح سوس و فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۵

۲- فتوح البلدان صفحہ ۳۷۵

۳- مقریزی صفحہ ۲۹۸ میں ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں-

صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا کبھی ممنون ہونا نہیں پڑا' البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا انہی کے ہم قوموں کو ان سے لڑانا فن جنگ کا بڑا اصول تھا۔

که خر گوش ہر مرز رابے شگفت　　　　سگ آن ولایت تو اندگرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں' ابتدائے انتظام فوجی' صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ یعنی جو لوگ اور اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے' ان کے نام بھی فوج رجسٹر میں درج تھے' اور اس وقت یہی مصلحت تھی' حضرت عمرؓ نے اب یہ پردہ بھی اٹھا دینا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا' حضرت عمرؓ نے اس کو صیغہ سے متعلق کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا' چنانچہ سعد بن ابی وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے۔ لا لفط علی القران احدا

تنخواہوں میں ترقی اس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی' چونکہ وہ فوج کو زراعت' تجارت اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور مانع رکھتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ان کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے' اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی ۳۰۰ کر دی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لے کر دس ہزار تک بڑھا دی۔ بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے بعد سے مقرر ہوتی تھی۔ اب حکم دیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے۔

رسد کا انتظام رسد کا بندوبست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں' البتہ گوشت کا بندوبست دارالخلافہ سے تھا۔ یعنی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔۱۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵ آثار غلہ لیا جاتا تھا مصر میں غلہ کے ساتھ روغن زیتون' شہد اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا لیکن اس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی' چنانچہ حضرت عمرؓ نے آخر

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۵۶' اصل عبارت یہ ہے فاذا احتاجوا الی العلف والطعام اخرجوا احلولا فی البر فاغارت علی اسفل الفرات وکان یبعث الیھم من المدینہ الغنم و الجزر۔

اس کے بجائے نقدی مقرر کر دی۔۱۔ جس کو رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔

رسد کا مستقل محکمہ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام اہراء۲ تھا۔ چنانچہ شام میں عمر بن عتبہ اس محکمے کے افسر مقرر ہوئے اہراء ہری کی جمع ہے' ہری ایک یونانی لفظ ہے۔ جس کے معنی گودام کے ہیں' چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا۔ اس لیے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا' تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی ایک من۔ اثار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا اس کے ساتھ فی کس ۲ اثار روغن زیتون اور ۱۲ ثار سرکہ بھی ملتا تھا' اس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کی بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا۔

خوراک کپڑا اور بھتہ چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفر شام کے ذکر میں اس کی تصریح کی ہے' تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا۔ جس کی تفصیل وردی کے ذکر میں آئے گی' ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جس کو عرب میں مغوتہ کہتے ہیں۔ سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے تیار کرنا ہوتا تھا' لیکن جو شخص کم سرمایہ ہوتا تھا اور اس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی اس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا۔ چنانچہ خاص اس غرض کے لیے حضرت عمرؓ کے حکم سے خود دارالخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔۳

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ بھتہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے شروع محرم میں تنخواہ' فصل بہار میں بھتہ اور فصل کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم۔۴ ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۷۸' ۲۱۶

۲۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۶۲۵۔ اہرا کے معنی اور مفہوم کے لئے دیکھو لسان العرب اور فتوح البلدان صفحہ ۲۰۸

۳۔ کتاب الخراج صفحہ ۲۷۔ اصل عبارت یہ ہے' کان لعمر بن الخطاب اربعتہ الاف فرس فاذا کان فی عطاء الرجل خفه اوکان محتاجا اعطاه الفرس۔ ۴۔ طبری صفحہ ۲۴۸۶' اصل عبارت یہ ہے وامرلهم بمعاونهم فی الربیع من کل سنة و با عطیاتهم فی المحرم من کل سنة و بفیتهم عند طلوع الشعریٰ فی کل سنة و ذلک عند ادراک الغلات۔

عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا' فوجی افسر جو کم سے کم ۱۰-۱۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے' تنخواہ ان کو دی جاتی تھی وہ عریف کے حوالے کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلہ کے سپاہیوں کے حوالے کرتے تھے ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ میں سو عریف تھے' جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی' اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبر گیری سے کام لیا جاتا تھا عراق میں امرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمرؓ نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران' مشعلہ بن نعیم وغیرہ کو بلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کئے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔۱۔ عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جس کی تقلید مدتوں تک کی گئی۔ کنزالعمال باب الجہاد میں علامہ بیہقی کی روایت ہے۔

تنخواہوں کی ترقی تنخواہ میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً" فوقتاً" اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ قادسیہ میں زہرہ' عصمۃ' جنتی وغیرہ نے بڑے مردانہ کام کئے تھے اسلئے انکی تنخواہیں دو' دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں' مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً" فوقتاً" جو ہاتھ آتا تھا اور علیٰ قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا۔ اسکی کچھ انتہا نہ تھی۔ چنانچہ جلولاء میں نو نو ہزار نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے میں آئے تھے۔

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے۔

اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں متعین کر دی تھی' یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھی' اس کی تقسیم کا نام شاتیہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے' یہاں تک کہ ہمارے مورخین مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں یہ انتظام حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں کیا تھا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔ وسمی الشواتی والصوائف وسمی ذلک فی کل کورۃ

۱۔ یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ۲۴۹۵' ۲۴۹۶ و مقریزی صفحہ ۹۳ میں ہیں۔

بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام فصل بہار میں فوجیں ان مقامات پر بھیج دی جاتی تھیں، جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا یہ قاعدہ اول اول ۱۷ھ میں جاری کیا گیا، جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں ۱۔ عمرو بن العاص گورنر مصر، موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر فربہ بنا کر لائیں۔

آب و ہوا کا لحاظ بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے، فوجوں کے لیے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ، بصرہ، فسطاط وغیرہ ان میں صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعین بھی خود لکھ کر بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گزر چکی۔

کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لے لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعد بن ابی وقاص کو جو فرمان فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی ۲۔

رخصت کے قاعدے رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا، جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر

۱۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۴۸۶ میں ہے وکتب عمرالی سعد بن مالک والی عتبة بن غزوان یتربھا بالناس فی کل حین ربیع فی اطیب ارضھم۔

۲۔ عقد الفرید جلد اول صفحہ ۴۹ میں یہ فرمان بعینہ منقول ہے۔

جب انہوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں درد ناک اشعار پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیج دیئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اسی حد تک تھیں۔ جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا۔ ورنہ آرام طلبی کاہلی عیش پرستی سے بچنے کے لیے سخت بندشیں تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں' نرم کپڑے نہ پہنیں' دھوپ کھانا نہ چھوڑیں حماموں میں نہ نہائیں۔

فوج کا لباس تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جس کو وردی کہتے ہیں قرار دیا تھا' فوج کے نام ان کے جو احکام منقول ہیں۔ ان میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں زور نہیں دیا گیا کیونکہ ۲۱ھ میں جب مصر میں ذمیوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اس میں شامل تھے اور وہ یہ تھے کہ اون کا جبہ' لمبی ٹوپی یا عمامہ' موزہ[۱] حالانکہ اول اول پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمرؓ نے بتصریح منع کیا تھا۔

فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم فوج کے متعلق حضرت عمرؓ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ۔ ایک محاسب' ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ قاضی' زیاد بن ابی سفیان محاسب ہلال ہجری مترجم[۲] تھے۔ فوج میں محکمہ عدالت سررشتہ حساب' مترجمی اور ڈاکٹری ابتداء بھی اسی زمانے سے ہے۔

فن جنگ میں ترقی فوجی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے ان میں چار چیزوں کو سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی تیرنا' گھوڑے دوڑانا' تیر لگانا' ننگے پاؤں چلنا' اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کس قسم کی قواعد سکھائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں سابق کی نسبت فن جنگ نے بہت ترقی کی۔

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵۔ ۲۔ طبری واقعات ۱۴ھ صفحہ ۲۲۲۶۔

عرب میں جنگ کا پہلا طریقہ یہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا' اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے۔ مثلاً میمنہ' میسرہ وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے ۱۵ھ میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد کی بدولت تعبیہ کی طرز پر جنگ[۱] ہوئی۔ یعنی کل فوج جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں کام کرتی تھی' اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔

فوج کے مختلف حصے

حضرت عمرؓ کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے حسب ذیل ہیں۔

قلب	سپہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا
مقدمہ	قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا
میمنہ	قلب کے دائیں ہاتھ پر رہتا تھا
میسرہ	بائیں ہاتھ پر
ساقہ	سب کے پیچھے
طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔
رو	جو ساقہ کے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے
رائد	جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رکبان	شتر سوار
فرسان	گھوڑا سوار
راجل	پیادہ
رماۃ	تیر انداز

---

[۱] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں فصل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقہ جنگ پر ایک مضمون لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ "تعبیہ کا طریقہ اول اول مروان بن الحکم نے قائم کیا۔" لیکن یہ غلط ہے طبری اور دیگر مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں اول اول خالد نے تعبیہ کی طرز پر صف آرائی کی۔

ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں۔ فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب (حضرت عمرؓ کے ایک فوج افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں۔ سوا۔ ڈورا۔ قینچی۔ سوتالی۔ توبڑا۔ چھلنی۔ (فتوح البلدان ص ۳۱۸)

قلعہ شکن آلات

قلعوں پر حملہ کرنے کیلئے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرتؐ کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے ۸ھ میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اسکے ذریعے سے فتح ہوئے مثلاً ۱۶ھ میں بہرہ شیر کے محاصرے میں ۲۰ منجنیقیں استعمال کی گئیں۔ محاصرے کیلئے ایک اور آلہ تھا جس کو دبابہ کہتے تھے یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے۔ اور نیچے پہیے لگے ہوتے تھے۔ سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیر اندازوں کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا اور اس کو ریلتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے اس طرح قلعہ کی جڑ میں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے بہرہ شیر کے محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفر مینا

راستہ صاف کرنا' سڑک بنانا' پل باندھنا۔ یعنی جو کام آج کل سفر مینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اس کا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا' عمروؓ بن العاص نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والئی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رخ کرے گی سفر مینا کی خدمت کو مصری انجام دیں[۱] گے۔ چنانچہ عمروؓ بن العاص جب رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل بمنزل پل باندھتے۔ سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گرویدہ کر لیا تھا' اس واسطے قبطی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

خبر رسانی اور جاسوسی

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور

---

[۱] مقریزی صفحہ ۱۶۳ میں ہے فخرج عمر بالمسلمین و خرج معہ جماعتہ من روساء القبط وقد اصلحوا لھم الطرق و اقاموا لھم الجسور والا سواق۔

اس کے لئے قدرتی سامان ہاتھ آ گئے تھے۔ شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے تھے۔ اس لئے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت دی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسائی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لئے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے یرموک' قادسیہ' تکریت میں انہی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے۔[1]

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے۔ قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔ فلمارای اهل الذمته وفاء المسلمین لهم و حسن السیرة فیهم صاروٗ اشداء علی عدو المسلمین و عونا للمسلمین علی اعدائهم فبعث اهل کل مدینة من جری الصلح بینهم و بین المسلمین رجالا من قبلهم یتجسسون الاخبار عن الروم عن ملکهم و مایریدون ان یضعوا۔ (ص ۸۰)

خبر رسانی اور جاسوسی اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اس کے صلے میں ان کی مقبوضہ زمینیں ان کو معافی میں دے دی گئیں۔[2] اسی طرح جراجمہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی کہ ان کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بے شمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک' مختلف قبائل مختلف طبائع کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے اس کے ساتھ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوتی تھیں' جہاں سے دارالخلافہ تک سینکڑوں ہزاروں کوس کا فیصلہ تھا' تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمرؓ کے قبضہ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔

---

[1] تاریخ شام المازری صفحہ ۱۵۴ وطبری ۲۳۴۹ و ۲۴۷۵۔ ازدی کی عبارت یہ ہے لما نزلت الرومه منزلهم الذی نزلوابه وسسنا الیهم و رجالا من اهل البلد کانوا نصاری و حسن اسلامهم وامرنهم ان یدخلوا عسکرهم ویکتموا اسلامهم و یاتوا باخبارهم۔

[2] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۸

پرچہ نویسوں کا انتظام اسکا عام سبب تو حضرت عمرؓ کی سطوت اور انکا رعب و داب تھا، لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی انکو خبر پہنچتی رہتی تھی علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہیں

وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش فکتب الی عمر بما کان فی فلک الغزاۃ و بلغہ الذی قال عتبۃ ۱؎ وکان عمر لا یخفی علیہ شئی فی عملہ

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں ۲؎۔ اس انتظام سے حضرت عمرؓ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بداعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تدارک کر دیتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمرو بن معدی کرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا۔ فوراً حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی اور اسی وقت انہوں نے عمرو بن معدی کرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرات نہیں ہوئی۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

صیغہ تعلیم

حضرت عمرؓ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے۔ جن میں قرآن مجید۔ اخلاقی شعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی، بڑے بڑے علماء صحابہ اضلاع میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے مامور کئے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی۔ اس لئے اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ "صیغہ مذہبی" کے بیان میں آئے گا۔

صیغہ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور درحقیقت حضرت عمرؓ کے کارناموں کا طغرا یہی ہے لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ استغراق فی العبادۃ صفائے قلب قطع علائق خضوع و خشوع یہ چیزیں کسی محسوس اور

۱؎ طبری صفحہ ۲۳۰۸۔ ۲؎ طبری صفحہ ۲۵۳۶۔

مادی سر رشتہ انتظام کے تحت میں نہیں آ سکتیں۔ اس لئے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے۔ اس کا ذکر حضرت عمرؓ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعت اسلام، تعلیم قرآن و حدیث، احکام مذہبی کا اجراء اس قسم کے کام انتظام کے تحت میں آ سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق جو کچھ کیا اس کی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اشاعت اسلام کا طریقہ اس صیغہ کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر لا اکراہ فی الدین۔۱۔ بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے خود ایک موقع پر یعنی جب ان کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین

اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں۔ چنانچہ فاتح ایران سعد بن ابی وقاص کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ تھے وقدکنت امر تک ان تدعوا من لقیتہ الی الاسلام قبل القتال قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم وفقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام و عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں انہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد ان کے سامنے بیان کئے۔

اشاعت اسلام کی بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت

۱۔ یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے دیکھو کنزالعمال جلد پنجم صفحہ ۴۹ مطبوعہ حیدر آباد (دکن)۔

بکثرت سے اسلام پھیلا اور اسکی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں۔ لوگوں کو خواہ مخواہ انکے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو انکے دیکھنے اور ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی سادگی اور پاکیزگی جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا۔

شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہو گا کہ رومیوں کا سفیر جارج ابو عبیدہ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعتہ" قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا بڑا رئیس تھا مسلمانوں کے حالات سن کر ہی اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔[1]

اشاعت اسلام کے اسباب

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی' یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پرزور قوموں کا قدم اکھڑتا جاتا ہے خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کئے' اور حالات سن کر یہ کہا کہ "ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔" فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ "تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے اور ان سے لڑنا بیکار[2] ہے۔" ابو رجاء فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ قادسیہ کی لڑائی میں حاضر تھا اور اس وقت تک میں مجوسی تھا' عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ "تکلے ہیں۔" لیکن ان ہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی۔"

۱۔ تاریخ مقریزی صفحہ ۲۲۶ میں ہے فخرج شطا فی الغین من اصحابه ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلک یحب الخیر ویمیل الی مایسمعه من سیرة اهل الاسلام۔

۲۔ طبری واقعات جنگ فارس۔

مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ "رومیوں کی سلطنت ہو چکی۔ اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔ا۔"

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جس قدر ان کا میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا۔ غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم جس قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہب مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام ارکون تھا حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔۲۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوتی گئی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ ایمان لائے افسوس ہے کہ ہمارے مورخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا۔ اس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بتا سکتے تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم ان کو موقع پر بیان کرتے ہیں

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے

۱۶ھ کے آخیر میں جب جلولا فتح ہوا تو بڑے بڑے نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں۔ جمیل بن بصبہری۔ بسطام بن نرسی۔ رفیل۔ فیروزان۔۳ رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔

قادسیہ کے معرکے کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی۔۴۔

یزدگرد کے مقدمتہ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کربلا کو تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطخر کو روانہ کیا۔ یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے

۱۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۹۔ ۲۔ معجم البلدان ذکر قنطرۃ ستان۔

۳۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۶۵۔ ۴۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰۔

ساتھ لیتا جائے۔ اسلامی فوجیں جب تستر پہنچیں تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آ جائیں گے۔ اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ اساورۃ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اساورۃ مشہور ہے ان کے اسلام لانے پر سیابجہ۔ زط۔ اندغار بھی مسلمان ہو گئے۔ یہ تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑتے تھے، گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے ان کو واپس لے کر مصر بھیج دیا، اور لکھ بھیجا کہ ان کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں، خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں چنانچہ ان میں سے قصبہ بلهیب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارۃ اور وراوۃ سے لے کر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے۔ ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔ ۳

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں یہاں کا رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر ہی پہلے اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آ ملا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ ۴

فسطاط جس کو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ دارالسلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے تھے۔ ایک محلہ بنُونبہ

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۷۳۔ ۲۔ تاریخ مقریزی صفحہ ۱۶۶ جلد اول۔

۳۔ مقریزی صفحہ ۱۸۴ میں ہے ولما فتح المسلمون الفرس بعد ما افتتحوا دمیاط و تفیس سارو الی بقارة فاسلم من بهاوسارو امنها الی الورادة فدخل اهلها فی الاسلام وما حولها الی عسقلان۔ ۴۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۲۶۔

کے نام سے آباد تھا۔ جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ مصر کے معرکے میں اس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔

دوسرا محلہ بنو الارزق کے نام پر تھا یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔

تیسرا محلہ روبیل کے نام سے آباد تھا۔ یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے۔ پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا۔ مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔۔۱

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا۔ جہاں صرف نو مسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلہ انہیں کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیرواں کی طرف سے یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔

اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ مورخ بلاذری نے بالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔۔۲ مورخ ازدی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔" مورخ نے ۱۴ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اعمال مذہبی کی ترویج یعنی جن چیزوں پر اسلام کا

۱۔ اس کے متعلق پوری تفصیل مقریزی صفحہ ۲۹۸ جلد اول میں ہے۔

۲۔ بلاذری صفحہ ۱۵۰۔

مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا اور ان کی اشاعت اور ترویج کرنا۔ اس سلسلے میں سب سے مقدم قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی تعلیم و ترویج تھی' حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ "امروز ہر کہ قرآن میخواند انداز طوائف مسلمین منت فاروق اعظمؓ در گردن اوست۔"

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوشش کی

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل اصول قرآن مجید ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا۔ ترتیب دینا۔ صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا۔ تمام ممالک میں اس کی تعلیم کا رواج دینا۔ جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و سلم) کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا۔ متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے' وہ بھی کچھ ہڈیوں پر' کچھ کھجور کے پتوں پر۔ کچھ پتھر کی تختیوں پر لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو کوئی۔ ابو بکرؓ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے پاس جا کر کہا کہ "اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہے گا۔" اسلئے ابھی سے اس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ "جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا تو میں کیونکر کروں۔"

حضرت عمرؓ نے بار بار اس کی مصلحت اور ضرورت بیان کی یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ ان کی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہ میں سے وحی لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابتؓ نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کئے گئے۔ اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اس پر دو شخصوں کی شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اس کو آنحضرت کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے۔

سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے' مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن مجید مضر ہی کی خاص زبان میں اترا ہے۔ (کنز العمال جلد اول ۲۷۹)

رآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی تدبیریں اس وقت رآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے' اول یہ کہ نہایت صحت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنا دیئے کہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے- دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے- تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں- حضرت عمرؓ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ س سے بڑھ کر ممکن نہ تھا-

رآن مجید کی تعلیم کا انتظام تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس ری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں-[1]- تنخواہیں اس قت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں-

کاتب قرآن مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو تب تھے' ان کے معلموں کی تنخواہیں پندرہ پندرہ درہم ماہوار تھیں-

دوؤں کو جبری تعلیم خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر ئم کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا' چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل یں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا ے-[2]-

کتابت کی تعلیم مکاتب میں لکھنا بھی سکھلایا جاتا تھا- عام طور پر تمام اضلاع میں کام بھیج دیئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے- ابو عامر سلیم جو وۃ حدیث میں ہیں ان کی زبانی روایت ہے' کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا- ں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا- معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں

سیرۃ العمرین لابن الجوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن العفان کانا یرزقان مؤذبین و الائمۃ والمعلمین-

۲ آغانی جزو ۱۴ صفحہ ۵۸- اصابہ فی احوال الصحابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے-

ملہ سکتا تھا تو کہتا تھا گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔[1]

قراء صحابہ کا تعلیم قرآن کے لئے دور دراز مقامات پر بھیجنا صحابہ میں سے پانچ بزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرتؐ ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبلؓ عبادہ بن الصامتؓ ابی بن کعبؓ ابو ایوب' ابو درداؓ۔ ان میں خاص کر ابی بن کعبؓ سید القراء تھے اور خود آنحضرتؐ نے اس باب میں ان کی مدح کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے' کہ آپ لوگ جا کر قرآن کریم کی تعلیم دیجئے۔" ابو ایوبؓ ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے اس لئے نہ جا سکے باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں' باقی دو صحابیوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے۔ وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا۔ تو عبادہؓ نے وہیں قیام کیا' اور ابو درداؓ دمشق اور معاذ بن جبلؓ فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبلؓ نے طاعون عمواس میں وفات۔[2] پائی۔ لیکن ابو درداؓ حضرت عثمانؓ کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔

تعلیم قرآن کا طریقہ ابو درداؓ کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے' گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا' ابو درداؓ دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ ان کو قرآن پڑھائے خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالبعلم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا ابو درداؓ خود اس کو اپنی شاگردی میں لے لیتے تھے۔

دمشق کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد ایک دن ابو درداؓ نے شمار کرایا تو سولہ سو طالب علم ان کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

---

[1] معجم البلدان۔ لغت حاضر معجم میں اس روایت کو حضرت ابو بکرؓ کے عہد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب معجم نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اوقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے۔

[2] یہ تمام تفصیل کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۸۱ میں ہے اور اصل روایت طبقات ابن سعد کی ہے۔

اشاعت قرآن کے وسائل حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے ان تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ، نساء مائدۃ۔ نور کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں احکام و فرائض مذکور ہیں۔۱۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔۲۔ (بعد میں جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا) اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں وقتاً" فوقتاً" عمال سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔

حافظوں کی تعداد ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے شمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظان قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے جا بجا بھیجوں، تو سعد بن ابی وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو ۳۰۰ حفاظ موجود ہیں۔۳۔

صحت اعراب کی تدبیریں تیسرا امر یعنی صحت اعراب و صحت تلفظ اس کے لئے بھی نہایت اہتمام کیا اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے صرف قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا اگر صحت اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا تو اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ ان کے خاص الفاظ حسب روایت ابن الانباری یہ ہیں۔ تعلمو اعراب القران کما تعلمون حفظه اور مسند دارمی میں یہ الفاظ ہیں تعلموا الفرائض واللحن والسنن کما تعلمون القران

۱۔ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۴۔ ۲۔ ایضاً صفحہ ۲۱۷۔

۳۔ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۸۔

ادب اور عربیت کی تعلیم دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ خود لوگ اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔[1]

قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ آتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے، وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

حدیث کی تعلیم شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ "چنانچہ فاروق اعظمؓ عبداللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسارؓ و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصینؓ را بہ بصرہ و عبادۃ بن صامتؓ و ابودرداؓ را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیانؓ کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاویز نہ کند۔[2]" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے روایت حدیث کے مستقل جو اصول قائم کئے تھے وہ ان کی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ان کے ذاتی حالات میں ان کے فضل و کمال کا جہاں ذکر آئے گا ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

فقہ حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں مسائل فقیہ کی ترویج کے لئے یہ تدبیریں اختیار کیں۔

مسائل فقہ کی اشاعت جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے۔ جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ حج کے خطبہ میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ مئوطا امام محمد[3] میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور

۱۔ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۸۸۔

۲۔ ازالتہ الخفاء صفحہ ۶۔ ۳۔ موطا امام محمد صفحہ ۲۲۷۔

پراثر خطبے پڑھے ان میں اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا اس لئے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہاء نے اس کو بہت سے مسائل فقیہ کے حوالے میں جا بجا نقل کیا ہے۔

وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز پنج گانہ کے اوقات کے متعلق جس کی تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا چنانچہ امام مالکؒ نے اپنی کتاب موطا میں بعینہ اس کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلے کے متعلق ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو تحریر بھیجی اس کو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ دو نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ جائز ہے۔ (موطا امام محمد صفحہ ۱۲۹)

۱۴ھ میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعریؓ اور دیگر افسران ملکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ صاحب نے امام مالکؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم- ھذا کتاب الصدقہ الخ

قضا اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو تحریر بھیجی تھی اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزیہ بھی عمال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک دفعہ لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کہ لاتکونو امن المسین لفطر کم زیدبن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ ان المراۃ لاتصوم تطوعا الاباذن زوجھا ابو وائل کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ ان الاھلۃ بعضھا اکبر من بعض اسی طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالیں ہیں۔

مسائل فقہیہ میں اجماع یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت

عمرؓ فرامین کے ذریعے سے شائع کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل' اجماعی اور متفق علیہ ہوں چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا ان کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرا لیا۔ مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج' ص ۱۰۶ میں لکھتے ہیں ان عمر استشار فی السارق فاجمعوالح غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ درپیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں اس وقت فرمایا انتم اصحاب بدر وقد اختلفتم فمن بعد کم اشد اختلافا یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر میں ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہو گا۔ چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور ان کی رائے قطعی قرار پا کر شائع کی گئی۔ (ازالتہ الخفاء ص ۸۸)

جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور متفق بات طے ہو گئی۔ یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہو گیا۔

اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان کی یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم فقیہ ہوں چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا تھا۔

ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا' جس میں یہ الفاظ تھے انی اشھد کم علی امر الامصار انی لم ابعثھم الا لیفقھوا الناس فی دینھم یعنی تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔" یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ قاضی ابو یوسف صاحب لکھتے ہیں[1]۔ ان عمر بن الخطاب کان اذا اجتمع الیہ جیش من اھل الایمان بعث علیھم رجلا من اھل الفقہ و العلم یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہؓ۔ سلمان فارسیؓ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ معاذ بن جبلؓ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔

۴۔ تمام ممالک محروسہ میں فقہا اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔

دیں۔ مورخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے، مثلاً عبداللہ بن مغفلؓ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ یہ "منجملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔"[1] عمران بن الحصینؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

وکان ممن بعثهم عمر بن الخطاب الی اهل البصرة لیفقههم یعنی یہ ان لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لئے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا کہ "یہی وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی" عبادہ بن صامت کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان کو اور معاذ بن جبلؓ اور ابو درداء کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں جان بن ابی جبلتہ کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔

ان فقہا کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شائقین نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے لیکن جب ان کو کسی مسئلے پر شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبلؓ ہیں۔"[1] لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابودرداؓ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔"[2]

---

[1] اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرة الذین بعثهم عمر الی البصرة یفقهون من الناس ۱۲

[2] تذکرہ الحفاظ ترجمہ معاذ بن جبل ۱۲۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ذکر ابودرداء۔

فقہا کی تنخواہیں ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں اور درحقیقت تعلیم کا مرتب سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

معلمین فقہ کی رفعت شان یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لئے انتخاب کیا تھا۔ مثلاً معاذ بن جبل' ابودردا' عبادہ بن الصامت' عبدالرحمٰن بن غنم' عمران بن حصین' عبداللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے اس کی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور اصابہ وغیرہ میں ان لوگوں کو حالات دیکھنے چاہئیں۔

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص فقہ کے مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کردہ تعلیم دیئے جاتے تھے۔ جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لئے جاتے تھے' چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

مع ھذا بعد عزم خلیفہ بر چیزے مجال مخالفت بنود۔ در جمیع ایں امور شذر و نذر نمیر فتند و بدون استطلاع رائے خلیفہ کارے رامصمم نمی ساختند۔ لہٰذا دریں عصر اختلاف مذہب و تشتت آراواقع نشد۔ ہمہ بریک مذہب متفق و بریک راہ مجتمع۔ چوں ایام خلافت خاصہ باکلیہ منترض شد و خلافت عامہ ظہور نمود علماء درہر بلدے مشغول بافادہ شدند۔ ابن عباس درمکہ فتوی می دہدو عائشہ صدیقہؓ و عبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث راروایت می نمایند و ابوہریرۃ اوقات خودار بر اکثار روایت حدیث مصروف مے سازد۔ بالجملہ دریں ایام اختلاف فتاوی پیدا شدیکے رابر رائے دیگر اطلاع نہ واگر اطلاع شدہ مزاکرہ واقع نہ واگر مزاکر میان آمد ازالت شبہ و خروف از مضیق اختلاف .بقضائے اتفاق میسر نہ۔ اگر تتبع کنی روایت علمائے صحابہ کہ پیش ازانقراض خلافت خاصہ از عالم گزشتہ اند بغایت کم یابی۔ و جمعے کہ بعد ایام خلافت زندہ اندہرچہ روایت کردہ اند۔ بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند۔ ہرچند جمیع صحابہ عدول اندوروایت ایشان مقبول و عمل بموجب آنچہ بروایت صدق ایشاں ثابت شودلازم

اما درمیان انچہ از حدیث و فقہ درزمن فاروق اعظم بود و آنچہ بعدوے حارث شدہ فرق مابین السموت والارض ست۔ (ازالتہ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۴۰)

عملی انتظام یہ تمام امور جن کا اوپر ذکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے عملی صیغہ پر بھی حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے۔

اماموں اور موذنوں کا تقرر ہر شہر و قصبہ میں امام موذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں۔ ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کانا یرزقان الموذنین والائمۃ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لئے خاص اشخاص مقرر۱ تھے۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منا میں عقبہ کے پاس پہنچا آئیں۲۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے۔ حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسک حج میں محسوب نہ تھا۔

حاجیوں کی قافلہ سالاری چونکہ عہد خلافت میں متصل ۱۰ حج کئے اس لئے میر حجاج ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۳۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں" سعد بن ابی وقاص اور عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے' شام کے تمام عمال کو لکھا ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہیں گو ان کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واقع ہے۔ راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ محدث جمال الدین نے روضہ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔" یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی وسعت حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اس کی زیب و

۱۔ موطا امام محمد صفحہ ۲۸۶۔ ۲۔ موطا امام ملک صفحہ ۱۴۰۔ ۳۔ موطاء امام محمد صفحہ ۲۲۹۔

زینت پر توجہ کی' اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لئے ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیئے اور ان کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی۔ اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اس کی حد عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ بھی کام لیا کہ اس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔۱۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے۔۲ اور مصر میں بنا جاتا ہے۔ حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷ میل اور ۹ میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصاف حرم کہلاتے تھے اس لئے حضرت عمر نے ۱۷ھ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی۔ صحابہ میں سے جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے یعنی مخرمہ بن نوفل' ازہر بن عبد عوف' حویطب بن عبدالعزی' سعید بن یربوعؓ کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

مسجد نبوی کی وسعت اور مرمت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی آنحضرتؐ کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اس عہد کے لئے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی اور روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لئے۔ لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو بجبر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اب میں بلا قیمت عامہ مسلمین کے لئے دے دیتا ہوں۔ غرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی پہلے طول ۱۰۰ گز تھا انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا۔ اسی طرح عرض میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے اسی طرح رہے حضرت عمرؓ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ

۱۔ تاریخ مقریزی جلد دوم صفحہ ۴۳۶۔ ۲۔ الاحکام السلطانیہ للماوردی ۱۵۴ و فتوح البلدان صفحہ ۴۶۔

میں ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جس کو بات چیت کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو' اس کیلئے یہ جگہ ہے۔ (خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر ص ۱۳۲' ۱۳۳)

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا اس کی ابتداء بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی یعنی ان کی اجازت سے تمیم داری نے مسجد میں چراغ جلائے حضرت عمرؓ نے مسجد میں خوشبو دار اور بخور کا انتظام بھی کیا۔ جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا۔ لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ موذن کو حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا اور ان کے کپڑے بساتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمرؓ نے ہی کیا۔ لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا۔ بلکہ اسلام کی سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا' کہ نمازیوں کے کپڑے گرد و خاک میں آلودہ نہ ہوں۔ (خلاصۃ الوفا ص ۱۷۴)

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال اوپر گزر چکا ہے لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لئے جدا جدا عنوان قائم نہیں کئے جا سکتے تھے' اس لئے ان کو یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہو گا۔

ان میں سے دفتر اور کاغذات کی ترتیب اور اس کی ضرورت سے سن اور سال کا قائم کرنا ہے حضرت عمرؓ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا' عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوئی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا یعنی جس سال ابرہۃ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا پھر عام الفجار اور اس کے بعد مختلف سنہ قائم ہوئے حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری مقرر کرنا اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک

چک پیش ہوئی صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا' حضرت عمرؓ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ اسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا' اکثر نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ ہرمزان جو خورستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لا کر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اس کو ماہ روز کہتے ہیں اور اس میں تاریخ اور مہینہ دونوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتداء کب سے قرار دی جائے حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہیے لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا۔[1]

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش کے قبیلہ میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے۔ یہاں تک کہ جب ۱۴ھ میں ابلہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا۔ جس کو حساب کتاب آتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک ۱۴ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور صلے میں اس کی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔[2]

مختلف قسم کے رجسٹر سب سے مشکل اور پیچ روزینہ داروں کا حساب تھا۔ جو اہل عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی مثلاً بہادری کے لحاظ سے' شرافت کے لحاظ سے پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے' اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی اس صیغہ کے حساب و کتاب کی درستی کے لئے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے قابل لوگوں کو مامور کیا' مثلاً دارالخلافہ میں عقیل بن ابی طالب مخرمہ بن نوفل جبیر

۱۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۸۔ ۲۔ طبری صفحہ ۲۳۸۸۔

بن مطعم کو، بصرہ میں مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ میں عبداللہ بن خلف کو۔

دفتر خراج تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے تھے۔ فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کے کاغذات کا حساب بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا زکوۃ اور صدقہ میں جو مویشی آتے تھے، بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ انکے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے، جانوروں کا حلیہ رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔۱

مصارف جنگ کے کاغذات مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کی معزولی اسی بناء پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔۲۔ جلولہ کی فتح میں جو ۱۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا۔

مردم شماری کے کاغذات زکوۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے نقشے تیار کرائے گئے تھے۔ مثلاً سعد بن ابی وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں۔ ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی۔ چنانچہ اس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام میں رہتا تھا۔۳۔

۱۔ طبری صفحہ ۲۷۳۶۔ ۲۔ الاصابہ فی احوال الصحابہ تذکرہ خالد بن ولید۔

۳۔ طبری صفحہ ۲۴۶۵۔

کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ اس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اس کو لپیٹ کر رکھتے تھے۔ بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی بہیاں ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ خلیفہ سفاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

سکہ سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا۔ وہ عبدالملک بن مروان ہے۔ لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمر فاروقؓ ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔

جب امیرالمومنینؓ خلیفہ ہوئے اور خدا نے انکے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا تو انہوں نے سکہ کے معاملہ میں کچھ دخل نہ دیا۔ بلکہ پرانے سکے جو جاری تھے بحال رہنے دیئے۔ ۱۸ھ میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفیر آئے جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے۔ احنف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں۔

حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسار کو بھیجا۔ جنہوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی جس کا نام نہر معقل ہے اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل حضرت عمرؓ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کیلئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔ اسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے اپنے سکہ کے درہم جاری کئے جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمرؓ کے سکوں پر الحمد للہ اور بعض سکوں پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا الہ الا اللہ وحدہ لکھا ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اخیر زمانے میں دس درہم مجموعی رقم کا وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔ ۲

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکہ میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے۔ بغلی آٹھ دانگ کا۔ طبری چار دانگ کا۔ مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمرؓ نے

۱۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۹۵۰۔

۲۔ دیکھو کتاب النقود الاسلامیہ لامقریزی مطبوعہ جوائب ۱۲۹۸ھ صفحہ ۴' ۵۔

حکم دیا کہ بغلی چونکہ زیادہ چلتے ہیں۔ اس لیے دونوں کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی درہم چھ وانگ کا قرار پایا۔[1]

ذمی[2] رعایا کے حقوق

پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ حضرت عمرؓ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے اسکا مقابلہ اگر اس زمانے کی سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہو گا۔ حضرت عمرؓ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم و فارس تھیں ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق' غلاموں سے بھی بدتر تھے' شام کے عیسائی بلوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے' تاہم انکو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا۔ بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کیے جاتے تھے' چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکے۔ کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے انکی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

حضرت عمرؓ نے جب ان ممالک کو زیر نگیں کیا تو دفعتہً" وہ حالت بدل گئی۔ جو حقوق ان کو دیئے گئے اس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم ان کو اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہو گی اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے بایں ہمہ دعویٰ تہذیب اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو کہیں دیئے ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل اور باقی مجمل ہیں کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل عمل کا باعث تھا اس لئے اکثر معاہدوں

---

[1] الاحکام السلطانیہ للماوردی صفحہ ۱۴۷۔

[2] ذمی سے وہ قومیں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں۔

میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

بیت المقدس کا معاہدہ

هذا ما اعطى عبدالله عمر امير المومنين اهل ايلياء من الامان اعطاهم امانا لانفسهم و اموالهم ولكنائسهم و صلبانهم و سقيمها بريها و سائر ملتها انه لا يسكن كنائسهم ولا تهمد مرد لا ينقص منها ولا من حيز ها ولا من صلبهم ولا من شئی من اموالهم ولا يكرهون على دينهم ولا يضار احد من اليهود و على اهل ايليا ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المدائن و عليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوص فمن خرج منهم فهوا من على نفسه و ماله حتى يبلغوا مامنهم و من اقام منهم فهو آمن و عليه مثل اهل ايلياء من الجزية و من احب من اهل ايلياء ان يسير بنفسه و ماله مع الردم و يخلى بيعهم و صلبهم فانهم امنون على انفسهم و على بيعهم و صلبهم حتى يبلغوا ما منهم و على ما فى هذا الكتاب عهدا الله و ذمة رسوله و ذمة الخلفاء و ذمة المومنين اذا اعطو الذى عليهم من

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان۔ مال۔ گرجا۔ صلیب، تندرست اور بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اور اس کی جان اور مال کو امن ہے تاکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرلے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہو گا اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہیے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ

الجزية شهد علی ذالک خالد بن الولید و عمرو بن العاص و عبدالرحمن بن عوف و معاویۃ بن ابی سفیان و کتب و حضر اسۃ (دیکھو تاریخ ابو جعفر جریر طبری۔ فتح بیت المقدس)

اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا رسول خدا کے خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمرو بن العاص اور عبدالرحمن بن عوف اور معاویہؓ بن ابی سفیان اور یہ ۱۵ھ میں لکھا گیا۔

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کی جان' مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ تو وہ توڑے جائیں گے نہ ان کی عمارات کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا یکرھون علی دینھم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا۔ اس لئے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے۔ یونانی بلوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے۔ تاہم ان کے لئے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں اور نکل جانا چاہیں تو نکل جا سکتے ہیں دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہو گا۔ اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اس پر بھی ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں سب محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم' مفتوحہ ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر انصافانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ فوراً اس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے۔ امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرۃ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل' مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اور اس

نے اس کو قتل کر ڈالا۔ا۔ مال اور جائداد کے متعلق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے؟ کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضے میں تھیں اسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے ان کے قبضے میں تھیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصل ملکی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

بندوبست مالگزاری میں ذمیوں کا خیال مال گزاری جو مشخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی تھی اس پر بھی حضرت عمرؓ کو یہ خیال رہتا تھا کہ کہیں ان پر سختی تو نہیں کی گئی چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو ۱۰ شخص کوفہ اور ۱۰ شخص بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان سے چار دفعہ بتاکید قسم لیتے تھے کہ مالگزاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے۔۲۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسران بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی۔۳۔

ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے کہ انتظامات ملکی میں ان کو حصہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ ان انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا۔ ذمیوں کے مشورے اور استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے' عراق کا بندوبست جب پیش آیا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مالگزاری کے حالات دریافت کئے۔ مصر میں جو انتظام کیا اس میں مقوقس سے اکثر رائے لی۔۴۔

جان و مال و جائداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیئے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے' بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ ان کی پابندی کی جاتی تھی۔ شام کے ایک کاشت کار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا۔

۱۔ الدرایہ فی تخریج احادیث الهدایة مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۴۰۔

۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ ۳۔ کتاب الخراج صفحہ ۲۱ میں ہے قال شهدت عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث او اربع واقفا علی حذیفة بن الیمان و عثمان بن حنیف وهو یقول لهما لعلکما حملتما الارض مالا تطیق۔ ۴۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۷۴۔

حضرت عمرؓ نے بیت المال سے ۱۰ ہزار درہم اس کو معاوضہ دلوائے۔۱ اضلاع کے احکام کو تاکیدی فرمان بھیجتے تھے کہ ذمیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے۔ خود بالمشافہ لوگوں کو اس کی تاکید کرتے رہتے تھے قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے لوگوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا اس لئے ان کو سزا دی جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آخر ان کا کیا عذر ہے؟ لوگوں نے کہا "ناداری" فرمایا کہ چھوڑ دو' اور ان کو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم اللہ یوم القیامتہ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "لوگوں کو تکلیف نہ دو' جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب پہنچائے گا۔

ذمیوں کی شرائط کا ایفا حضرت ابو عبیدہؓ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اس میں یہ لفظ تھے

وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرلر بھم واکل اموالھم بحلھا ووف لھم بشر طھم الذی شرطت لھم فی جمیع ما اعطینھم۔۲	مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں' نہ ان کو نقصان پہنچانے پائیں نہ ان کے مال بے وجہ کھانے پائیں اور جس قدر شرطیں تم نے ان سے کی ہیں سب وفا کرو۔

حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب خلیفہ ہونے والے شخص کے لئے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی۔ اس وصیت نامہ کو امام بخاری' ابوبکر بیہقی' جاحظ اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے اس کا اخیر فقرہ یہ ہے۔

ولوصیہ بذمتہ اللہ وذمتہ رسولہ ان یوفی لھم بعھدھم ولن یقاتل من ورائھم ولن لا یکلفوا فوق طاقتھم۳	یعنی میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔ ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۸۲۔
۳۔ صحیح بخاری صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ میرٹھ۔

جائے اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان
کو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔

غرفہ ایک صحابی تھے ان کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی۔ غرفہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جاکر شکایت کی انہوں نے غرفہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی، غرفہ نے واقعہ بیان کیا۔ عمرو بن العاص نے کہا۔ "ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے" غرفہ نے کہ۔ "نعوذ باللہ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی کہ رسول اللہ کو اعلانیہ گالیاں دیں۔ اس سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم ان کی طرف سینہ سپر ہو کر لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل نہ ہوں عمرو بن العاص نے کہاں یہ سچ ہے۔[1] اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے۔

مذہبی امور میں آزادی مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی تھی وہ ہر قسم کی رسوم مذہبی ادا کرتے تھے۔ علانیہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے ان کے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے۔ بالکل برقرار رکھے گئے تھے مصر میں اسکندریہ کا پٹریارک بنیامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو ۲۰ھ میں اس کو تحریری امان لکھ کر بھیجی وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور پٹریارک کی کرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (صفحہ ۴۹۲ جلد اول) میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ معاہدات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا بھی حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے۔

لا یغیرون عن ملته ولا یحال بینهم وبین شرائعهم[2]	ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا اور ان کے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ غرفہ۔ [2] طبری صفحہ ۲۶۳۳۔

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لھم الامان علی انفسہم و اموالھم و ملکھم و شرائعھم ولا تغیر من شئی من ذلک۔۱

ان کے جان اور مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا۔

آذر بائیجان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی:

الامان علی انفسھم و اموالھم و شرائعھم۔۲

جان' مال' مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے:

الامان علی اموالھم و انفسھم و ملتھم وشرائعھم

جان' مال' مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا۔ لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا۔ ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا ان کا ایک عیسائی غلام تھا' اس کو ہمیشہ سلام قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے' لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔۳

مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جا سکتا ہے' وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تھا تو بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا۔ مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے۔ ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی جس کی مقدار دونوں سے زیادہ تھی اس کے سوا عشور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا البتہ اس کی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی بیت المال سے والنٹیروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہیں ملتی تھیں ذمی بھی اس میں برابر کے شریک تھے' سب

۱۔ طبری صفحہ ۲۶۵۸۔ ۲۔ طبری صفحہ ۲۶۶۳۔ ۳۔ کنزالعمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد پنجم ۲۴۹۔

سے بڑھ کر یہ (اور در حقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے) کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمانوں اپاہج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ مرعی تھی' اول اول یہ قاعدہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن الولید نے حیرہ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل لواصابه آفة من الآفات لوكان غنيا فافتقر وصارا هل دينته يتصدقون عليه طوحت جزيته و عيل من بيت مال المسلمين و عياله ما اقاموا بدار الهجرة و دارالاسلام ولو ذهبوا فليس على المسلمين النفقة على عيالهم

(کتاب الخراج ص ۸۵)

اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آئے یا پہلے دولت مند تھا پھر غریب ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا۔ اور اس کو اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا

یہ قاعدہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمرؓ نے اس کو قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو یہ لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت انما الصدقات للفقراء والمسکین (صدقہ اور خیرات فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہے) اس میں فقراء کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کہ بھیک کیوں مانگتا ہے؟

اس نے کہا۔ "مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں۔"

حضرت عمرؓ اسکو ساتھ گھر لے آئے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کیلئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا اور یہ بھی فرمایا کہ "واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں انکو نکال دیں" (کتاب الخراج ص ۷۲)

ذمیوں کی عزت کا خیال

ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی قدر استحفاظ تھا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا' ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ

خیال کیا جاتا تھا۔ عمیر بن سعد جو حمص کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا اخزاک اللہ یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے اس پر ان کو اس قدر ندامت اور تاسف ہوا' کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی۔ (دیکھو ازالتہ الخفاء صفحہ ۲۰۳)

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی ان کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا' آج کل جن حکومتوں کو تہذیب و ترقی کا دعوی ہے رعایا کے ساتھ ان کی تمام عنایت اسی وقت تک ہے' جب تک ان کی طرف سے کوئی پولٹیکل شبہ نہ پیدا ہو۔ ورنہ دفعتہ" وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پر غیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کا قدم کسی حالت میں جادہ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام عربسوس تھا اور جس کی دوسری سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ لیکن یہاں کے لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور ادھر کی خبریں ان کو پہنچاتے رہتے تھے عمیر بن سعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی اس کمینہ خصلت کا جو انتقام لیا تھا وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ جس قدر ان کی جائداد' زمین مویشی اور اسباب ہے سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دے دو اور ان سے کہو اور کہیں چلے جائیں اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو ایک برس کی مہلت دو۔ اور اس کے بعد جلا وطن کر دو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۷)

کیا آج کل کوئی قوم اس درگزر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟

ذمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیوں نے ہر موقع پر خود اپنی ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانوں کے لئے رسد بہم پہنچاتے تھے لشکر گاہ میں مینا بازار لگاتے تھے' اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل تعمیر کراتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی

کرتے تھے یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آ کر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن انہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا "جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے۔" عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا "خدا کی قسم تم رومیوں کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو۔"

اخیر میں ہم کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یا خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ ناانصافانہ سلوک کیے۔

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنار باندھیں۔ لمبی ٹوپیاں پہنیں۔ گھوڑوں پر کاٹھی کسیں، نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں۔ شراب اور سور نہ بیچیں ناقوس نہ بجائیں۔ صلیب نہ نکالیں بنو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ ان سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے، جلاوطن کر دیئے۔

بے شبہ یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں اور ہم ان کے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے کیونکہ ایک زمانہ دراز کے تعصب اور تقلید نے واقعات کے چہرے پر بہت سے پردے ڈال دیئے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا لباس کی بحث میں تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جس لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی آیا وہی لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا یا حضرت عمرؓ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا ہے جس شخص نے عجم کی قدیم تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

حضرت عمرؓ کا معاہدہ جس کو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے، اگرچہ راویوں نے اس کو بہت کچھ کم و بیش کر دیا ہے تاہم جہاں ذمیوں کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم

فلاں فلاں لباس نہ پہنیں گے وہاں یہ الفاظ بھی ہیں ۱؎- وان نلزم زینا حیث ماکنا" یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آتے تھے۔" اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا لباس تھا۔

زنار جس کا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان میں ہے اس کی نسبت ہمارے فقہاء نے اکثر غلطیاں کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ انگل برابر موٹا ایک قسم کا جنیو ہوتا تھا' اور اس سے ذمیوں کی تحقیر مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے کہ زنار کے معنی پیٹی کے ہیں اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اس معنی میں مستعمل ہے' پیٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں اور اس لحاظ سے زنار اور منطقہ مترادف الفاظ ہیں ان دونوں الفاظ کا مترادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے۔

کنز العمال' بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا وتلز مواھم المناطق یعنی الزنا نیر اسی زنار کو کستیج بھی کہتے تھے' چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنار کے کستیج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ بہرحال اہل عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب "التنبیہ و الاشراف" میں لکھا ہے کہ "عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب مروج الذہب میں لکھی ہے۔" ایک قطعی دلیل اس بات کی یہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا۔ یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لیے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا۔ لمبی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں جس کا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے اس درباری لباس میں پیٹی بھی داخل تھی۔ اور یہ وہی زنار یا منطقہ یا کستیج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی۔ منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مورخین عرب نے تصریح کی ہے کہ عجم کی تقلید تھی اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لباس کی نسبت تمام مورخین عرب نے تصریح کی ہے ۔ وہ اگر کوئی جدید لباس تھا' اور ان کی تحقیر کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اس کو اپنا اور اپنے درباریوں کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

صلیب اور ناقوس کی بحث ذمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے شراب بیچنے' صلیب نکالنے ناقوس پھونکنے' اصطباغ دینے سے روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے

۱؎ جلد دردم صفحہ ۳۰۲۔ ۲؎ کنز العمال جلد دوئم صفحہ ۳۲۰۔ ۳؎ کتاب مذکور صفحہ ۱۰۸۔

لیکن میں بیباکانہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدوں کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے جاری کئے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مورخوں نے ان قیدوں کا ذکر چھوڑ دیا اور اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی

ولا یرفعوا فی نادی اھل الاسلام صلیبا[1] یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربوا نواقیسھم ایتہ ساعتہ شاؤ امن الیل او نھار الا فی اوقات الصلوۃ[2] یعنی ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں، بجز نماز کے اوقات کے، سور کی نسبت یہ الفاظ تھے ولا یخرجوا خنزیراً من منازلھم الی افنیتہ المسلمین یعنی ذمی سور کو مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لے جائیں۔

ان تصریحات کے بعد کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا یا ناقوس بجانا عموماً منع نہ تھا، بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کہی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر بنی تغلب عیسائیوں کی اولاد کا اصطباغ دے دینا تھا اور یہ گویا اس

اصطباغ نہ دے سکنا

بات کی حفاظت ہے کہ آیندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے پائے۔ بے شبہ حضرت عمرؓ کو عام طور پر اس رسم کو روکنے کا کچھ حق نہ تھا لیکن اس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا۔ یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائے گی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی، یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہو گا کہ اس کو اصطباغ دے کر عیسائی بنا لیں۔

حضرت عمرؓ نے اس صورت خاص کے لئے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اس کو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے کیونکہ جب اس کا باپ مسلمان ہو گیا، تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔

علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں علی ان لا ینصروا ولیدا ممن اسلم اباؤھم یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۸۶۔

جن کے باپ مسلمان ہو چکے ہیں ان کی اولاد کو عیسائی بنا سکیں۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں۔

ان لا ینصروا اولادھم اذا اسلم اباءھم (طبری ص ۲۴۲۳)

یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدے کو سخت کیوں کیا، لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا، بلکہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہوں نے معاہدہ کے لیے یہ شرائط پیش کی تھیں۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لئے عیسائیوں کو اگر یہ حکم دیا جائے کہ مسلمانوں کی مجلسوں میں صلیب اور سور نہ لائیں۔ خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں۔ نو مسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطباغ نہ دیں۔ تو کیا کوئی شخص اس کو تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مورخوں نے ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا۔ بلکہ قدماء میں بھی یہ تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے، روایت ہے ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں ابن الاثیر وغیرہ نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا، رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عرب زبان سرتاپا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہاء چونکہ تاریخ سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے انہوں نے بے تکلف انہی غلط روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فقہ کے مسائل تفریع کر لئے۔

عیسائیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلاوطن کرنے کے معاملے میں حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے خیبر جب فتح ہوا ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جس وقت مناسب ہو گا تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبداللہ بن عمرؓ کو ایک دفعہ بالا خانے سے دھکیل دیا۔ جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آیا مجبوراً حضرت عمرؓ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان کیں اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا۔ چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشروط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

۱؎ طبری صفحہ ۳۵۔ ۲؎ طبری صفحہ ۲۵۰۹۔

نجران کے عیسائی یمن اور اس کے اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا لیکن انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کئے حضرت عمرؓ نے صرف اس ضرورت سے ان کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔-۲

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولٹیکل ضرورتوں کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے تو حضرت عمرؓ نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ ان کی زمین اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے، چنانچہ متعینہ قیمت حضرت عمرؓ نے بیت المال سے ان کو دلوا دی۔-۳۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی ان کی زمین کی قیمت دلوا دی۔-۴

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا، تو ان کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں، ان کو امن کا جو پروانہ دیا اس میں یہ شرطیں لکھیں۔

عراق یا شام جہاں یہ لوگ جائیں، وہاں کے افسران کی آبادی اور زراعت کے لئے ان کو زمین دیں، جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے جائیں وہ ان کی مدد کرے، ۲۴ مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدہ کو بالفاظہا نقل کیا ہے۔-۵

ایک ایسی فوج جس کی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جا سکتی ہے۔

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تین زبانوں (اردو، انگریزی، عربی) میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضرور ہے۔

جزیہ کی بحث جزیہ کا موضوع اور مقصد، اگرچہ شروع اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا ہے کہ

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۵ کتاب الخراج صفحہ ۲۹۔ ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۴۲۔ ۳۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۹۔ ۴۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۹۔ ۵۔ کتاب مذکور صفحہ ۴۱۔

احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ اولاً تو انہوں نے نوشیرواں کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں اور اس طریقے سے گویا صاف بتا دیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے اسکے علاوہ موقع بہ موقع عملی طور پر اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پر خطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے' اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصوں سے ہٹ آئیں اور انکو یقین ہوگیا کہ جن شہروں سے وہ جزیہ وصول کر چکے تھے' یعنی حمص دمشق وغیرہ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہیں اٹھا سکتے تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کردی اور صاف کہہ دیا کہ اس وقت ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اسلئے جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی انکو باوجود انکے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے خود ۱۷ھ میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ:-

استعینوا بمن احتاجو الیہ من الا ساورة و یرفعوا عنھم الجزء۔	یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو' اس سے مدد لے لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تو اس سال کا جزیہ اس کے لئے معاف کر دیا گیا۔ ۲۲ھ میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا۔

و من حشر منھم فی سنة وضع عنه جزاء تلک السنة	یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے۔ اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔

اسی سال آرمینہ کے رئیس شہزبراز سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے۔

وعلی اھل ارمینة ان ینفروا الکل غارة و ینفذوا الکل امر ناب اولم یلب راہ الوالی صلاحا علی ان توضع الجزاء ۲؎

اس سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی۔

۱؎ طبری ص ۲۴۹۷

۲؎ طبری ص ۲۶۶۵

ان لكم الذمنه و علينا المنعته علی ان علیکم من الجز آء کل سنة علی قدر طاقتکم و من استعنا به منکم فله جز آئه فی معونة عوضا عن جزاءه (ایضاً)

یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہو گا اور اگر تم سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدلے جزیہ معاف ہو جائے گا۔

غرض حضرت عمرؓ کے اقوال سے معاہدوں سے' طرز عمل سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ جزیہ کا موضوع کیا تھا' اور وہ کس غرض سے مقرر کیا تھا۔

جزیہ کا صرف فوجی مصارف پر محدود تھا' یعنی اس رقم سے صرف اہل فوج کیلئے خوراک' لباس اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے جہاں جہاں جزیہ مقرر کیا اسکے ساتھ جنس اور غلہ بھی شامل کیا۔ مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد دراصل چار دینار تھی لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گیہوں' روغن' زیتون' شہد' سرکہ لیا جاتا تھا اور یہی اہل فوج کی خوارک تھی' البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقد کر دی گئی اور جنس کی بجائے چار دینار لئے جانے لگے۔ (فتوح البلدان ص ۲۱۶)

غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے مختلف طریقوں' سے اسکے رواج کو کم دیا۔ اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں' بلکہ برابری اور ہمسری رہ گئی۔ عرب میں انہوں نے سرے سے اسکا استیصال کر دیا۔ اور اس میں انکو اس قدر اہتمام تھا کہ عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے۔ اسکے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے انکا

عرب کا غلام نہ ہو سکنا

یہ قول ہے کہ لا یسترق عربی یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔[1] اگرچہ بہت سے مجتہدین اور آئمہ فن نے انکے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا۔ امام احمد حنبلؒ کا قول ہے لا اذهب الی قول عمر لیس علی عربی ملک۔[2]

۱۔ کنزالعمال میں امام شافعی کی روایت ہے کہ یہ قوم منقول ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۳۱۲ جلد دوم۔
۲۔ منتقٰی الاخبار لابن تمیہ۔

یعنی میں عمرؓ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے لیکن یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں' یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ تھا۔

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو اہل فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا ان کی غلامی میں دے دی جائے' ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں' حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بندی کی لیکن غلامی کے لئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا۔ اس لئے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا۔ جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح ہوئے ان کی وسعت کئی ہزار میل تھی جس میں کروڑوں آدمی بستے تھے' لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے' اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکہ جنگ میں شریک تھے عراق اور مصر میں جو بجائے خود مستقل مملکتیں ہیں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا' یہاں تک کہ جب مصر کے بعض دیہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دیئے گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے سب کو جا بجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا کہ ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا۔ چنانچہ مورخ مقریزی نے ان دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔[1]

شام کے شہروں میں بصریٰ۔ فحل۔ طبریہ۔ دمشق۔ حمص۔ حماۃ۔ عسقلان انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور شور سے لڑے۔ غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے جہاں اسیران جنگ غلام بنائے گئے۔ فارس' خوزستان' کرمان' جزیرہ وغیرہ میں خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دیئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہو گا۔ صامغان۔ جندی۔ سابور۔ شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لا یسبوا یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے

مناذر میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو' اور خراج و جزیہ مقرر کرو۔[2] ابو موسیٰ اشعریؓ کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔[3]

1۔ مقریزی جلد اول صفحہ ۱۲۶۔ 2۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۷۷۔ 3۔ کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۱۲۔

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا۔ یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جا سکتی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی ۔۱۔ یہ قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی بھی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی چنانچہ مورخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جس کو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر رقم ادا کروں گا جب وہ زرمعینہ ادا کر دیتا ہے تو وہ بالکل آزاد ہو جاتا ہے یہ قاعدہ خود قرآن مجید میں موجود ہے۔

فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا لیکن فقہاء اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے' یعنی آقا کو اختیار ہے کہ معاہدے کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو وجوبی قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انسؓ کے غلام سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی۔ انسؓ نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا حضرت عمرؓ نے اس کو درے لگائے اور مذکورہ بالا آیت سند میں پیش کی۔ آخر انس کو مجبوراً ماننا پڑا۔

حضرت شہربانو کا قصہ اس موقع پر شہربانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اس کا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ حضرت عمرؓ نے عام لونڈیاں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں' اور اس سے ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک فہیم امین کو' ایک محمد بن ابی بکر کو' ایک عبداللہ بن عمرؓ کو عنایت کی' اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہ تھا ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے اولاً تو زمخشری کے سوا طبری' ابن الاثیر' یعقوبی' بلاذری' ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔

۱۔ علامہ صاحب کو اس میں غلطی لگی ہے۔ حضرت عمرؓ کی ایجاد نہیں۔ بلکہ حکم نبوی ہی یہی ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں ہوا۔ مدائن کے معرکے میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں پھرتا رہا۔ مرو میں پہنچ کر ۳۰ھ میں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اس کی آل اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمر ۱۲ برس کی تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال کے بعد پیدا ہوئے اور فارس ۱۷ھ میں فتح ہوا۔ اس لیے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہو گی۔

اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہو گی اور حضرت علیؓ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے غرضیکہ کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہے اس میں وہی برتاؤ کیا گیا جو تہذیب و انسانیت کا مقتضا تھا اور جو آج بھی تمام مہذب ملکوں میں جاری ہے عمرو بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی تو اول بلبیس پر حملہ ہوا سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جس کا نام ارمانوسہ تھا یہیں مقیم تھی' وہ بھی گرفتار ہوئی۔

شاہی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ

عمرو بن العاص نے اسکو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کیلئے اپنے ایک سردار کو جس کا نام قیس بن ابی العاص سہمی تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے۔ (مقریزی جلد اول ۱۸۴)

عام غلاموں کے ساتھ مراعات

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمرؓ نے غلامی کے روکنے کے لئے کئے لیکن جو لوگ غلام بنا لئے گئے تھے ان کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی' فوج کے انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کی

بھی انہیں کے برابر تنخواہ مقرر کی بعد کی تمام کارروائیوں میں بھی انہوں نے یہ اصول ملحوظ رکھا۔ اضلاع کے جو عمال تھے ان کی نسبت وہ اور اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا ہے چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتے تو صرف اسی جرم پر ان کو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔ (طبری ص ۲۷۷۵)

اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔ سرداران فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے' تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائے گی اور فوج کو اس کا پابند ہونا ہو گا۔ چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے۔ ان عبدالمسلمین من المسلمین و ذمتہ من ذمتھم یجوز امانہ (کتاب الخراج ص ۱۲۶)

غلاموں کو اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا

غلاموں کے لیے بڑی تکلیف کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے' بیٹا باپ سے چھٹ جاتا تھا۔ بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی' آج جو لوگ غلامی کی برائیوں پر مضامین لکھتے ہیں اور اسی واقعہ کو درد انگیز صورت میں دکھاتے ہیں' حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ ہونے پائے یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی میں رہے' باپ' بیٹے' بھائی' بہن ماں بیٹیاں بکتی تھیں تو ساتھ بکتی تھیں اور جن کی غلامی میں رہتی تھی ساتھ رہتی تھیں۔

اس باب میں ان کے جو احکام ہیں ان کو کنزالعمال میں متدرک حاکم بیہقی مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

لا یفرق بین اخوین اذا بیعا لا یفرقوبین الام و ولدھا لا یفرق بین السبایا واولادھن۔

یعنی جو دو بھائی بیچے جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ بیچا جائے۔ یعنی بچہ ماں سے الگ نہ کیا جائے۔ یعنی لونڈی غلام جو گرفتار ہو کر آئیں تو بچے ماں سے علیحدہ نہ کئے جائیں۔

حضرت عمرؓ نے اس باب میں تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا۔ و تقطعوا ارحامکم اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو

سکتا ہے چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔۱

حضرت عمرؓ نے جب مسمط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا اور ان کے بیٹے شرحبیل کو کوفہ میں کسی کام پر مامور کیا تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دور پھینک دیا ہے۔۲

غلاموں میں اہل کمال حضرت عمرؓ نے غلاموں کو جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو نمونے دکھلائے اس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہو گئے۔ جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہ جو آئمہ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے اور جن کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ کی اجازت دی تھی۔ نافع جو امام مالک کے استاد تھے۔ اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلہ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں' یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے۔

علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدین کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں لوگ کنیزوں اور کنیز زادوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ لیکن جب قاسم (حضرت ابو بکرؓ کے پوتے) اور سالم (حضرت عمرؓ کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لونڈی غلاموں کی قدر بڑھ گئی۔" لیکن ہمارے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصلی سبب حضرت عمرؓ کا طریق عمل تھا بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدین کا نام اس سلسلے میں لینا بے ادبی خیال کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلے پر اثر کیا' لیکن اگر حضرت عمرؓ نے امہات اولاد کا وہ رتبہ قائم نہ کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہاتھ آتا؟

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ایجاد کیا تھا اور نہ خدانخواستہ ان کو یہ حق تھا غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود پیغمبر اسلام کا مقصد تھا' اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ اسی مقصد کی تکمیل تھی۔ امام بخاری نے کتاب الادب المفرد میں غلاموں کے متعلق آنحضرت کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں ان سے اس دعویٰ کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

۱۔ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۶۔ ۲۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۸۔

سیاست و تدبیر' عدل و انصاف

عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریق سیاست میں فرق خلافت فاروقی' بسیط عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے اور کس قدر مختلف ملک' مختلف مذاہب' مختلف قومیں' اس کے دائرے میں داخل ہیں لیکن اس سرے سے اس سرے تک ہر طرف امن و امان اور سکون و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاہ و جلال گزرے ہیں جن کی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن ان کو یہ بات اس سیاست کی بدولت حاصل ہوتی تھی جس کے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر دفعۃ" انصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے۔ ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے۔ واقعات کے ثبوت میں یقین کے بجائے صرف قیاس سے کام لیا جائے وحشیانہ سزائیں دی جائیں۔ آبادیاں جلا کر برباد کر دی جائیں یہ اصول قدیم زمانہ تک محدود نہ تھے' اب بھی یورپ کو باوجود اس قدر تمدن و تہذیب کے انہیں قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ عربسوس والوں نے بار بار عہد شکنی کی تو ان کو جلا وطن کیا لیکن اس طرح کہ ان کی جائداد' مال اسباب کی مفصل فہرست تیار کرا کے ایک ایک چیز کی دوگنی قیمت ادا کر دی۔

نجران کے عیسائیوں نے خود مختاری اور سرکشی کی تیاریاں کیں اور ۴۰ ہزار آدمی بہم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرایا مگر اس رعایت کے ساتھ کہ ان کے جائداد وغیرہ کی قیمت دے دی۔

اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جدھر ان کا گزر ہو ان کے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں اور جب یہ کہیں مستقل قیام اختیار کر لیں تو چوبیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔[1]

حضرت عمرؓ کی مشکلات شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو ایسی رعایا ہاتھ آئی تھی۔ جس میں زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا مادہ تھا اور اس لئے ان کو جابرانہ سیاست کی

---

[1] ان واقعات کو ہم ذمیوں کے حقوق کے بیان میں اوپر لکھ آئے ہیں اور وہاں کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔

ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں، حضرت عمرؓ کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا۔ غیر قومیں جو حلقہ اطاعت میں آئی تھیں۔ پارسی یا عیسائی تھیں، جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں اس لئے ان کو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہو سکتا تھا اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحب ادعا موجود تھے جو حضرت عمرؓ کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مثلاً ایک مولفتہ القلوب کا گروہ تھا۔ جن کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنوامیہ کا حق ہے اور عمرؓ کسی میں سے نہیں عمرو بن العاص جو مصر کے گورنر تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو خراج کے معاملے میں تنگ پکڑا تو انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ خدا کی قدرت ہے؟ جاہلیت میں میرا باپ جب کمخواب کی قبازیب تن کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمرؓ کے والد) سر پر پگڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے کہ ان کے ہوتے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں تو علانیہ نقض خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالتہ الخفاء میں لکھتے ہیں۔ "زبیر و جمعے از بنو ہاشم درخانہ حضرت فاطمہؓ جمع شدہ درباب نقض خلافت مشورہا بکار می بروند۔ (ازالتہ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۲۹)

حضرت عمرؓ کی سطوت نے بنو ہاشم کے ادعا کو اگرچہ دبایا لیکن بالکل مٹ کیونکر سکتی تھی، اس کے علاوہ عرب کا فطری مذاق آزادی اور خود سری تھا اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے حضرت عمرؓ اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو مٹا کر حکومت کا رعب و داب قائم رکھتے تو چنداں قابل تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے۔ بارہا مجامع عام میں لوگ ان پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیاں کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے۔ شام کے سفر میں جب انہوں نے مجمع عام میں حضرت خالدؓ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برات بیان کی تو ایک شخص نے وہیں اٹھ کر کہا

والله ماعدلت یا عمر! لقد نزعت عاملا استعمله رسول الله و غمدت سیفا سله رسول الله ولقد قطعت الرحم و حسدت ابن العم

(اسد الغابہ تذکرہ احمد بن حفص المخزومی)

یعنی اے عمر! خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا، تو نے رسول اللہ کے عامل کو موقوف کر دیا۔ تو نے رسول اللہ کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا تو نے قطع رحم کیا تو نے اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ سب سن کر صرف یہ کہا کہ "تم کو اپنے بھائی کو حمایت میں غصہ آ

گیا۔"

ان حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا۔ کہ حضرت خالد کو عین اس وقت جب تمام عراق و شام میں لوگ ان کا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالدؓ کسی قسم کا خیال دل میں نہ لا سکے امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت محتاج بیان نہیں لیکن حضرت عمرؓ کے نام سے ان کو لرزہ آتا تھا۔ عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بیوجہ مارا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کے سامنے ان کو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے لگوائے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھا کیے۔ سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کو معمولی شکایت پر جواب دہی میں طلب کیا تو ان کو بے حد عذر حاضر ہونا پڑا۔

ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا۔ کسی مدبر اور فرمانروا کے حالات میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

ان کی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آئین حکومت میں شاہ و گدا' شریف و رذیل' عزیز و بیگانہ سب کا ایک رتبہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں

جبلہ بن الایہم غسانی۔ شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ اس نے بھی برابر جواب دیا۔ جبلہ غصے سے بیتاب ہو گیا اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا' حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت سن کر کہا کہ "تم نے جو کچھ کیا اس کی سزا پائی۔" اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ "ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی ہمارے آگے گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔" اس نے کہا کہ "اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں' تو میں اسلام سے باز آتا ہوں۔" غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ ملک کے تمام عہدہ داروں کو حج کے زمانے میں طلب کیا' اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے اس مجمع میں عمرو بن

العاص گورنر مصر اور بڑے بڑے رتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے' ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بے وجہ مجھ کو سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اٹھ اور اپنا بدلہ لے۔" عمرو بن العاص نے کہا! امیر المومنین! اس طریق عمل سے تمام عمال بے دل ہو جائیں گے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "تاہم ایسا ضرور ہو گا۔" یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ "اپنا کام کرو۔" آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے لے اور اپنے دعویٰ سے باز آئے۔

ایک دفعہ سرداران قریش ان کی ملاقات کو آئے۔ اتفاق سے صہیب' بلال' عمار وغیرہ بھی موجود تھے جن میں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے' حضرت عمرؓ نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابو سفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے' ان کو یہ امر سخت ناگوار گزرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ "کیا خدا کی قدرت ہے' غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔" ابو سفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا "بھائیو! سچ یہ ہے کہ ہم کو عمرؓ کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا' لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔" (کتاب الخراج ص ٦٦)

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافرت کا موقع پیش آیا۔ سرداران قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خوگر تھے' بڑے دعوے کے ساتھ منتظر رہے کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظ مراتب کا خیال کیا جائے گا اور فہرست میں ان کے نام سب سے پہلے نظر آئیں گے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کے تمام خیالات غلط کر دیئے۔ انہوں نے دولت و جاہ' زور و قوت' ناموری و شہرت اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہیں کم و بیش مقرر کیں' جو لوگ اول اسلام لائے تھے یا جہاد میں کارہائے نمایاں کئے تھے' یا آنحضرتؐ کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے ان کو غیروں پر ترجیح دی' جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے ان کی تنخواہیں برابر مقرر کیں۔ یہاں تک کہ غلام اور آقا میں کچھ فرق نہ رکھا حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا' اسی موقع پر اسامہ بن

زید کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی تو انہوں نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔"

"اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخریہ اپنے اپنے قبیلہ کی جے پکارتے تھے۔ اس فخر کے مٹانے کے لئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں ان کو سخت سزا دی جائے۔" ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضبہ کے قبیلہ سے تھا لڑائی میں یا آل ضبہ کا نعرہ لگایا۔ حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اس کی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔ (فتوح البلدان ص ۴۵۶)

اصول مساوات اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ "کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو۔" عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود اختیار نہ کریں۔

ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی۔ زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی۔

حضرت عمرؓ نے کہا یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی۔ یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بھید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھی تھی۔ سفر و حضر میں، جلوت و خلوت میں، مکان اور بازار میں کوئی شخص ان کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں قیصرو کسریٰ کے ایلچی مسجد نبوی میں آکر ڈھونڈتے تھے کہ شاہنشاہ اسلام کہاں ہیں حالانکہ شاہنشاہ وہیں پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے میں بیٹھا ہوتا تھا ان کے عمال ان کو اسی برابری کے القاب سے خط لکھتے تھے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی ادعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا۔ دل میں مکدر ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا، اس لئے عام ملک پر اس کا نہایت عمدہ اثر ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ روز بروز معتبر ہوتے گئے اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلان عام کے مقابلے میں اپنی خودرائی کے اظہار کی جرات نہ کر سکے۔

اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائل عرب میں جو انہیں بیہودہ مفاخر کی بناء پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جس کی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدان کارزار بن گیا تھا ان کی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المومنین کا پر فخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا۔ افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ کفار عرب آنحضرتؐ کو امیر مکہ کہا کرتے تھے۔ سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا۔[1]

حضرت عمرؓ کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیر المومنین کا لفظ ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا حضرت عمرؓ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کیفیت واقعہ بیان کی۔ اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اس کو شہرت عام ہو گئی۔[2]

اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انہوں نے خلافت اختیار کیوں کی؟ بے غرضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوان نعمت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے لیکن یہ خیال محض عامیانہ ہے حضرت عمرؓ بے شبہ خلافت سے ہاتھ اٹھاتے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اس کو سنبھال لیتا؟ حضرت عمرؓ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارگراں ان کے سوا کسی سے اٹھ نہیں سکتا! کیا ایسے وقت میں ان کی راست بازی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ دانستہ لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے خلافت سے دست بردار ہو جاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انہوں نے اسی دن خطبہ میں کہہ دیا تھا کہ

۱۔ مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب بامیر المومنین۔

۲۔ امام بخاری کی کتاب الادب المفرد مطبوعہ آرہ صفحہ ۱۸۴۔

لولا رجائی ان اکون خیر کم لکم و اقواکم علیکم واشد کم اطلاعا بمایبنوب من مهم امر کم ماتولیت ذالک منکم۔[1]

یعنی اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ کار آمد سب سے زیادہ قوی اور مہمات امور کے لئے سب سے زیادہ قوی بازو ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا۔

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہیں جو امام محمد نے موطا میں راویت کئے ہیں۔

لوعلمت ان احداً اقوی علی ھذا الا مرمنی لکان ان اقدم فیضرب عنقی اھون علی۔[2]

یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص' اس کام (خلافت کے) کے لئے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے کی بہ نسبت میرے نزدیک یہ زیادہ آسان تھا کہ میری گردن مار دی جائے۔

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کا ایک حرف بھی صحت اور واقعیت سے ہٹا ہوا ہے؟

سیاست حضرت عمرؓ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے' اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ دیگر تمام صحابہ سے علانیہ ممتاز ہیں جو ممالک دائرہ خلافت میں داخل تھے ان کی اصلی تین تقسیمیں تھیں۔ عرب ایران' شام و مصر اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب الگ الگ تدبیریں اختیار کیں عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا زور اور اقتدار قائم تھا' اس لئے ان کی پولٹیکل تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل رام ہو گئے۔ چنانچہ روسائے عراق میں ابن النخیر جان بسطام بن نرسی۔ رفیل۔ خالد۔ جمیل کے معقول روزینے مقرر کر دیئے۔ شام اور مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائداد نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے ان کی طرف سے چنداں اندیشہ نہ تھا' وہ رومی حکومت کی بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ انہوں نے بارہا کہا کہ ہم کو مسلمان رومیوں کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں۔" غیر قوموں کے ساتھ اگرچہ ان کا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ

۱۔ کتاب الاشراف بلاذری۔ ۲۔ کتاب مذکورہ مطبوعہ مصطفائی صفحہ ۱۲۴۔

تھا۔ چنانچہ اس کی بحث ذمیوں کے حقوق میں گزر چکی۔ لیکن زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔

مصر میں مقوقس مصر کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا۔ اس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کئے کہ وہ ناخریدہ غلام بن گیا اور اس کی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش اطاعت ہو گئی ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرا دیئے اور فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں جن کی وجہ سے سینکڑوں میل تک اثر پہنچتا اور کسی کو بغاوت کی جرات نہیں ہو سکتی تھی۔ کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا خاص اسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا۔ شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں ان کو مختلف پولٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو۔ ملکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا۔ اس کو علیحدہ کر دیتے تھے جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے ان کو اکثر دارالخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ "آپ لوگ دولت بہت جمع کر چکے ہیں۔" پھر فرمایا لا تخرجوا فتسللو یمینا و شمالا[1] ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا کہ "آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں۔" فرمایا اس کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے[2]۔" اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیئے۔ اور اس میں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔

اس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور مدبر اور صاحب ادعا تھے امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، چونکہ مہمات ملکی کے انجام دینے کے لئے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آ سکتا تھا۔ اس لئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیر کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے

---

[1] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱۔ [2] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱۔

باہر نہ ہونے پائیں ان کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو ان کو دبا سکتا چنانچہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوا کئے سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالیٹکس، حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کو اس باب میں تمام دنیا پر جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو کام کئے ان کا نام واقعی خدع۔ مکر۔ فریب ظاہر داری اور نفاق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں بڑے بڑے ریفارمر اس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی کسی کارروائی پر فریب اور حکمت عملی کا نقاب نہیں ہوتا تھا۔ وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے، اور لوگوں کو صاف صاف اس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے۔ حضرت خالدؓ کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیج دیا کہ:۔

انی لم اعزل خالد اعن سخطته ولا خیانته ولکن الناس فتنوابه فخفت ان یوکلو الیہ۔	یعنی میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں نہیں موقوف کیا بلکہ اس وجہ سے کہ لوگ انکے طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے اسلئے میں ڈرا کہ ان پر بھروسہ نہ کرلیں۔

مثنیٰ کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے اور فرمایا۔

لم اعز لهما عن دیبة ولکن الناس عظموها فخشیت ان یوکلوا الیهما۔[1]

بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں حضرت عبداللہ بن عباس سے صاف اس کی وجہ بیان کر دی چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت عمرؓ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور ان کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حکومت و انتظام کی کل میں نہایت موزوں پرزے استعمال کئے تھے۔

عہدہ داران سلطنت کا عمدہ انتخاب یہ عموماً مسلم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت، ان میں سب سے بڑھ کر تھی۔ اس ذریعہ سے انہوں نے تمام عرب کے قابل آدمیوں اور ان کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی اور انہی قابلیتوں کے لحاظ سے ان کو مناسب عہدے دیئے تھے سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ چنانچہ ان سب

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۲۸

کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں، اور درحقیقت ان لوگوں کے سوا شام و کوفہ و مصر پر کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

جنگی مہمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد وقاص۔ خالد۔ نعمان بن مقرن وغیرہ کو انتخاب کیا۔ عمرو بن معدی کرب اور طلیحہ بن خالد اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ان دونوں کی نسبت حکم دے دیا کہ ان کو کسی حصہ فوج کی افسری نہ دی جائے زید بن ثابت و عبداللہ بن ارقم انشاء و تحریر میں مستثنیٰ تھے ان کو میر منشی مقرر کیا۔ قاضی شریح، کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ، عبداللہ بن مسعود فصل قضایا میں ممتاز تھے ان کو قضا کی خدمت دی، غرضیکہ جس کو جس کام پر مقرر کیا، وہ گویا اس کے لئے پیدا ہوا تھا۔ اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مورخوں نے بھی کیا ہے۔ ایک مشہور عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ عمرؓ نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا رو رعایت کیا۔ اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزوں ہوا۔

بے لاگ عدل و انصاف

سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنایا اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ ان کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جس میں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی، ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آ جاتا تھا۔

ان کے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے ۸۰ کوڑے مارے اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضاء[1] کر گئے۔ قدامتہ بن مظعون جو ان کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ ان کو ۸۰ درے لگوائے۔

قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات سے واقفیت

حضرت عمرؓ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا

---

[1] ابو شحمہ کے قصے میں واعظوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو شرعی سزا دی اور اسی صدمہ سے انہوں نے انتقال کیا۔ (دیکھو معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمرؓ)

کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اس کو اختیار کرتے تھے۔ خراج' عشور' دفتر' رسد' کاغذات حساب ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا' البتہ جہاں کوئی نقص پایا اس کی اصلاح کر دی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو' چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں مالگزاری کی تشخیص کا کیا طریقہ[1] تھا۔ جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا۔ تاہم اس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری[2] نے جہاں نوشیرواں کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے۔

وھی الوضائع التی اقتدی بھا عمر بن الخطاب حین افتتح بلاد الفرس

یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو ان کی اقتداء کی۔

اس سے زیادہ صاف اور مصرح' علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے' علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی اور شیخ بو علی سینا کے معاصر و ہم پایہ تھے تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارت الامم[3] ہے' اس میں جہاں حضرت عمرؓ کے انتظامات ملکی کا ذکر کیا لکھا ہے کہ

وکان عمر یکثر الخلوۃ بقوم من الفرس یقرؤن علیہ سیاسات الملوک ولا سیما ملوک العجم الفضلا و سیما نوشروان فانہ کان معجبا بھا کثیر الاقتداء بھا۔

یعنی عمرؓ فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے' یہ لوگ ان کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا کرتے تھے خصوصاً شاہان عجم اور ان میں بھی خاص کر نوشیرواں کے اس لئے کہ ان کو نوشیروان کے آئین بہت پسند تھے اور وہ ان کی بہت پیروی کرتے تھے۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔ [2] تاریخ کبیر طبری صفحہ ۱۳۲۔

[3] یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ مسجد ایا صوفیا میں موجود ہے اور میں نے اسی نسخہ سے نقل کیا ہے۔

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمرؓ نے اس کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگار حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہنے پائے۔ انہوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا تھا' امام طبری لکھتے ہیں۔

وکان عمر لا یخفی علیہ شیئی فی عملہ کتب الیہ من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجائزہ من اجیز فیھا

یعنی عمرؓ پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب کی تحریری اطلاعیں ان کو پہنچیں۔

عراق کے معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو بن معدی کرب کو دوسرا حصہ نہیں دیا۔ عمرو بن معدی کرب نے وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا گھوڑا دوغلا ہے اسلئے اسکا حصہ کم ہو گیا۔ معدی کرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا۔ بولے کہ ہاں' دوغلا ہی دوغلے کو پہچان بھی سکتا ہے' حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی۔ عمرو بن معدی کرب کو سخت تنبیہہ کی جس کی وجہ سے ان کو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرائت نہیں ہوئی۔ نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے دولت و نعمت کے مزے میں پڑ کر انہوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المومنین یسوئہ تنادمنا بالجر سق المتھدم

غالباً امیر المومنین کو خبر پہنچے گی تو وہ برا مانیں گے ہم لوگ محلوں میں رندانہ صحبتیں رکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔[1] اصحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا۔ عہد نبوت میں وہ آنحضرتؐ کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے مصاحب السر کہلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ منافقین کا جو گروہ ہے ان میں سے کوئی شخص

---

[1] اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی۔

میرے عمالوں اور عہدہ داروں میں بھی ہے۔" انہوں نے کہا۔ "ہاں ایک شخص ہے!" حضرت عمرؓ نے نام پوچھا لیکن انہوں نے رازداری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کو معزول کر دیا۔ جس سے میں نے قیاس کیا کہ انہوں نے خود پتہ لگا لیا۔[۱] اسی تفحص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمال ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے' علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وکانو لا یدعون شیاء ولآ یاتونہ الا و امروہ فیہ۔[۲]	یعنی لوگ کوئی کام ان سے بغیر دریافت کے نہیں کرتے تھے۔

بیت المال کا خیال

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے' اور کسی قسم کی رقم اس کے احاطہ سے باہر نہیں سمجھتے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھاوا جمع تھا اس کی نسبت فرمایا کہ:۔

لقد هممت ان لا ادع فیهما صفراء ولا بیضاء الا قسمته۔[۳]	یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے سب لوگوں کو تقسیم کر دوں۔

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا۔ حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی' وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المومنین! اس میں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے کیونکہ میں ذوالقربی میں سے ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا! "جان پدر' تیرا حق میرے خاص مال میں ہے لیکن یہ غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا۔" وہ بیچاری خفیف ہو کر اٹھ گئیں۔[۴]

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کئے گئے۔ غرض وہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔

۱۔ اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان۔ ۲۔ طبری صفحہ ۲۴۸۷۔
۳۔ صحیح بخاری باب کسوۃ الکعبۃ۔ ۴۔ مسند امام احمد حنبل۔

ایک دفعہ بیمار پڑے لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں ۱۔" اس کارروائی سے طلب اجازت کے سوا یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامرہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے' خلافت کے مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا' صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضروریات بیان کیں اور کہا کہ بیت المال سے میں کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہوں۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں' حضرت علیؓ چپ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ "صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس۔" چنانچہ ان کے اور ان کی بیوی بچوں کے لئے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا ۲۔ فوجی روزینہ داروں میں جب بدریین (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لئے تنخواہیں مقرر ہوئیں تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سال' ان کے بھی مقرر ہو گئے۔ کروڑوں روپے کی آمدنی میں فاروق اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اس کی یہ تعداد تھی۔

ان کے معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے تھے زمین پر سو رہتے تھے۔ مہینوں گیہوں کا آٹا گھر میں نہیں پکتا تھا اس کی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ ان کو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آ جاتی تھی تو وہ بیدریغ خرچ بھی کرتے تھے چنانچہ حضرت ام کلثومؓ سے جب نکاح ہوا تو ان کے شرف اور خاندان نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا اور اسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیئے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اس لئے باوجود دولت مندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لے لیں گے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خمس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں چنانچہ اس کی بحث مفصل آگے آئے گی' انہوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا' حمص کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن

۱۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۴۔ ۲۔ تاریخ طبری واقعات ۱۵ھ۔

عباسؓ کو مقرر کرنا چاہا۔ لیکن ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے اس لئے بلا کر ان سے کہا کہ فی نفسی منک شئی یعنی میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے انہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا

انی خشیت علیک ان تاتی علی الفی الذی هوات (کتاب الخراج ص ۶۴)   یعنی مجھ کو ڈر ہے کہ تم محاصل ملکی پر تصرف نہ کرو۔

(۶۵) یہ صرف سوظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا' حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عبداللہ کو عامل مقرر کیا تو انہوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی اور جب حضرت علیؓ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے بارہ میں جو کفایت شعاری اور تنگ درزی برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی حضرت عثمانؓ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شورشیں کیں اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا۔ یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوالقربیٰ کی بناء پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے دارالخلافہ سے سینکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوئی تھیں جن کی ایک ایک حرکت ان کے اشاروں پر موقوف تھی۔ انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو۔ فقہ کی ترتیب اور افتاء جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا' اپنے ذاتی اشغال جدا تھے' تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کبھی ہرج نہیں ہوتا تھا۔ نہاوند کا سخت معرکہ جس میں تمام ایران امنڈ آیا تھا۔ پیش تھا کہ عین اسی زمانے میں

تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا

سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ کی شکایت گذری۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی۔ چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا۔ اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے مل کر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیئے اور اہل جزیرہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔

زیاد بن حدیر' دو ملکی کی تحصیل پر مامور تھے۔ انہوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی

قیمت بیس ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا اس نے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجئے اور ۱۹ ہزار مجھ کو حوالہ کیجئے' دوبارہ وہ عیسائی ان کی سرحد سے گزرا تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو۔ عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دے کر گھوڑے کو واپس لے' یہاں حضرت عمرؓ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ "سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جا سکتا۔"

ایک عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اس وقت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا جب وہؓ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں اس نے شکایت کی۔ فرمایا دوبارہ محصول نہیں لیا جا سکتا۔۱۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس جا کر کہا کہ "میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا میں حنیفی (مسلمان) ہوں جس نے تمہارا کام انجام دیا۔" عیسائی نے دریافتؓ کیا تو حضرت عمرؓ پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔

اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقروفاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے عام۔حکم تھا اور اس کی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج' ازکار رفتہ' مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں' لاکھوں سے متجاوز آدمی فوج دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا تو حکم ہوا کہ ایک جریب۔۲ آٹا پکایا جائے۔ پک کر تیار ہوا تو ۳۰ آدمیوں کو بلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکوایا اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا' دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک مہینے بھر کی خوراک کے لئے دو جریب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر آٹا مقرر کر دیا جائے اعلان عام کے لئے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اس کو گھٹائے گا اس سے خدا پوچھے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے۔

انی قد فرصت لکل نفس مسلمتہ فی شھر مدی حنطة وقسطی خل۔	یعنی میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔

۱۔ دونوں روایتیں کتاب الخراج صفحہ ۷۸' ۷۹ میں ہیں۔ ۲۔ قریباً ۲۵ سیر کا ہوتا ہے۔

غربا اور مساکین کے روزینے اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی' فرمایا' ہاں غلام کے لیے بھی۔ا۔ غربا اور مساکین کیلئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے انکے روزینے مقرر کر دیئے جائیں چنانچہ جیسا کہ ہم اوپر ذمیوں کے حقوق میں لکھ آئے ہیں' بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ انما الصدقات للفقراء والمسکین فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔

مہمان خانے اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ مدینہ منورہ میں جو لنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے۔

لاوارث بچے اولاد لقطہ یعنی گمنام بچے جن کو مائیں شاہراہ وغیرہ میں ڈال جاتی تھیں' ان کے لئے انتظام بیت المال سے کیا جائے۔۲۔ چنانچہ ان مصارف کے لیے اول سو درہم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی۔

یتیموں کی خبر گیری یتیموں کی پروش اور اگر ان کی جائداد ہوتی تھی' تو اس کی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اس کو ترقی دیتے رہتے تھے' ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا' کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے وہ زکوۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے تم اس کو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو واپس دو' چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔

قحط کا انتظام ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجب سرگرمی ظاہر کی' اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا۔ پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے' عمرو بن العاص نے بحر قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کئے جن میں ایک ایک میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا۔ حضرت عمرؓ ان جہازوں کے ملاحظہ کے لئے خود بندگاہ تک گئے جس کا نام جار تھا' اور مدینہ منورہ سے تین منزل ہے۔

۱۔ یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۴۶۰ میں ہے اور تمام تاریخوں میں ذرا ذرا سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے۔ ۲۔ بلاذری صفحہ ۴۵۲ و یعقوبی جلد ۷ صفحہ ۱۷۔

بندرگاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا نقشہ بنائیں۔ چنانچہ بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار ہوا' ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی جس کے مطابق اس کو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ چک پر حضرت عمرؓ کی مہر ثبت ۱ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کراتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے اس موقع پر یہ بات خاص طور پر جتا دینے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ کو اگرچہ ملک کی پروش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا لیکن ان کی فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کاہلی اور مفت خوری کا رواج دینا ہوتا تھا۔

رفاہ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی

ایشیا میں سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے لیکن لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے جہاں ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے دوسری طرف قوم کا دریوزہ گر ہونا اور انعام و بخشش پر لو لگائے رہنا ثابت ہوتا ہے یہی ایشائی فیاضیاں تھیں جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں آدمی ایسے پیدا کر دیئے ہیں جو خود ہاتھ پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور نذر و نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔

لیکن حضرت عمرؓ اس سے بے خبر نہ تھے' وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھی' وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی یا جنہوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی یا وہ ضعف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے۔ ان اقسام کے علاوہ وہ کبھی اور قسم کی فیاضی کو روا نہیں کر سکتے تھے۔

محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو اس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ "اب جو مانگنا ہے مانگ" علامہ ماوردی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں اور

---

۱ یہ تفصیل یعقوبی صفحہ ۷۷ میں ہے اخیر کے فقرے یہ ہیں ثم امر زید بن ثابت ان یکتب الناس علی منازلھم وامر ان یکتب مکاکا من قواطیس ثم یختم و اسافلھا فکان اول من صک وختم اسفل الصکاک اردب کم وبیش ۲ من کا ہوتا ہے۔

بلوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہہ و تادیب کرے اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمرؓ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے - وقد فعل عمر مثل ذلک بقوم من اهل الصدقة (الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصر ص ۲۳۵)

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے؟ اور جب لوگ کہتے کہ "نہیں تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا۔" ان کا مقولہ تھا کہ مکسبته فیها دناءة خیر من مسالہ الناس یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کی بہ نسبت اچھا ہے۔" مفت خوری کا موقع زیادہ تر تو علماء و صوفیا کو ملتا ہے۔ ان کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علماء کو انہوں نے علانیہ مخاطب کر کے کہا' لا تکونوا عیالًا علی المسلمین یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو۔ (سیرۃ العمرین لابن الجوزی)

جزئیات پر توجہ حضرت عمرؓ کی تاریخی زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا' تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کے لئے ان کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے۔ جن کا اختیار کرنا بظاہر شان خلافت کے خلاف تھا۔ لیکن ان کو کسی کام سے عار نہ تھا۔

روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور عسفان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے' ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے روزینہ داروں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا' ان کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب گھروں سے نکل آتے تھے' اور حضرت عمرؓ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے' اکثر ایسا ہوتا کہ دار الصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو کر ان کے دانت گنتے اور ان کا حلیہ قلمبند کرتے۔

محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں' وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں حضرت عمرؓ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالہ کرتے' مقام جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائے گا تم جواب لکھ رکھو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے۔ کاغذ

قلم و دوات خود مہیا کر دیتے' اور جس کے گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے لکھتے جاتے۔

رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل ان کی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت ان تک پہنچنے سے نہ رہ جائے۔ یہ معمول رکھا تھا کہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد میں بیٹھ جاتے اور جس کو جو کچھ ان سے کہنا سننا ہوتا کہتا۔ کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔[1] راتوں کو دورہ کیا کرتے' سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے۔ بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے ان سے ہر قسم کی پرس خود کرتے۔

سفارت ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں' اور وہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتے' اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آئیں اور جس طرح انہوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں اس کا حال عقد الفرید وغیرہ میں بتفصیل ملتا ہے۔

شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری ان تمام باتوں پر ان کی تسلی نہ تھی فرماتے کہ عمال رعایا کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا اس بناء پر ارادہ کیا تھا کہ شام' جزیرہ' کوفہ' بصرہ کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہریں لیکن موت نے فرصت نہ دی' تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر پیش آیا۔ دارالخلافہ کو واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا' سواری سے اتر کر خیمہ کے قریب گئے ایک بڑھیا عورت نظر آئی' اس سے پوچھا عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟

اس نے کہا۔ "ہاں' شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اس کو غارت کرے' آج تک مجھ کو اس کے ہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا۔"

حضرت عمرؓ نے کہا۔ "اتنی دور کا حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔"

---

[1] کنزالعمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰۔

بولی کہ "اس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے۔" حضرت عمرؓ کو سخت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔

ہم اس موقع پر متعدد حکایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ رعایا کے آرام و اسائش اور خبر گیری میں ان کو کس قدر سرگرمی اور ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اترا' اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے' پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی ادھر متوجہ ہوئے' دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے' ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر گزرے تو بچے کو روتا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا۔ کہ "تو بڑی بے رحم ماں ہے۔"

اس نے کہا کہ "تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے۔" حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہو گا۔" اسی دن منادی کرا دی کہ بچے جس دن پیدا ہوں' اسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔

اسلم (حضرت عمرؓ کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لئے نکلے' مدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی اس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے' حضرت عمرؓ اسی وقت اٹھے' مدینہ میں آکر بیت المال سے آٹا' گوشت' گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو' اسلم نے کہا میں لئے چلتا ہوں' فرمایا ہاں! لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے غرض سب چیزیں خود اٹھا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں اس نے آٹا گوندھا' ہانڈی چڑھائی' حضرت عمرؓ خود چولھا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے' عورت نے کہا۔ "خدا تم کو جزائے خیر دے سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمرؓ۔"

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے' ایک بدو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس جا کر بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کی' دفعتہ" خیمہ سے رونے کی آواز آئی حضرت عمرؓ نے پوچھا کون روتا ہے؟ اس نے کہا میری بیوی درد زہ میں مبتلا ہے' حضرت عمرؓ گھر پر آئے اور ام کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں) کو ساتھ لیا' بدو سے اجازت لے کر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا' ام کلثوم نے حضرت عمرؓ کو پکارا کہ امیر المومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا اور مؤدب ہو بیٹھا' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آنا۔ میں اس بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔

عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو میرے مکان پر آئے میں نے کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی' مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ فرمایا کہ ابھی مجھ کو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اترا ہے لوگ تھکے ماندے ہوں گے آؤ ہم تم چل کر پہرہ دیں' چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا' ان کی عجیب حالت ہوئی' جب تک قحط رہا گوشت' گھی' مچھلی غرض کوئی لذیذ نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ "اے خدا! محمدؐ کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا۔" اسلم ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ کو جو فکرو تردد رہتا تھا' اس سے قیاس کیا جاتا تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہو گا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔[1] قحط کا جو انتظام حضرت عمرؓ نے کیا تھا اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بدو ان کے پاس آیا' اور یہ اشعار پڑھے۔

یا عمر الخیر خیر الجنتہ اکس	اے عمر! لطف اگر ہے تو جنت کا ہے میری لڑکیوں
بنیاتی و امھنہ اقسم باللہ لتفعلنہ	کو کپڑے پہنا خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہو گا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اور میں تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہو گا۔ بدو نے کہا۔

تکون عن حالی لتسئلنہ والواقف	تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہو گا
المسؤل یبھتنہ اما الی نارو اما جنۃ	اور تو ہکا بکا رہ جائے گا پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہو گا۔

---

[1] یہ تمام روایتیں کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ میں مستند حوالوں سے منقول ہیں۔

حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ڈاڑھی تر ہو گئی' پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتا اس کو دے دے اس وقت اس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے۔[1]

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے' کہ ایک عورت اپنے بالا خانے پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی۔

تطاول ھزا اللیل وازور جانبہ ولیس الی جنبی خلیل الاعبہ

رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور میرے پہلو میں یار نہیں جس سے خوش فعلیاں کروں۔

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا اور وہ اس کے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کو سخت قلق ہوا اور کہا میں نے زنان عرب پر بڑا ظلم کیا' حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا چار مہینے' صبح ہوتے ہی ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعید بن یربوع ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے انہوں نے کہا میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھ کو راستہ بتائے۔" حضرت عمرؓ نے ایک آدمی مقرر کر دیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔[2]

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ایک شخص کو دیکھا بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے پاس جا کر کہا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔" اس نے کہا کہ جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی اس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہو گا' سر کون دھوتا ہو گا؟ کپڑے کون پہناتا ہو گا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب' درحقیقت نبوت کا ایک شائبہ ہے اور امام کی فطرت قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے' شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "وازمیان امت جمعے متـ

۱۔ سیرۃ العمر بن وازالتہ الخفاء۔ ۲۔ اسد الغابہ تذکرہ سعید بن یربوع۔

کہ جوہر نفس ایشاں قریب بجوہر انبیاء مخلوق شدہ و ایں جماعہ دار اصل فطرت خلفائے انبیاء اندر در امت۔" (ازالتہ الخفاء جلد اول صفحہ ۹)

مذہبی عقاید اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد اس کی صفات کمال کا اعتراف سزا و جزا کا یقین' زہد و عبادت محاسن اخلاق یہی چیزیں تمام مذاہب کے اصل الاصول اور حکام ہیں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں' لیکن ان مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے' یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریبا تمام مذاہب میں مشترک تھے۔ تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں۔ اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کے لئے آیا اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتی اس لئے ہر زمانے میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لئے آئمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے مثلاً اسلام نے شرک کو کس زور شور سے مٹایا۔ لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور مزاروں کے ساتھ عوام ایک طرف خواص کا جو طرز عمل ہے اس میں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے گو استفادہ عن القبور اور حصول برکت کے خوش نما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرات و دلیری سے اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا اس کی نظیر صحابہ کے زمانے میں بہت کم ملتی ہے۔

مسئلہ قضاو قدر الہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے جس میں عموماً بڑے بڑے آئمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں سے بھی بعضوں کو اشتباہ ہوا۔ طاعون عمواس میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے۔ حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا' حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے قضائے الٰہی سے ہوتا ہے' نہایت طیش میں آکر کہا' افرلرا من قدر اللہ یعنی کیا قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا [۱]۔

---

[۱] یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے۔

نعم افر من قدر اللہ الی قدر اللہ — یعنی ہاں، ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں

اسلام کا اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے، اسی بناء پر کعبہ اور حجرا سود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا، ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا۔

انی اعلم انک حجر وانک لا تضر ولا تنفع — میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔

تعظیم شعائر اللہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاق عام سے جس قدر الگ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علیؓ نے ان کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجرا سود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دے گا۔ لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ ناقدین فن نے اس کی تصریح کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی، اس بناء پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے، حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوا دیا۔[1]

سفرحج سے واپس آ رہے تھے، راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی اس خیال سے لوگ اس کی طرف دوڑے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب انہیں باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔[2]

۱۔ ازالتہ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۹۱۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں بیعت رضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو بسند صحیح روایت کیا ہے۔

۲۔ ازالتہ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۹۱۔

نبی کے اقوال و افعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے' باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمرؓ نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا خراج کی تشخیص جزیہ کی تعین ام ولدہ؎ا کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعیؒ نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمرؓ کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قدح کی ہے لیکن امام شافعیؒ نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے اس لئے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے۔ چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا' یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں' ایک یہ کہ ان میں عقل کا دخل نہیں' دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقلی پر مبنی ہیں' یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے' یہ علم اگرچہ اب تک مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی مشہور کتاب حجتہ اللہ البالغہ خاص اسی فن میں ہے۔ تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے جس کی وجہ کچھ یہ تھی کہ یہ دقیق فن' عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات بغیر چون و چرا کے مان لی جائے اور رائے و عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔

؎ا یہ مسئلہ کہ بیع ام ولد حضرت عمرؓ نے بند کی یا آنحضرتؐ نے صحیح یہ ہے کہ منع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور حضرت عمرؓ نے اس کی تشہیر فرمائی۔ محمد عبداللہ غفرلہ' مفتی خیر المدارس ملتان۔

حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی لیکن حضرت عمرؓ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی۔ شاہ ولی اللہؒ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ زید بن ثابتؓ عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہؓ نے اس علم سے بحث کی اور اسکا وجود ظاہر کیا۔[1]

شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا' ان میں عبداللہ بن عباسؓ کی عمر آنحضرتؐ کی وفات کے وقت ۱۳ برس کی تھی' حضرت علی کا سن جناب رسول اللہؐ کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابتؓ کا سن آنحضرت کی ہجرت کے وقت ۱۱ برس کا تھا۔ حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت کل ۱۸ برس کی تھیں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گویا سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہوں گے۔ لیکن اولیت کا منصب حضرت عمرؓ ہی کو حاصل ہو گا۔

حضرت عمرؓ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلعم سے دریافت کرتے تھے' سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں خود ارشاد ہے لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا۔

لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔[2]"

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین دوڑوں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ سے مکہ تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے کہ آنحضرتؐ نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا۔[3] اسکے بعد یہ فعل معمول بہ ہو گیا۔ چنانچہ آئمہ اسکو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہا مالنا وللرمل انما کنار اینابہ المشرکین وقد اھلکھم اللہ۔ یعنی اب ہم

۱۔ حجتہ البالغہ صفحہ ۶۔ ۲۔ صحیح مسلم' احادیث نماز سفر۔ ۳۔ صحیح مسلم۔ صحیح بخاری باب الرمل

کو رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا سو ان کو خدا نے ہلاک کر دیا۔" (صحیح بخاری باب الرمل)

حضرت عمرؓ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے رمل کے ترک کا ارادہ بھی کر لیا تھا' لیکن آنحضرتؐ ﷺ کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔ عبداللہ بن عباسؓ جو حضرت عمرؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے ان سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں' کہا غلط سمجھتے ہیں۔ (ازالتہ الخفاء صفحہ ۱۶۵ حصہ دوم)

حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ یہ مصالح عقلی کے موافق ہیں اس سے بداہتہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے دنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی اور جو آپؐ کی بعثت کا اصل مقصد تھا' جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق حضرت عمرؓ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔

حضرت عمرؓ خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے ان کا خلوص انقطاع الی اللہ لذائذ دنیا سے اجتناب' حفظ لسان' حق پرستی' راست گوئی یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کر جاتے تھے اور ہر شخص جو ان کی صحبت میں رہتا تھا۔ کم و بیش اس قالب میں ڈھل جاتا تھا۔ مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائیں۔" مورخ مسعودی نے حضرت عمرؓ کے حالات اس جملے سے شروع کئے ہیں کہ "ان میں جو اوصاف تھے وہ ان کے تمام افسروں اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے۔" پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسیؓ ابو عبیدہؓ سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور ان کے اوصاف لکھے ہیں۔

فخر و غرور کا استیصال

عرب میں جو اخلاق ذمیمہ' جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ نسب کا فخر و غرور عام لوگوں کی تحقیر' ہجو و بدگوئی' عشق و ہوا پرستی بادہ نوشی اور مے پرستی

تھی، حضرت عمرؓ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا، جو چیزیں فخر و غرور کی علامت تھیں بالکل مٹا دیں لڑائیوں میں جو قبائل، اپنے قبیلوں کی جے پکارا کرتے تھے اس کو حکماً بند کر دیا، آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی، بالکل اٹھا دی، ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ ان کی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا، تو نہایت برافروختہ ہو کر کہا کہ خدا ان سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعبؓ سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ملنے گئے جب وہ مجلس سے اٹھے تو ادب اور تعظیم کے لئے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے حضرت عمرؓ ادھر آ نکلے، یہ حالت دیکھ کر ابی کے ایک کوڑا لگایا، ان کو تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا اوما تری فتنۃ للمتبوع و مذلۃ للتابع یعنی "تم نہیں جانتے متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔" (مسند دارمی)

ہجو کی ممانعت ہجو و بد گوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعرا جا بجا لوگوں کی ہجویں لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا۔ اس لئے یہ ہجویں نہایت جلد مشہور ہو جاتی تھیں اور ان سے سینکڑوں مفاسد پیدا ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا اور اس کے لئے سزا مقرر کی، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ حطیئہ اس زمانے کا مشہور شاعر تھا اور سودا کی طرح فن ہجو میں کمال رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو طلب کر کے ایک تہہ خانے میں قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی ہجو نہیں لکھے گا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں قریش نے جب اور تدبیروں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی اور خود آنحضرتؐ کی شان میں ہجویں کہنی شروع کیں تو آنحضرت نے حسان کو ترکی بترکی جواب دینے کی اجازت دی تھی، یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دے دیا کہ وہ اب نہ پڑھے جائیں کیونکہ ان سے پرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔ (آغاز تذکرہ حسانؓ بن ثابت)

ہوا پرستی کی روک عشق و ہوس پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعر و شاعری تھا۔ شعرا زیادہ تر رندانہ اور اوباشانہ اشعار لکھتے تھے اور ان میں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے، مذاق عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس کی وجہ سے رندی و آوارگی ان کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی۔

شاعری کی اصلاح حضرت عمرؓ نے قطعی حکم دیا کہ شعرا عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں، چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے۔ تقدم عمر بن الخطاب الی الشعراء ان لا یتشبب احد بامراۃ الا جلدہ

شراب خوری شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ درے مارے جاتے تھے انہوں نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیئے۔

ان سب باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت میں مبتلا نہ ہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔

آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خود داری ہے، اس لئے حضرت عمرؓ نے اس پر بہت توجہ کی اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمرؓ کے سوا اور خلفا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہاں تک کہ عبدالملک نے قطعی حکم دے دیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے۔ حضرت عثمان و حضرت علیؓ نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا۔ لیکن اس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے جس کی بدولت حضرت عثمانؓ کی شہادت کی نوبت پہنچی، اور جناب امیر کو جمل و صفین کے معرکے جھیلنے پڑے برخلاف اس کے حضرت عمرؓ نے نہایت اعلیٰ درجہ کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جبروت میں ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تحریر و تقریر سے جتا دیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے، اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاص کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مذکم تعبد تم الناس و قد ولد تھم امھاتھم احرار

یعنی تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام کب سے بنا لیا ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔

عرب میں جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور

ان سے کم رتبہ کے لوگ ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے۔ جعلنی الله فدائک بابی و امی یعنی "خدا مجھ کو آپ پر قربان کر دے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔"

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی۔ مختلف موقعوں پر ان کی نسبت ناراضگی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان میں کہا تھا کہ جعلنی الله فدائک تو فرمایا کہ اذا یھینک الله یعنی "اگر خدا ایسا کرے گا تو تجھ کو ذلیل کرے گا۔" حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو جس قدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو گا۔

ایک دفعہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کہا۔ صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ "تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ "کیا میری شان میں تو یہ لفظ کہتا ہے؟" اس نے کہا "ہاں' ہاں' تمہاری شان میں۔" حضرت عمرؓ نے کہا۔ "الحمد اللہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے۔

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں حضرت عمرؓ نے حذیفہ بن الیمان کو لکھا کہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے' حذیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضروری نہیں' چنانچہ باوجود حضرت عمرؓ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمرؓ نے تمام عمالوں کا مال و اسباب نیلام کر کے آدھا مال بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جس کا نام ابوبکرہ تھا' صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہیے تھا اور ہمارا تھا تو اس سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمرؓ کی تقلید اور ان کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی' نیک خوئی' حلم و تواضع' جرات و آزادی' حق پرستی و بے نیازی کی تصویر بن گیا' تاریخ کے مرقع میں اس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حلیہ میں یہ خط و خال صاف نظر آتے ہیں۔

اجتہاد کی حیثیت محدث وفقیہ ہونا' اجتہاد کے منصب حدیث وفقہ

حدیث وفقہ کا فن درحقیقت تمام تر ان کا ساختہ و پرداختہ ہے صحابہؓ میں اور لوگ بھی

محدث اور فقیہ تھے چنانچہ ان کی تعداد ۲۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے لیکن فن کی ابتداء حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد اول انہوں نے قائم کئے۔

احادیث کا تفحص

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت کے زمانہ میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرت سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کے پاس فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلمانوں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے' اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے' پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ' غسل' جنابت' جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب احادیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

حدیث کی اشاعت چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشتہر کی جائے اسی قدر اس کو فوقیت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لئے اس کی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

ا۔ احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی' یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

۲۔ صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا' شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں چنانچہ فاروق اعظمؓ عبداللہ بن مسعودؓ را با جمعے بکوفہ فرستاد معقل بن یسار و عبداللہ بن معقل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادۃ بن صامتؓ و ابودردا را بشام و معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از

حدیث ایشاں تجاوز نکند (ازالتہ الخفا صفحہ ۶ حصہ دوم)

ایک دقیق نکتہ اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں، چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث جو ان سے بروایت صحیح مروی ہیں ۷۰ ستر سے زیادہ نہیں، یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ ﷺ کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہو گا کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔

حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ "زکوۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے، اور اس حساب سے فرض ہے۔" تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمرؓ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں۔ لامحالہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ آنحضرتؐ نے زکوۃ کے متعلق احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لئے ممکن ہے کہ رسول اللہ نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کیا بلکہ حضرت عمرؓ نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علانیہ آنحضرتؐ کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بناء پر حضرت عمرؓ نے خطبوں میں تحریری ہدایتوں میں فرامین میں نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کئے وہ درحقیقت آنحضرتؐ کے احکام ہیں، گو انہوں نے آنحضرتؐ کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں "ہفتم آنکہ مضمون احادیث در خطب خودارشاد فرمایند تا اصل احادیث بہ آں موقوف خلیفہ قوت یابد، انیکہ بغور سخن نمیرسند در بند انکہ در متفق علیہ از حضرت صدیق صحیح نہ شد مگر شش حدیث واز فاروق اعظم بہ صحت نرسید مگر قریب ہفتاد حدیث ایں را نمی فہمند و نمی دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را اجمالا تقویت دارہ اعلان نمودہ"۔ (ازالتہ الخفا حصہ دوم صفحہ ۶)

احادیث میں فرق مراتب حدیث کے تفحص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے

متعلق حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ خود مہتم بالشان کام تھے' لیکن اس باب میں ان کی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے' احادیث کی طرف اس وقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اس میں نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتنا کس قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو' رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشوں کے لئے گنجینہ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے اس بناء پر حضرت عمرؓ نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادت یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے' جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں' ان کی روایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں' اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ "باستقراء تام معلوم شد کہ فاروق اعظمؓ نظر دقیق و تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد از غیر آں معروف می ساخت لہذا احادیث شمائل آنحضرت صص و احادیث سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرویلووجہ یکے آنکہ ایں ہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست' از سنن زوائد بہ سنن ہدی مشتبہ گردد" (ازالتہ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۱)

حضرت عمرؓ نے ان حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں' حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا دفتر اسی قسم کی حدیثوں کا ہے اس کی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات کو جانتے تھے کہ دعا کے قبول و عدم قبول کا مدار خلوص و تضرع پر ہے نہ الفاظ پر۔ (ازالتہ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۴۱)

سب سے بڑا کام جو حضرت عمرؓ نے اس فن کے متعلق کیا' وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

روایت کی چھان بین آج کل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے' کہ جو چیز

آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے گو صحیح نہ ہو اس کو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے' اسی بناء پر یہودیوں کی تمام مزخرفات احادیث نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک سے تعمیم کو روک دیا۔ لیکن جب کسی راوی کی تعدیل ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر ان کو زیادہ پرس وجود نہیں ہوتی تھی' اس کے ساتھ قرن اول کی نسبت انہوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو سکتا لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کئے۔

ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے طور پر کہا' کہ "السلام علیکم! ابو موسیٰ حاضر ہے۔"

حضرت عمرؓ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہو سکے. کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰؓ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے۔

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو۔ ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔

ابو موسیٰ اشعریؓ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی' چنانچہ ابو سعد نے آ کر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ ؐ سے یہ حدیث سنی ہے حضرت ابی ابن کعب نے کہا کہ عمرؓ تم رسول اللہ ؐ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور تصدیق کرنی چاہی[1]۔

فقہ کا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو عدت کے زمانے تک نان و نفقہ اور مکان ملنا چاہیے یا نہیں؟

قرآن مجید میں ہے کہ اسکنو ھن من حیث سکنتم جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائن دی وہ آنحضرت ؐ کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان و نفقہ

---

[1] یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طریق سے صحیح مسلم باب الاستیذان میں مذکور ہے۔

کا حق ہے یا نہیں' ان کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں۔" فاطمہ نے یہ روایت عمرؓ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمرؓ نے کہا لانترک کتاب اللہ بقول امراۃ لاندری لعلھا حفظت اونسیت یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں اس کو حدیث یاد رہی یا نہیں۔"

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ مغیرہؓ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا' اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو تمہاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔[1]

کثرت روایت سے روکنا

حضرت عمرؓ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے اس لئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی۔ اس کے متعلق انہوں نے جو بندشیں کیں۔ آج کل لوگوں کو ان پر مشکل سے یقین آ سکتا ہے اس لئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا بلکہ بڑے بڑے محدثین نے جو کچھ لکھا اس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کروں گا۔ علامہ ذہبی نے جن سے بڑھ کر ان کے بعد کوئی محدث نہیں گزرا اور جو حافظ ابن حجر و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

و قد کان عمر من وجلہ ان یخطی الصاحب علی رسول اللہ یامرھم ان یقلو الروایتہ عن بیھم ولئلا یتشاغل بالاحادیث عن حفظ القران عن قرظۃ بن کعب قال لما سیرنا عمر الی العراق مشی معنا عمرو قال اتدرون لما شیعتکم قالوا

یعنی حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں قرظہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو

نعم

[1] یہ دونوں روایتیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حال میں مذکور ہیں۔

نعم مکرمته لنا قال و مع ذلک فانکم تاتون اھل قریتہ لھم دوی بالقران کدوی النحل فلا تصدوھم بالاحادیث فتشغلوھم جرد والقر آن واقلو الروایتہ عن رسول اللہ وانا شریککم فلما قدم قرظة قالو حدثنا فقال نھانا عمر عن ابی سلمة عن ابی ھریرة قلت لہ کنت تحدث فی زمان عمر ھکذا فقال لو کنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثکم فضر بنی بمخفقة ان عمر حبس ثلثتہ ابن مسعود وابا الدرداء و ابا مسعود الانصاری فقال قد اکثر تم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نکلے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو فرمایا ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھیوں کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے تو ان کو احادیث میں نہ پھنسا لینا قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں بس جب قرظہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے انہوں نے کہا کہ عمرؓ نے ہم کو منع کیا ہے ابو سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمرؓ مجھ کو درے سے مارتے حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ ابو درداءؓ وابو مسعودؓ کو محبوس کیا اور کہا کہ تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں۔

مسند دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ کا یہ مطلب تھا کہ غزاوت کے متعلق کم روایت کی جائے اس سے فرائض اور سنن مقصود نہیں۔"

شاہ ولی اللہ صاحب دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں، میرے نزدیک آنحضرتؐ کے شمائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔ (ازالتہ الخفا صفحہ ۱۴۱ حصہ دوم)

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمرؓ کا مقصد خود انہیں کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔

لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم بہ — یعنی اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کمی و بیشی ہو جائے گی تو میں حدیث بیان کرتا۔

مورخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور روات یہ ہیں۔ محمد بن سعد عبدالمجید بن عبدالرحمن الحمانی' نعمان بن ثابت (یعنی ابو حنیفہ) موسیٰ بن طلحہ۔ ابو الہوتکیہ حضرت عمرؓ کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ جو مقلدات علمی میں حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ خاص تھے' ان کی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔

یشدد فی الروایۃ و یزجر تلامذتہ عن التہاون فی ضبط الالفاظ[1] — یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں۔

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی اگرچہ ان سے پہلے بھی اکابر صحابہؓ کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکر تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ۵۰۰ حدیثیں قلمبند کی تھیں لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو۔ لیکن حضرت عمرؓ کی احتیاط اور دیگر صحابہ کی احتیاط میں فرق تھا اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اسی بناء پر حضرت ابوہریرہؓ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابوہریرہؓ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں لیکن وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن استناد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا کہ ہر "چند جمیع صحابہ عدل اند و روایت ہم مقبول" عمل بموجب آنچہ روایت صدوق

---

[1] تذکرۃ الحفاظ تذکرۃ عبداللہ بن مسعود۔

از ایشاں ثابت شود' لازم' امادرمیان آنچہ از حدیث وفقہ در زمین فاروق اعظم بود' و آنچہ بعد وے حادث شدہ فرق مابین السموات والارض است۔" (ازالتہ الخفاص ۱۴۱ حصہ دوم)

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے حضرت عمرؓ نے احادیث کے متعلق احتیاط و تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ ہو سکا۔ لیکن محققین صحابہؓ میں یہ خیال بے اثر نہ رہا۔ عبداللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرت ہے' اور مسند دارمی وغیرہ میں جا بجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت ان کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا' اور جب آنحضرت کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا تھا' یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب یا اس کی مثل' ابودرداء اور حضرت انسؓ جو بہت بڑے صحابی تھے' ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں ان سے صرف ایک حدیث سنی ثابت بن قطبتہ الانصاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر مہینہ بھر پر صرف دو تین حدیث روایت کرتے تھے۔ سائبؓ بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا' لیکن انہوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی نہیں روایت کی' چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح دارمی میں بسند متصل منقول ہیں۔ (مسند دارمی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ص ۴۵ تا ۴۸)

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو مقدم اصول قائم کئے ان کو اجمالا بیان کیا جاتا ہے

۱۔ روایت کا بلفظ ہونا ضروری ہے۔

۲۔ خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے' جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

۳۔ محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے لئے کافی نہیں۔

۴۔ خبر واحد ہمیشہ قابل حجت نہیں ہوتی۔

۵۔ روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

علم فقہ فقہ کا فن تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے' اس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا' مسند دارمی میں ہے کہ "حذیفہ بن الیمان نے

کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔" لوگوں نے پوچھا ایسا کون شخص ہے۔ حذیفہ نے کہا عمرؓ بن خطاب' عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلے میں تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا[1]۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہاء کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمرؓ کے تذکرے میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے۔

ولو لا خوف الا طالته لذکرت من فقهه ما یتحیر فیه کل فاضل

یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمرؓ کے فتوے اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں اس قدر لکھتا کہ فضلا حیران رہ جاتے۔

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ ہیں

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے چل کر لکھیں گے لیکن یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں سب کا مرجع حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات ہے۔ بلاد اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں۔ وہ یہ ہیں مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' بصرہ' کوفہ' شام اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن انہی مقامات کے رہنے والے تھے' مثلاً مکہ مکرمہ کے شیخ عبداللہ بن مسعودؓ و ابو موسیٰؓ تھے۔ مدینہ منورہ کے زید بن ثابتؓ و عبداللہ بن عمرؓ کوفہ کے حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعودؓ و ابو موسیٰؓ اشعری' شام کے ابودرداء و معاذ بن جبل۔ ان میں (حضرت علیؓ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمرؓ ہی کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے' اور خاص کر عبداللہ بن عباسؓ و عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں[2]۔"

عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت عمرؓ نے گویا اپنے دامن تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے' کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے[3] اس پر بعض بزرگوں نے

---

[1] استیعاب قاضی ابن عبدالبر و ازالتہ الخفاء صفحہ ۱۸۵ حصہ دوم۔ [2] استیعاب قاضی ابن عبدالبر و ازالتہ الخفاء صفحہ ۳۱۹ حصہ اول۔ [3] صحیح بخاری صفحہ ۶۱۵ مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ۔

کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔

محدث ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں لکھا ہے کان عمر یحب ابن عباس و یقربه یعنی حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا۔ عبداللہ بن عباس اس کا جواب دینا چاہتے' لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے۔ حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے۔" کوئی شخص اگر عبداللہ بن عباس کے مجتہدات کو حضرت عمرؓ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابت برسوں حضرت عمرؓ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ عمرؓ۔ عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابتؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔۱

صحابہ میں چھ شخص فقہ کے امام تھے محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمرؓ' علیؓ' عبداللہ بن مسعودؓ' ابیؓ بن کعب' زیدؓ بن ثابت' ابو موسیٰؓ اشعری امام محمدؒ نے کتاب آلاثار میں روایت کی ہے۔ بستة من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم یتذاکرون الفقه بینهم علی ابن ابی طالب و ابی و ابو موسی علیحدة و عمر و زید ابن مسعود علیحدة یعنی اصحاب رسولؐ اللہ میں سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقیہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے۔ علیؓ' ابیؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور حضرت عمرؓ زیدؓ اور ابن مسعودؓ ایک ساتھ صفوان بن سلیم کا قول ہے۔۔ لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیه وسلم غیر عمرو علی و معاذ و ابی موسی۲ یعنی آنحضرتؐ کے زمانے میں صرف چار شخص فتوی دیتے تھے عمرؓ' علیؓ' معاذؓ' ابو موسیٰؓ امام شعبی کا مقولہ ہے کان العلم یوخذ عن ستة من الصحابة۳۔ یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

---

۱ فتح المغیث ص ۳۸۱۔ ۲ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابو موسیٰ اشعری۔ ۳ فتح المغیث ص ۳۸۱۔

اگرچہ یہ تحدید' بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے' کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۴ یا ۲ مفتیوں کی تعداد خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح' صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں' ان مسائل کے لئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے اس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت حدیث میں کوئی حکم بتصریح موجود نہیں بلکہ قواعد استنباط کے ذریعے سے حکم متخرج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے لیکن حدیثیں اس کی معارض ہیں' ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے' صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے اور مفتی کہلاتے تھے' چنانچہ انکی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے' لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہیں لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن کا ذکر اوپر گزرا۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمرؓ۔ علیؓ۔ مسعود۔ ابن عباس کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

واما غیر ھولا الا ربعتہ فکانوا یرون دلالتہ ولکن ماکانوا یمیزون الرکن والشرط من الاداب والسنن ولم یکن لھم قول عند تعارض الاخبار و تقابل الدلائل الا قلیلا کابن عمرو عائشہ و زید بن ثابت

(حجتہ اللہ البالغہ ص ۷)

یعنی ان چاروں کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن آداب و سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق نہیں کرسکتے تھے اور جہاں حدیثیں متعارض ہوتی تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ بجز بعض بعض موقعوں کے دخل نہیں دیتے تھے مثلاً ابن عمرؓ۔ عائشہؓ۔ زید بن ثابتؓ۔

بہرحال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھیوں کے سوا حضرت علیؓ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ معاذ بن جبلؓ کو خود حضرت عمرؓ نے تعلیم و روایت کے لئے شام بھیجا تھا لیکن ان کا ۱۸ھ میں انتقال ہوگیا۔ اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔ "حدیث اوچنداں باقی نماند۔" (ازالتہ الخفاص ۸۱ حصہ دوم)

عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کو حضرت عمرؓ اکثر تحریر کے ذریعے سے حدیث وفقہ کے مسائل تعلیم کرتے

تھے۔ زید بن ثابتؓ بھی دراصل حضرت عمرؓ کے مقلد تھے' شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ "وزید بن ثابت نیز در اکثر متبع اوست۔" ان واقعات سے معلوم ہو گا کہ صحابہ میں جن جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ تھے۔۱۔ حضرت عمرؓ نے ان مسائل فقہیہ میں جس قدر فکر اور خوض کیا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا' انہوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو مطمح نظر بنا لیا تھا قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں۔ ان میں جہاں ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے' یہ بات اور صحابہؓ کو حاصل نہ تھی کیونکہ ان کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرائت نہیں رکھتا تھا کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انہوں نے آنحضرتؐ سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دق آ گئے اور فرمایا کہ سورہ نساء کی آخیر آیت تیرے لئے کافی ہو سکتی ہے۔۲۔

مشکل مسائل قلمبند کرنا

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے ان کو یادداشت کے طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ ان پر غور کیا کرتے۔ وقتاً" فوقتاً" ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اس کو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں محو واثبات کیا کرتے پھوپی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا اس کا حال امام محمدؒ نے موطا میں لکھا ہے۔۳۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں متعمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمرؓ نے سو مختلف رائیں قائم کیں۔

دقیق مسائل میں وقتاً" فوقتاً" خوض کرتے رہنا

بعض بعض مسائل کے متعلق ان کو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انہوں نے ایک تحریر لکھی تھی۔ لیکن مرنے کے قریب اس کو منگوا کر مٹا دیا اور کہا کہ "آپ لوگ خود اس کا فیصلہ کیجئے گا۔" اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کے متعلق رائے قائم کی تھی' اگر آپ لوگ چاہیں تو اس کو قبول کریں۔ حضرت عثمانؓ نے

۱۔ ازالۃ الخفاء صفحہ ۸۳ حصہ دوم۔ ۲۔ مسند امام احمد حنبل۔ ۳۔ موطا امام محمد صفحہ ۳۱۶۔

کہا۔ "آپ کی رائے ہم لوگ قبول کریں تب بھی بہتر ہے' لیکن ابوبکرؓ کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب الرائے تھے۔" اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے کلالتہ' دادا کی میراث' ربا کی بعض اقسام۔ مسائل فقیہہ کے متعلق ان کو جو کد و کاوش رہتی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہو گی۔

ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون ورثہ میں داخل ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خود آنحضرتؐ سے چند بار دریافت کیا' اس پر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہؓ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسولؐ اللہ سے دریافت کرنا پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا لیکن ان باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی' خلافت' کلالہ' ربا' چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عمادالدین ابن کثیر نے صحیح احادیث کے حوالہ سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا

چونکہ ان کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا اس لئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے' تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا' اس بناء پر حضرت عمرؓ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں۔ زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے ان کے پاس جواب کے لئے آئے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتوؤں کے ساتھ فتویٰ پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں۔

لوگوں کا حضرت عمرؓ سے استفسار کرنا

مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ۔ عمار بن یاسرؓ۔ ابو موسیٰ شعریؓ' ابو عبیدہؓ بن جراح۔ مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ وغیرہ۔

صحابہ کے مشورہ سے مسائل طے کرنا

حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے

فقیہ تھے اور تنہا ان کی رائے بھی فتوے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ تاہم احتیاط کے لئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں، علامہ بلاذری نے کتاب الاشرف میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہؓ کے مشورہ کے فیصل نہیں کیا۔ شاہ ولی اللہ حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

کان من سیرة عمر انه کان یشاور الصحابة ویناظرهم حتی تنکشف الغمة و یاتیه الثلج فصار غالب قضایاه و فتاواه متبعته فی مشارق الارض و مغاربها

حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ صحابہؓ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آ جاتا تھا، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کے فتووں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی۔

مسائل اجماعیہ

حضرت عمرؓ نے جن مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا ان کی تعداد کچھ کم نہیں، اور کتب احادیث و آثار میں ان کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً بیہقی نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (بیہقی نے اس کی تصریح بھی کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کئے جائیں۔ چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہؓ نے ایک رائے پر اتفاق کیا۔ لیکن حضرت علیؓ اور حضرت معاذؓ مخالف رہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر مختلف الرائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہو گا؟

غرض ازواجؓ مطہرات کے فیصلے پر معاملہ اٹھا رکھا گیا۔ اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازے کی تکبیر کی نسبت صحابہ میں بہت اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی مجلس منعقد کی، جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی آخیر نماز جو آنحضرت نے پڑھی اس میں چار تکبیر تھیں۔" اسی طرح بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔

حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایت صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہزار

مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں آئمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں "و ہم چنیں مجتہدین در روس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اندوایں قریب ہزار مسئلہ باشد تخمیناً"۔" (ازالتہ الخفا حصہ دوم ص ۸۴)

مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مسائل منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان کی مدد سے فقہ فاروقی پر مستقل رسالہ لکھ کر ازالتہ الخفاء میں شامل کر دیا ہے۔

اصول فقہ

یہ تمام بحث' تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی' لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے' انہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیئے جس کو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیتاً" مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس بحث پر حجتہ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت سے جو افعال و اقوال مروی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں' ان کی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ ما آتکم الرسول فخذوہ و مانھکم عنہ فانتھوا "یعنی پیغمبر تم کو جو دے وہ لو۔ اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو۔" دوسری وہ جن کو منصب رسالت سے تعلق نہیں چنانچہ ان کے متعلق خود آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔

انما انا بشر اذا امرتکم بشئی من دینکم فخذوا بہ اذا امر تکم بشئی من رائی فانما انا بشر۔	یعنی میں آدمی ہوں' اس لئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم دوں تو اس کو لو۔ اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا' یا جو افعال آنحضرتؐ سے عادۃ صادر ہوئے نہ عبادۃ یا اتفاقاً واقع ہوئے' نہ قصداً یا جو باتیں آنحضرتؐ نے مزعومات عرب کے موافق بیان کیں' مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے بہت سے احکام' یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔ (حجتہ اللہ البالغہ ص ۱۳۳)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کر سکتا' اس تفریق مراتب کے موجد دراصل حضرت عمرؓ ہیں کتب سیر اور

احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہو گا کہ بہت سے ایسے موقعے پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا۔ ''آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں؟''

قیدیان بدر کے معاملے میں ان کی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی، صلح حدیبیہ میں انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے۔ ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہوں کہ حضرت عمرؓ ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں، ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا تو درکنار ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا مثلاً حضرت ابو بکرؓ کے زمانے تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اس کو بالکل روک دیا۔ آنحضرتؐ نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں، آنحضرتؐ کے عہد میں شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے مقرر کئے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرتؐ کے اقوال و افعال اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے اور خدانخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ ایک لحظہ کے لئے بھی مسند خلافت پر ان کا بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا۔

حضرت عمرؓ کو امتیاز مراتب کی جرات اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے متعدد احکام میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی، بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی۔ قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز بر جنازہ منافق ان تمام معاملات میں وحی جو آئی اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرت کے ارشادات، منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اسی بات کا موقع باقی رہا۔ کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے

جائیں چنانچہ ان معاملات میں حضرت عمرؓ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں' برخلاف اس کے امام شافعی کو یہاں تک کد ہے کہ ترتیب فوج۔ تعین شعار' تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمرؓ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

خبر آحاد کے قابل احتجاج ہونے کی بحث اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر آحاد[1] (یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو) کی حیثیت احتجاج کا تھا۔ بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر آحاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعے سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔

حضرت عمرؓ کے نزدیک خبر آحاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بناء پر اذن ملاقات اسقاط جنین' خریداری عباس بن عبدالمطلب' تمیم جنابت کے مسئلوں میں انہوں نے عمار بن یاسر' ابو موسیٰ اشعریؓ۔ مغیرہ بن شعبہ' ابی بن کعب کی روایتوں کو اس وقت تک قابل حجت نہیں قرار دیا' جب تک اور تائیدی شہادتیں نہیں گزریں' چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بناء پر وہ خبر آحاد سے قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے' فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے آنحضرتؐ کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ حکم' قرآن مجید کی نص کی مخالف تھا فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن مجید کا حکم نہیں بدل سکتا۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیالوں نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمرؓ نے بہت سے واقعات میں اخبار آحاد کو قبول کیا۔ لیکنؒ امام صاحب نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمرؓ کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمرؓ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر آحاد قابل احتجاج نہیں' نہ یہ کہ کوئی خبر آحاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ

---

[1] اصول حدیث میں جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ ہوں لیکن شہرت یا تواتر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر آحاد میں داخل ہے لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے' حضرت عمرؓ کے زمانہ تک اس کا وجود نہ تھا۔

ظاہر ہے بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے، لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جن کی نسبت ایک دو اشخاص کی شہادت کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انہوں نے الفاظ روایت، یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ قرار نہیں پا سکتا۔

حضرت عمرؓ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار آحاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار آحاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اخبار آحاد کے متعلق فقہا و محدثین میں سخت اختلاف آراء ہے اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں۔ لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ لیکن اس موقعہ پر یہ تنبیہہ کر دینی ضروری ہے کہ اخبار آحاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمرؓ کا جو اصول تھا اس کی بنا صرف تحقیق حق تھی اس زمانے کے آزاد خیالوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جس کو چاہا غلط کہہ دیا۔

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر   گرچہ مانند در نوشتن شیر و شیر

قیاس فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا قیاس پر موقوف ہے یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے، اسی ضرورت سے آئمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ۔ امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے، لیکن قیاس کی بنیاد جس نے ڈالی وہ حضرت عمرؓ فاروقؓ ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں، ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو کیا کرو گے۔" انہوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دوں گا، اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہو گی تو اجتہاد کروں گا۔" [۱]

---

[۱] یہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۴۳ میں مذکور ہے۔

لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ ان کی مراد قیاس سے تھی اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں' ابن حزم' داؤد ظاہری وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ مسند دارمی میں یہ حدیث مذکور ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے' قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی تو حدیث سے جواب دیتے' حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور ان کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے' اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید۔ حدیث اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔ (مسند دارمی صفحہ ۳۲)

حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو قضاء کے متعلق جو تحریر بھیجی' اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

الفهم الفهم فيما يختلج فی صدرک مما لم يبلغک فی الکتاب و السنة و اعرف الامثال و الاشباه ثم قس الامور عند ذلک۔ا	جو چیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب کرو۔ اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو۔

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تعدية الحكم من الاصل الى الفرع لعلة متحدة اس کے حکم کو فرع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو مثلاً آنحضرتؐ نے گیہوں جوار وغیرہ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو برابر پہ دو۔ برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائے گا۔ اس مسئلہ پر قیاس اس طرح جاری ہو گا کہ آنحضرتؐ نے گو چند خاص اشیاء کے نام لئے۔ لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہو گا۔ جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں' مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھی چونہ دے اور اس سے اسی قسم کا چونہ سوا سیر لے یا عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائے گا۔

اصولیین کے نزدیک قیاس کے لئے مقدم دو شرطیں ہیں۔

ا۔ جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے وہ منصوص نہ ہو' یعنی اس کے بارہ میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو۔

ا۔ یہ روایت دار قطنی میں مذکور ہے۔ دیکھو ازالۃ الخفاء صفحہ ۸۶۔

۲۔ مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔

حضرت عمرؓ کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے۔

پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا مما لم یبلغلک فی الکتاب

دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے واعرف الامثال والأشباہ ثم قس الامور۔

ان مہمات اصول کے سوا حضرت عمرؓ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں لیکن ان کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیے۔

استنباط احکام کے اصول یہ امر مسلم ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقیہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے کو نہیں، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو بتفصیل لکھا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان آئمہ نے صراحتہ وہ اصول بیان کئے تھے، امام شافعیؒ نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کئے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحتہ منقول نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بناء پر ہے مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت واذا قرئی القران فاستمعوا لہ وانصتوا سے استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرات فاتحہ نہ کرنا چاہیے کسی نے ان سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اتری تھی، انہوں نے کہا کہ "آیت کسی کے بارے میں اتری ہو لیکن حکم عام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے "العبرۃ لعموم اللفظ لالخصوص السبب" یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں، وہ اسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کئے گئے ہیں، ورنہ ان بزرگوں سے صراحتہ یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمرؓ کی نسبت ہمارا یہ دعوی کہ انہوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کئے، اسی بناء پر ہے، اکثر مسائل جو انہوں نے طے کئے صحابہ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد

طے کئے' ان موقعوں پر انہوں نے جو تقریریں کیں' ان کے استقصاء سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہیں اکثر مسائل میں متناقص روایتیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اس لئے ان کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ دونوں میں سے کس کو ترجیح دی جائے؟ کس کو ناسخ ٹھہرایا جائے کس کو منسوخ' کس کو عام ٹھہرایا جائے۔ کس کو خاص کس کو موقت مانا جائے کس کو موبد' اس طرح نسخ، تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول قائم ہو گئے عام طور پر فتوی دینے کے وقت بھی ان کی تقریر سے اکثر کسی اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا مثلاً ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا جس کی قیمت ٦٠ درہم تھی۔" فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری چیز چرائی اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔" (موطا امام مالک)

اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ سارق کو مال مسروقہ میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چرالیا تھا' حضرت عمرؓ نے اس کو بھی اسی بناء پر چھوڑ دیا تھا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے ایک دفعہ سفر میں ایک تالاب کے قریب اترے' عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے' انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو روک دیا کہ "نہ بتانا۔" اس سے دو اصول ثابت ہوئے ایک یہ کہ اصل اشیاء اباحت ہے دوسرے یہ کہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلف نہیں ہیں۔ ایک دفعہ رمضان میں بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا حضرت عمرؓ نے روزہ کھول لیا' تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا لوگ متردد ہوئے' حضرت عمرؓ نے فرمایا الخطب یسیر وقد اجتهدنا یعنی معاملہ چنداں اہم نہیں ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے۔ (موطا امام محمد صفحہ ١٨٤)

ایسی بہت سی مثالیں ہیں کوئی شخص چاہے تو ان سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

حضرت عمرؓ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا اور آئمہ مجتہدین نے ان کی تقلید کی' شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں دیگر صحابہ نے

اختلاف کیا وہی حق پر ہیں مثلاً تیمم' جنابت منع تمتع حج- طلاق ثلاثہ وغیرہ میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے دیگر صحابہؓ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل ہیں اور خصوصاً ان مسائل میں جو معرکہ آرا رہے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے' عموماً حضرت عمرؓ کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر پر مبنی ہے- اور انہی مسائل سے حضرت عمرؓ کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے-

ان میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں

خمس کا مسئلہ

ایک بڑا معرکہ آراء مسئلہ خمس کا ہے قرآن مجید میں ایک آیت ہے-

واعلموا انما غنمتهم من شئی فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمٰی والمسکین وابن السبیل-

جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے ہے اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور غریبوں کے لئے اور مسافروں کے لئے-

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس کی یہی رائے تھی اور حضرت علیؓ نے اگرچہ مصلحتاً بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا- لیکن رائے ان کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہیں- (کتاب الخراج صفحہ ۱۱ روایت محمد بن اسحٰق)

یہ صرف حضرت علیؓ وعبداللہ بن عباسؓ کی رائے نہ تھی بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا آئمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ اسی مسئلہ کے قائل تھے اور انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑے زور شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے-

حضرت عمرؓ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے' چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں حصہ نہیں دیا- آئمہ مجتہدین میں امام ابو حنیفہؒ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے' ان کی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرتؐ کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا- اسی طرح آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ بھی جاتا رہا-

اب ہم کو غور کے ساتھ دیکھنا چاہئے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے اور رسولؐ اللہ کا طریق عمل کیا تھا؟

قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً" فرداً" ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں وہاں بھی بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہیں انما الصدقت للفقراء والمسکین والعاملین علیھا والمؤلفة قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل

اس میں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں۔ فقیر' مسکین' زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ مولفہ القلوب' قیدی' قرضدار' مجاہدین' مسافر' ان میں سے جس کو زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائے گی' یہ ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھوں گروہ پیدا کئے جائیں' آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائے گا۔ کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے۔ کون کم اور کون بالکل نہیں یہ التزام مالا یلزم صرف امام شافعیؒ نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائیں اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت بے کم و بیش تقسیم کیا جائے اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس ان لوگوں کے سوا اور کسی کو نہ دیا جائے' یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کے پانچ برابر حصے کئے جائیں اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا ہے؟ احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

۱۔ ذوی القربیٰ میں سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے بنو نوفل و بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے بتفصیل نقل کیا ہے۔ (زاد المعاد جلد دوم صفحہ ۱۶۱)

۲۔ بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے' علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

ولکن لم یکن یقسمه بینھم علی السواء بین اغنیا ھم و فقراء ھم ولا کان یقسمه قسمة المیراث بل کان یصرفه فیھم بحسب المصلحة الحاجة فیزوج منھم اغربھم	لیکن دولت مندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے۔ نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے' مقروضوں کا قرضہ ادا فرماتے

و يقضی منه عن غارمهم و يعطی منه فقير هم كفايته(زاد المعاد ج ۲ ص ۱۶۲)

تھے، غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے

ان واقعات سے اولاً یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ میں تعمیم نہیں ہے، ورنہ بنو نوفل اور بنو عبدالشمس کو بھی آنحضرتؐ حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرتؐ کے قرابت دار تھے دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت ہے، بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا۔ لیکن وہ دو باتوں میں ان سے مخالف تھے ایک یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اس کے عبداللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں قاضی ابو یوسفؒ صاحب نے کتاب الخراج میں اور نسائی نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے۔

عرض علينا عمر بن الخطاب ان نزوج من الخمس ايمنا و نقضی منه عن مغرمنا فابينا الا ان يسلمه لنا وابی ذلک علينا۔ (کتاب الخراج ص ۱۱)

عمر بن خطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنی بیواؤں کے نکاح اور مقروضوں کے ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم بجز اس کے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ میں دے دیا جائے عمرؓ نے اس کو منظور نہ کیا۔

اور روایتیں بھی اس کے موافق ہیں صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ذوالقربیٰ کا حق ساقط کر دیا۔ کلبی نہایت ضعیف الروایہ ہے اس لئے اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فحوی اور آنحضرتؐ کے طریق عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعیؒ وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے، کہ آنحضرتؐ ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے قرآن مجید سے یہ تعیین و تحدید بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی رہا ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمرؓ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلہ کو

دیکھو یعنی خمس میں آنحضرتؐ اور آنحضرتؐ کے قرابت داروں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بناء پر تھا یہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے، معاش کی تدبیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے' اس لئے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے' اس وقت مال غنیمت "فے ۔ انفال" بس یہی آمدنیاں تھی' چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی مصارف کے لئے خالصہ مقرر کر دیا جاتا ہے ذوی القربیٰ کا حق اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے ابتدائے اسلام میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے جس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے' آنحضرتؐ کا ساتھ دیا اور جب آنحضرتؐ مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بناء پر آنحضرتؐ اور ذوی القربیٰ کے لئے جو کچھ مقرر تھا' وقت ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابت داروں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے اور گو ان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کیسے ہی دولت مند اور غنی ہو جائیں تاہم ان کو یہ رقم ہمیشہ ملتی رہے گی یہ ایسا قاعدہ ہے جو اصول تمدن کے بالکل خلاف ہے کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت یہ قاعدہ بنائے گا کہ اس کی تمام اولاد کے لئے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہو گا۔ حضرت علیؓ و عبداللہ بن عباسؓ جو خمس کے مدعی تھے ان کا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لئے ہے بلکہ جو لوگ آنحضرتؐ کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے' انہیں کی نسبت ان کو ایسا دعویٰ ہو گا۔

فے کا مسئلہ ایک اور مہتم بالشان مسئلہ فے کا ہے یعنی وہ زمین یا جائداد جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر معرکہ آلارا ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا خلط مبحث اس میں اس وجہ سے ہوا کہ فے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی غنیمت' سلب ان میں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے

ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا۔ تمام لڑنے والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا سردار قبیلہ کو البتہ سب سے زیادہ یعنی چوتھ ملتا تھا۔ آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو ابتداء میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں، یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا۔ چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسولؐ اللہ کے عہد میں بھی قائم رہا اس لئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اس کے پانے کا ہر حالت میں دعوی کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر جھگڑا اٹھا۔ جنگ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے، کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہے، تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ کے محافظ تھے، اس لئے ہم زیادہ حقدار ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول — تجھ سے لوگ مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا خاص حق ہے اور افسر کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کئے گئے پھر یہ آیت اتری۔[1]

واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل — جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کیلئے اور مسافروں کیلئے

اس آیت سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں چار حصے مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر آنحضرتؐ اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں۔ لیکن یہ تمام احکام نقد و اسباب سے متعلق تھے زمین اور جائداد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ بنی نضیر میں جو ۵ھ میں واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اتری۔

---

[1] زاد المعاد ابن القیم جلد ثانی صفحہ ۱۵۸، کتب حدیث میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل الی قومہ للفقراء المہاجرین اخرجوا من دیارھم الی قولہ والذین جاء وا من بعدھم

یعنی جو زمین یا جائداد ہاتھ آئے۔ وہ خدا اور پیغمبر اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور فقراء مہاجرین اور ان سب لوگوں کی ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائے گی' بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہے گی' اور اس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہوں گے' یہ ہے حقیقت نفل اور غنیمت اور فے کی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے۔ سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور فے کو ایک سمجھا' آئمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے مذہب کے موافق زمین مفتوحہ اسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہیے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بناء پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ممالک مفتوحہ ان کو تقسیم کر دیئے جائیں چنانچہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف' زبیر بن العوامؓ' بلال بن رباحؓ نے سخت اصرار کیا لیکن حضرت عمرؓ نہ مانے۔ اس پر (جیسا کہ ہم صیغہ محاصل میں لکھ آئے ہیں) بہت بڑا مجمع ہوا۔ اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمرؓ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ الذین جاءوا من بعدھم پڑھ کر فرمایا کہ

فکانت ھذہ عامتہ لمن جاء من بعدھم فقد صار ھذا الفی بین ھولاء جمیعا فیکف نقسمہ لھؤلاء وندع من یخلف بعد ھم۔[1]

تو یہ تمام آئندہ آنے والوں کے لئے ہے اور اس پر بنا پر یہ تمام لوگوں کے حق ٹھہرے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کر دوں اور لوگوں کو محروم کر دوں جو آئندہ پیدا ہوں گے۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیالوں کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی تو فتح ہوئے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا لیکن آنحضرتؐ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۵ اس معرکہ کا پورا حال کتاب الخراج کے صفحہ ۴ اور ۱۵ میں مذکور ہے۔

نے کہیں چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟

فدک کا مسئلہ اسی سلسلے میں باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکہ آرا رہا ہے، ایک فرقہ کا خیال ہے کہ یہ باغ خاص آنحضرتؐ کی جائداد تھی کیونکہ اس پر چڑھائی نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہاں کے لوگوں نے آنحضرتؐ کو سپرد کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء۔ واللہ علیٰ کل شئی قدیر۔

یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اس پر اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے، لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب وہ آنحضرتؐ کی مملوکہ خاص ٹھہری تو اس میں وارثت کا عام قاعدہ جو قرآن مجید میں مذکور ہے جاری ہو گا، اور آنحضرتؐ کے ورثاء اس کے مستحق ہوں گے، لیکن حضرت عمرؓ نے باوجود حضرت علیؓ کے طلب و تقاضا کے آل نبی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جب کہ سیاست مدن کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرہ میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی یا امام، یا بادشاہ کے قبضے میں جو مال یا جائداد ہوتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت داوٗد زرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے یا عالمگیر قرآن لکھ کر بسر کرتا تھا۔ یہ آمدنی ان کی ذاتی آمدنی تھی اور اس پر ہر طرح کا ان کو اختیار تھا۔ دوسری مملوکہ حکومت مثلاً حضرت داوٗد کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمان کے قبضے میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی بلکہ جو شخص پیغبری یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اس کا مالک یا متولی ہوتا ہے، یہ مسئلہ آج کل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے۔ مثلاً سلطان عبدالحمید خاں کے بعد ان کے ممالک مقبوضہ یا ان کی جاگیر خالصہ ان کے بیٹے، بھائی، ماں، بہن وغیرہ میں تقسیم نہیں ہو گی بلکہ جو تخت نشین ہو گا اس پر قابض ہو گا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ

ہمیشہ مسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ باغ فدک کو درجہ بدرجہ آئمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے مثلاً حضرت علیؓ اپنے زمانے میں اس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ ان کی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسینؓ و عباسؓ و محمد بن حنفیہ و زینبؓ کو جو حضرت علیؓ کے وارث تھے اس کا کچھ کچھ حصہ اس کے بڑتہ سے ملتا۔ بلکہ صرف حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علیؓ کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب سے حاصل ہوتی ہے وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا' اس کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرتؐ جب خیبر کی فتح سے پھرے' تو محیصہؓ بن مسعود انصاری کو فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا' فدک یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کا سردار یوشع بن نون ایک یہودی تھا' یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آدھی زمین دینی منظور کی۔ اس وقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔

(فتوح البلدان' بلاذری' ذکر فدک)

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائیداد آنحضرتؐ کی مملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بناء پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہیں ہوا بلکہ اس آیت کا مصداق ہے فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعے سے قبضے میں آتے ہیں وہ امام بادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا ان کو کسی نے آنحضرتؐ کی ملک خاص سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا کبھی خیال نہیں کیا تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مفتوحہ زمینیں علانیہ وقف عام رہیں' لیکن فدک کو آنحضرتؐ نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرتؐ کی جائیداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی اور اس لئے اس پر اور لوگوں کو کسی قسم کا حق نہیں حاصل تھا' لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فدک کو بے شبہ آنحضرتؐ نے اپنے ذاتی مصارف کے لیے خاص کر لیا تھا' لیکن کیونکر؟ اس کے متعلق روایتیں موجود ہیں۔

فکان نصف فدک خالصا لرسول اللہ وکان یصرف ما یاتیہ منہا الی ابناء السبیل

یعنی آدھا فدک خاص رسول اللہؐ کا تھا۔ آنحضرتؐ اس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے۔

(فتوح البلدان بلاذری صفحہ-۲۹)

ایک اور روایت میں ہے۔

ان فدک کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان ینفق منہا و یاکل و یعود علی فقراء بنی ہاشم و یزوج ایمہم

یعنی فدک آنحضرتؐ کا تھا آپؐ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے اور ان کی بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔

(فتوح البلدان صفحہ ۳۱)

بخاری وغیرہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرتؐ سال بھر کا اپنا خرچ اس میں سے لیتے تھے۔ باقی عام مسلمین کے مصالح میں دے دیتے تھے۔

ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا مملوکہ نبوت ہونا ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کے لئے کوئی جائیداد خالصہ کر دی جاتی ہے اس بناء پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے زائل نہیں ہوتی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی اس اصول سے واقف تھے؟ اور اسی بناء پر انہوں نے فدک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ نکات بعد الوقوع ہیں؟

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع میں تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ الخ‘ سے استدلال کر کے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں چنانچہ فے کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے‘ البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے‘ اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرتؐ کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمرؓ اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے‘ آیت یہ ہے۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما او جفتم علیہ من خیل و لا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء

اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہود بنی نضیر سے) اللہ نے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکانت خالصة لرسول الله صلی الله علیه وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری، باب الخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بتفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ اس آیت کی بناء پر فدک وغیرہ کو آنحضرتؐ کا خالصہ سمجھتے تھے، لیکن اس قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا جس طرح سلاطین کے مصارف کے لئے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اس سے متمتع ہو سکتا ہے حضرت عمرؓ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بناء پر فدک کو آنحضرتؐ کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی وغیرہ میں مذکور ہے۔

فکان رسول الله ینفق علی اهله نفقة سنتهم من هذه المال ثم یاخذ مابقی فیجعله کجعل مال الله فعمل رسول الله بذلک حیاته ثم توفی الله نبیه صلی الله علیه وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول الله فقبضها ابوبکر فعمل فیها بما عمل رسول الله ثم تونی الله ابابکر فکنت انا ولی ابی بکر فقبضتها سنتین من امارتی اعمل فیها بما عمل رسول الله صلی الله علیه وسلم وبما عمل فیها ابوبکر۔	آنحضرتؐ اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے۔ باقی کو اللہ کے مال کے طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے زندگی بھر اسی پر عمل فرمایا پھر وفات پائی تو ابوبکرؓ نے کہا کہ میں ان کا جانشین ہوں۔ پس اس پر قبضہ کیا اور اسی طرح کارروائی کی جس طرح رسول اللہ ﷺ کرتے تھے پھر انہوں نے وفات پائی تو میں ابوبکر کا جانشین ہوا پس میں نے اس پر دو برس قبضہ رکھا اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر کرتے تھے۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے۔ تاہم آنحضرتؐ کی ذاتی جائیداد نہیں سمجھتے تھے۔ (جس میں وراثت جاری ہو) اور اس وجہ سے اس کے قبضہ کا مستحق صرف اس کو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور خود اپنے قبضہ کی یہی وجہ بتائی۔

حضرت عمرؓ نے یہ تقریر اس وقت فرمائی تھی جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ ان کے پاس فدک کے دعویدار ہو کر آئے تھے اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک فدک وغیرہ آنحضرتؐ کا خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے چنانچہ عراق کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے اسی آیت کو جس سے آنحضرتؐ کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے فھذہ عامتہ فی القربی کلھا یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہیں مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا ذوجہتیں ہونا ہی تمام غلط فہمی کا منشا تھا چنانچہ حافظ ابن القیم نے زادالمعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں

فھو ملک یخالف حکم غیرہ من المالکین وھذا النوع من الاموال ھو القسم الذی وقع بعدہ فیہ من النزاع ما وقع الی الیوم ولو لا اشکال امرہ علیھم کما طلبت فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میراثھا من ترکتہ وظنت انہ یورث عنہ ما کان مالکا لہ کسائر المالکین و خفی علیھا رضی اللہ عنھا حقیقة الملک لیس مما یورث عنہ۔ (زاد المعاد ص ۱۶۳ ج دوم)

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو ابتدا سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح محل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات
اور
اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم' ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے' لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے' ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت' قوت تقریری' شاعری' نسابی' سپہ گری' بہادری' آزادی مقدم چیزیں تھیں اور ریاست و افسری میں انہیں اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو قدرت نے ان سب میں سے کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خداداد تھا اور عکاظ کے معرکوں نے اس کو اور زیادہ جلا دے دی تھی۔ یہی قابلیت تھی جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے ان کے معمولی جملوں میں آرٹیری کا اثر اور برمحل فقرے جو ان کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی روح پائی جاتی تھی۔ عمرو بن معدی کرب کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن و توش کے آدمی تھے اس لئے متحیر ہو کر کہا "اللہ اس کا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے" مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وباء کے واقعہ میں ابوعبیدہؓ نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ قضاء الٰہی سے بھاگتے ہیں تو کس قدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ "ہاں قضائے الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں۔"

قوت تقریر : مختلف وقتوں میں جو خطبے انہوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں ان

سے ان کے زور تقریر اور برجستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

خطبے : مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

اللّٰھم انی غلیظ فلینی اللّٰھم انی ضعیف فقونی الا و ان العرب جمل انف و قد اعطیت خطامه الا وانی حامله علی المحجة

اے الٰہی! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر۔ میں کمزور ہوں مجھ کو قوت دے۔ (قوم سے خطاب کر کے) ہاں! عرب والے سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا۔

خلافت کے دوسرے دن جب انہوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالدؓ وہاں سے بلا لئے گئے تھے اس موقع پر حضرت عمرؓ کے زور تقریر کا یہ اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور پھر تمام مجمع میں آگ سی لگ گئی۔ دمشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم اور ملت کے آدمی جمع تھے۔ عیسائیوں کا لارڈ بشپ تک شریک تھا' اس کے ساتھ مختلف مذاہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا' مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی' غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے' فوج کے سامنے خالدؓ کی معزولی کا عذر کرنا تھا ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک ان کی تقریر کے جستہ جستہ فقرے لوگوں کی زبان پر رہے۔ فقہاء نے اس سے فقہی مسائل استنباط کئے۔ اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں۔ تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام کیا۔

۲۳ھ میں جب حج کیا اور یہ ان کا آخری حج تھا تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمرؓ مر جائیں گے تو میں طلحہؓ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ حضرت عمرؓ مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا' اس واقعہ کی خبر ہوئی تو برافروختہ ہو کر فرمایا کہ آج رات میں اس مضمون پر خطبہ دوں گا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کی کہ امیرالمومنین! حج کے مجمع میں ہر قسم کے برے بھلے آدمی جمع ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے یہاں تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کر سکیں گے' مدینہ چل کر خواص کے مجمع میں تقریر کیجئے' وہ لوگ بات کا ہر پہلو سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ رائے تسلیم کی آخر ذوالحجہ میں مدینہ آئے۔ جمعہ کے دن لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آکر جمع ہوئے حضرت

عبداللہ بن عباسؓ زیادہ مشتاق تھے' اس لئے منبر کے قریب جاکر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج عمرؓ ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب سے کہا ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انہوں نے پہلے نہیں کہی؟ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا۔ یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ (صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۰۹) اس میں سقیفہ' بنی ساعدہ کے واقعہ' انصار کے خیالات' حضرت ابوبکرؓ کے جواب' بیعت کی کیفیت' خلافت کی حقیقت کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر کرنا ناممکن تھا اس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہین نشین ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔

جن مجمعوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں۔ ان میں ان کے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا۔ چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا۔ مترجم ساتھ کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔ (ازالتہ الخفاء صفحہ ۱۳۵ حصہ دوم)

اگرچہ اکثر برمحل اور برجستہ خطبہ دیتے تھے' لیکن معرکے کے جو خطبے ہوتے تھے ان میں تیار ہو کر جاتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ میں خوب تیار ہو کر گیا تھا۔

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھے تو دفعتہ" رک گئے اور زبان نے یاری نہ دی' اس وقت یہ عذر کیا کہ "ابوبکرؓ و عمرؓ خطبہ کے لیے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔"

نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن ان کا خود بیان ہے کہ "نکاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا۔" عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا' اس سے لوگوں نے حضرت عمرؓ کی معذوری کی وجہ پوچھی اس نے کہا۔ نکاح کے خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے عام خطبوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو تمام آدمی اس کو محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے خود بخود اس کی تقریر میں بلندی اور زور آجاتا ہے' لیکن ہمارے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ نکاح میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

پولٹیکل خطبے

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے جن مضامین پر

لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و موعظت، فخر و ادعاء قدرتی واقعات کا بیان رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی پر پیچ معاملات، خطبے میں ادا نہیں ہو سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پولٹیکل خطبے دیئے اس کے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں، لیکن اس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

خطبے کے لئے جو باتیں درکار ہیں

خطبہ کے لئے ملکہ تقریر کے علاوہ اور عارضی باتیں جو درکار ہیں، حضرت عمرؓ میں سب موجود تھیں آواز بلند اور پر رعب تھی، قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر کھڑے ہیں اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں۔ ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔ (کتاب الخراج صفحہ-٦٧)

انی لا اجد هذا المال یصلحه الا خلال ثلث ان یوخذ بالحق ویعطی بالحق ویمنع من الباطل ولست ادع احدا یظلم احدا حتی اضع خده علی الارض و اضع قدمی علی خده الاخر حتی یذعن للحق- یایها الناس ان الله عظم حقه فوق حق خلقه فقال فیما عظم من حقه و لا یامرکم ان تتخذوا الملائکة والنبیین اربابا الا و انی لم ابعثکم امراء و لا جبارین ولکن بعثتکم ائمة الهدی یهتدی بکم ولا تغلقوا الابواب دونهم فیاکل قویهم ضعیفهم-

ایک اور خطبے کے چند جملے یہ ہیں۔

فانتم مستخلفون فی الارض قاهرون لاهلها- قد نصر الله دینکم فلا تصبح امة مخالفة لدینکم الا امتان- امة مستبعدة للاسلام و اهله یتجرون لکم- علیهم المؤنة ولکم المنفعة امة ینتظرون وقائع الله و سطواته فی کل یوم و لیلة قد ملا الله قلوبهم رعبا- قد دمتهم جنود الله و نزلت بساحتهم مع رفاهة العیش واستفاضة المال و تتابع البعوث و سد الثغور الخ، (ازالتہ الخفاء ماخذ از تاریخ طبری)

حضرت عمرؓ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ ان فقروں پر ہوتا تھا۔

اللهم لا تدعنی فی غمرة ولا تاخذ نی علی غرة ولا تجعلنی مع الغفلین

(عقد الفرید خطبات عمر)

قوت تحریر قوت تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی ان کو کمال تھا۔ ان کے فرامین، خطوط، دستور العمل، توقیعات، ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں جو جس مضمون پر ہے اس باب میں بے نظیر ہے، چنانچہ ہم بعض بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام

اما بعد فان للناس نفرة عن سلطانھم فاعوذ باللّٰہ ان تدرکنی و ایاک عمیاء مجھولة و ضغائن مجھولة و اھواء متبعة کن من مال اللّٰہ علیه حذر و خوف الفساق و اجعلھم یدا یدا و رجلا رجلا واذا کانت بین القوم ثائرة یا لفلان فانما تلک نجوی الشیطان فاضربھم بالسیف حتی یفیؤ الی امر اللّٰہ ویکون دعوتھم الی الاسلام۔

ایک اور تحریر ابو موسیٰؓ کے نام

امابعد فان القوة فی العمل ان لا توخروا عمل الیوم لغد فانکم اذا فعلتم ذلک تدارکت علیکم الاعمال فلم تدروا بھا تاخذون فاضعتم۔

عمرو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا تو انہوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی۔ حضرت عمرؓ نے تاکید لکھی، عمرو بن العاصؓ نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا۔ یہ تحریریں مقریزی نے تاریخ مصر میں بعینہ نقل کی ہیں۔ ان کے لکھنے سے حضرت عمرؓ کے زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض فقرے ایسے ہیں۔

وقد علمت انه لم یمنعک من ذلک الا ان عمالک عمال السوء اتخذوک کھفا و عندی باذن اللّٰہ دواء فیه شفاء انی عجبت من کثرة کتبی الیک فی ابطائک بالخراج و کتابک الی بثنیات الطرق عما اسئلک فیه۔ فلا تجزع ابا عبد اللّٰہ ان یوخذ منک الحق و تعطاه فان النھر یخرج الدر۔

مذاق شاعری شعروشاعری کی نسبت اگرچہ ان کی شہرت عام طور پر کم ہے اس میں شبہ نہیں کہ شعر بہت کم کہتے تھے، لیکن شعروشاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخی زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا۔ عرب کے اکثر مشہور شعرا کا کلام کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں۔ اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا۔ علامہ ابن

رشیق القیروانی کتاب العمدہ میں جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے' لکھتے ہیں۔

وکان من انقد اهل زمانه للشعر و انقدهم فيه معرفة	یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے۔

كان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر	یعنی عمر ے بن خطابؓ اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔ (کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر صفحہ-۹۷)

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کی تھی ان لوگوں نے حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی' حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے' حکم قرار دیا اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمرؓ خود شعر فہم نہ تھے۔ اس لئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے' یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی تھی کہ وہ بد زبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے' ورنہ شعر کے دقایق ان سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔ (دیکھو کتاب البیان و التبیین للجاحظ صفحہ-۹۷ و کتاب العمدہ باب تعرض الشعراء)

حضرت عمرؓ زہیر کو اشعر الشعراء کہتے تھے

حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا' لیکن تین شاعروں کو انہوں نے سب میں انتخاب کیا تھا۔ امراء القیس' زہیر' نابغہ' ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعر الشعراء کہتے تھے۔ اہل عرب اور علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انہیں تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی' جریر بھی اسی کا قائل تھا۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے' حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو۔ عبداللہ بن عباسؓ نے کہا وہ کون؟ فرمایا "زہیر" انہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا ریمارک

لانه لا يتبع حشوى الكلام ولا يعاظل من المنطق و لا يقول الا ما يعرف ولا يمتدح الرجل الا بما يكون فيه

وہ (زہیر) نامانوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور اسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اس میں ہوتے ہیں۔

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اذا بتدرت قيس بن غيلان غاية　　من المجد من يسبق اليها يسود

ولو كان حمد يخلد' الناس لم تمت　　ولكن حمد الناس ليس بمخلد

ناقدین فن نے زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اس کی زبان ایسی شائستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔

زہیر کا ممدوح' ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا۔ اتفاق یہ ہے کہ زہیر اور ہرم دونوں کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو' اس نے ارشاد کی تکمیل کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا ہے' اس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہو گیا اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے۔" زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیئے تھے کیا ہوئے؟ اس نے کہا بوسیدہ ہو گئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کئے تھے زمانہ اس کو بوسیدہ نہ کر سکا۔

نابغہ کی تعریف زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار ان کو یاد تھے۔ امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب سے بڑھ کر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے۔ فرمایا یہ شعر کس کا ہے؟

الا سليمان اذا قال الا له له　　قم فى البرية فاحدرها عن الفتد

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

اتینک عاریا خلقا ثیابی علی خوف تظن بی الظنونا

لوگوں نے کہا نابغہ کا، پھر پوچھا یہ اشعار کس کے ہیں؟

حلفت فلم اترک لنفسک ریبة ولیس وراء اللہ للمرء مذهب

لوگوں نے کہا نابغہ کے، فرمایا یہ شخص اشعر العرب ہے۔ (آغانی تذکرۂ نابغہ)

امراء القیس کی نسبت ان کی رائے بایں ہمہ وہ امراء القیس کی استادی اور ایجاد مضامین کے منکر نہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے شعراء کی نسبت ان کی رائے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سابقهم خسف لهم عین الشعر وہ سب سے آگے ہے اسی نے شعر کے چشمے

وافتقر عن معان عور اصح بصر سے پانی نکالا۔ اسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا۔

اخیرہ فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امراء لقیس یمنی تھا اور اہل یمن فصاحت و بلاغت میں کم درجہ پر مانے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمرؓ کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ (کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء)

شعر کا ذوق . حضرت عمرؓ کے ذوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لے لے کر پڑھتے تھے، ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے، یہ شعر آیا۔

و ان الحق مقطعه ثلاث یمین او نفار او جلاء

تو حسن تقسیم پر بہت محفوظ ہوئے اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے۔ ایک دفعہ عبدۃ ابن الطیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر پھڑک اٹھے اور دوسرا

والمرء ساع لامر لیس ید رکه و العیش شخ و اشفاق و تامیل

مصرع بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابو قیس بن الاصلت کا قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرا کئے۔ [1]

حفظ اشعار اگرچہ ان کو مہمات خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے۔

---

[1] یہ تمام روایتیں جاحظ نے کتاب البیان و التبیین صفحہ ۹۷، ۹۸ میں نقل کی ہیں)

علمائے ادب کا بیان ہے کہ ان کے حفظ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے۔

جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خودداری' آزادی' شرافت نفس' حمیت' عبرت کے مضامین ہوتے تھے۔ اسی بناء پر امرائے فوج اور عمال اضلاع کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ کو یہ فرمان بھیجا۔

مر من قبلک بتعلم الشعر فانه یدل علی معالی الاخلاق و صواب الرای و معرفة الانساب	لوگوں کو اشعار یاد کرنے کا حکم دو کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں۔

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اس کے یہ الفاظ تھے۔ (ازالتہ الخفاء صفحہ۔ ۱۹۳)

علموا اولادکم العوم الفر دسیة وروؤهم ما سار من المثل و حسن من الشعر

اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھلاؤ اور ضرب المثلیں اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیئے اس وقت تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعرا شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس رسم کو مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی۔ اسی طرح ہجوگوئی کو ایک جرم قرار دیا اور حطیئہ کو جو مشہور ہجوگو تھا' اس جرم میں قید کیا۔

<u>لطیفہ</u> بنو العجلان' ایک نہایت معزز قبیلہ تھا ایک شاعر نے ان کی ہجو لکھی' انہوں نے حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی' حضرت عمرؓ نے کہا وہ اشعار کیا ہیں؟ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اذا الله عادی اهل لوم ورقة فعادی بنی العجلان رهط بن مقبل	اللہ تعالیٰ اگر کمینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو ہجو نہیں بلکہ بددعا ہے اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہ کرے۔ انہوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

قبیلنهم لا یغدرون بذمة و لا یظلمون الناس حبة خردل	یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا۔" حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

ولا یردون الماء الا عشیة — یہ لوگ چشمے یا کنوئیں پر صرف رات کے وقت

اذ ا صدرلوراد عن کل منھل — جاتے ہیں۔ جب اور لوگ واپس آچکتے ہیں۔

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بے کس اور کمزور لوگ ایسا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا کہ بھیڑ سے بچنا تو بہت اچھی بات ہے۔ انہوں نے آخر یہ شعر پڑھا

وما سمی العجلان الا لقولھم — اس کا نام عجلان اس لئے پڑا کہ لوگ اس

خذ القعب احلب ایھا العبد واعجل — سے کہتے تھے کہ ابے او غلام پیالہ لے اور جلدی سے دودھ لا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "سید القوم خادمھم۔"

علم الانساب علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا' حضرت عمرؓ کا خانہ زاد علم تھا۔ یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا۔ ان کے باپ خطاب مشہور نساب تھے۔ حضرت عمرؓ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ خطاب کے باپ نفیل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ ان واقعات کو ہم حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔ لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں' اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔

عبرانی زبان سے واقفیت قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ روایت سے ثابت ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی نسخہ کی طرف ہی رجوع کرنا پڑتا تھا اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے اس لئے یہود پڑھ کر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

کان اھل الکتاب یقرء ون النوراۃ بالعبرانیۃ ویفسرونھا بالعربیۃ لاھل الاسلام — یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

مسند داری میں روایت ہے کہ "ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کیا' وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ (مسند داری مطبوعہ کانپور صفحہ-۶۲)

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ اکثر شریک ہوتے تھے ان کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔ (کنزالعمال بروایت بیہقی وغیرہ جلد اول صفحہ-۲۳۳)

حضرت عمرؓ کی نقادی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے' اسی قدر ان کے بیہودہ افسانوں اور قصوں سے نفرت ہوتی گئی نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نہایت سختی سے ان کو پڑھنے سے روکا۔

ذہانت و طباعی ان کی ذہانت و طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ ان کے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر علمی کمالات میں اوپر گزر چکا' لیکن ان کی معمولی بات بھی ذہانت و طباعی سے خالی نہیں چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کو جب انہوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو دس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب و داب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو واپس بلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کو اس آیت کا مصداق بنائے۔ (تاریخ طبری واقعہ عزل عمار یاسر)

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلهم آئمة ونجعلهم الوارثین	ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں احسان کریں اور ان کو امام اور زمین کا وارث بنائیں۔

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا مانگتے سنا کہ "الٰہی! مجھ کو فتنوں سے بچانا۔" فرمایا کیا تم یہ

چاہتے ہو کہ اللہ تم کو آل اولاد نہ دے۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ-۲۰۵) (قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آل و اولاد کو فتنہ کہا ہے۔)

انما اموالکم واولادکم فتنۃ

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں قصر ہے یا نہیں؟ اس کی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہیں' اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے هو الذی یسیرکم فی البر والبحر

وہ (اللہ) وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے۔

حکیمانہ مقولے

اتنے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ میں کثرت سے نقل کئے ہیں۔ نمونے کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

من کتم سرہ کان الخیار فی یدہ	جو شخص راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔
اتقوا من تبغضہ قلوبکم	جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔
اعقل الناس اعذرھم للناس	سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کر سکتا ہو۔
لا توخر عمل یومک الی غدک	آج کا کام کل پر اٹھا نہ رکھو۔
ابت الدراھم الا ان یخرج اعناقھا	روپے سر اونچا کئے بغیر نہیں رہتے۔
ما ادبر شئی فاقبل	جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی۔
من لم یعرف الشر یقع فیہ	جو شخص برائی سے بالکل واقف نہیں وہ برائی میں مبتلا ہوگا۔
ما سالنی رجل الا تبین لی فی عقلہ	جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

واعظ سے خطاب کر کے

لا یلھک الناس عن نفسک اقلل من الدنیا تعش حراً ترک الخطیۃ اسھل	لوگوں کی فکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ' دنیا تھوڑی سی لو تو آزادانہ بسر کرو گے' توبہ کی

من معالجة النوبة۔
لی علی کل خائن امینان الماء والطین۔ لو ان الصبر والشکر بعیران ما بالیت علی ایهما رکبت۔
رحم اللہ امراء اهدی الی عیوبی

تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے' ہر بددیانت پر میرے دو داروغے متعین ہیں' آب و گل۔ اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اس کی نہ پرواہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں' اللہ اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تحفے میں بھیجتا ہے' (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے)

صائب الرائے ہونا رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اس کی نسبت یہ خیال ہے تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو ان کا گمان ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری باب اسلام عمر) اس سے زیادہ اصابت رائے کی کیا دلیل ہو گی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں۔

اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے سے قائم ہوا نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں' کسی نے ناقوس کا نام لیا' کسی نے ترہی کی رائے دی' حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے' آنحضرتؐ نے اسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں' چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ موثر اور موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔

اسیران بدر اسیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمرؓ نے جو رائے دی وحی اسی کے موافق آئی۔

ازواج مطہراتؓ کا پردہ آنحضرتؐ کی ازواج مطہراتؓ پہلے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو اس پر بارہا خیال ہوا اور انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا' لیکن آنحضرتؐ وحی کا انتظار فرماتے تھے' چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔

منافقوں پر نماز جنازہ عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا جب مرا تو آنحضرتؐ نے خلق نبوی کی بناء پر اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی' حضرت عمرؓ نے شدت سے منع کیا

کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اس پر یہ آیت اتری ولا تصل علی احد منھم یہ تمام واقعات صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمرؓ ہی کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدون مرتب ہوا' ورنہ حضرت ابوبکرؓ اور زید بن ثابتؓ (کاتب وحی) دونوں صاحبوں نے پہلے اس تجویز سے مخالفت کی تھی۔

تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں اور صحابہؓ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض موقعوں کے عموماً حضرت عمرؓ ہی کی رائیں صائب نکلیں۔ ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہؓ متفق الرائے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ [1] ایک حضرت عمرؓ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے ان کی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصہ لگاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ دونوں صاحبوں نے امہات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا' حضرت عمرؓ نے مخالفت کی' ان تمام واقعات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں۔

قابلیت خلافت کی نسبت حضرت عمرؓ کی رائے

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کون اس بارگراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہر ایک سے متعلق خاص خاص رائیں دیں اور وہ سب صحیح نکلیں۔

نکتہ سنجی اور غور رسی

وہ ہر کام میں غور و فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے' ان کا قول تھا کہ

لا یعجبنکم من الرجال طنطنة یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سن کر دھوکے میں نہ آو۔

---

[1] قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب استشار الناس فی السواد حین افتتح فرای عامتھم التقسیم" دوسری جگہ لکھتے ہیں "ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و جماعة المسلمین ارادوا عمر بن الخطاب ان تقسیم الشام الخ' کتاب مذکورہ صفحہ-۱۵)

اکثر کہا کرتے تھے۔

لا تنظروا الی صلوۃ امراء ولا صیامہ ولکن انظروا الی عقلہ و صدقہ — یعنی آدمی کی نماز روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھو۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے کسی کی تعریف کی' فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اس نے کہا نہیں' پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اس نے کہا نہیں' فرمایا کہ تو تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں۔ ؎۱ احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہی تھی کہ اکثر محدثین جس کو زاہد و پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبدالکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الروایت شخص تھا اس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا کہ

غرنی بکثرۃ جلوسہ فی المسجد — یعنی اس بات نے مجھ کو دھوکہ دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا۔ (فتح المغیث صفحہ ۱۳۸)

مذہبی زندگی دن کو مہمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی۔ اس لئے عبادت کا وقت رات کو مقرر کیا تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلیں پڑھتے رہتے جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وامر ھلک بالصلٰوۃ (موطا امام مالک)

فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے' لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ آیتیں پڑھتے' عبداللہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورہ یوسف اور سورہ حج پڑھی تھی۔ یونس' کہف' ہود کا پڑھنا بھی ان سے مروی ہے۔

نماز نماز جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اس کو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام آپڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اس کو انجام دیتے۔ ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو چکی تھیں کہ ایک شخص صف سے نکل کر ان کی طرف بڑھا وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ ؎۲ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو تو تب نماز پڑھو۔ بعض

؎۱ یہ قول ازالتہ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۱۹۷ میں نقل کیا ہے۔ ؎۲ ازالتہ الخفاء بحوالہ مصنف بن ابی شیبہ صفحہ ۹۰۔

اوقات جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود ان کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوتا ہوں اور فوجیں تیار کیا کرتا ہوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے نماز میں بحرین کے جزیرہ کا حساب کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے کہ آیت فلیعبدوا رب ھذا البیت آئی تو کعبہ کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ نماز میں اس قدر اشارہ کرنا جائز ہے۔ (ازالتہ الخفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ-۹۳) بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اس وقت پہنچے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں بازار سے آرہا تھا کہ اذان سنی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔

روزہ ابوبکر بن شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے، لیکن انہیں کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم الدہر ہے تو اسے مارنے کے لئے درہ اٹھایا۔ (ازالتہ الخفاء صفحہ-۱۰۲)

حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابوموسیٰ! تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سرابر پر چھوٹ جائیں، نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب" ابوموسیٰؓ نے کہا نہیں میں تو اس پر ہرگز راضی نہیں، ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ امید ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں۔" مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

ظلوم نفسی غیر انی مسلم اصلی الصلوۃ کلھا را صوم	میں نے اپنی جان پر ظلم کیے ہیں ہاں اتنا ہے کہ مسلمان ہوں اور نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں۔

بے تعصبی حضرت عمرؓ اگرچہ مذہب کی مجسم تصویر تھے، لیکن زاہد منقش نہ تھے۔ ہمارے علماء عیسائیوں کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت امام بخاریؒ اور امام شافعیؒ نے روایت کی ہے۔ (ازالتہ الخفاء صفحہ-۸۸ جلد دوم) توضامن ماء جی به من عند نصرانیة بغوی کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے توضاء عمر من ماء فی جر نصرانیة (ازالتہ الخفاء صفحہ-۱۳۸) یعنی حضرت عمرؓ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا۔ بغوی نے حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پنیر بناتے ہیں اس کو کھاؤ۔ (ازالتہ الخفاء صفحہ-۷۳ جلد دوم) عیسائیوں وغیرہ کا کھانا آج کل مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گزر ہو تو عیسائی اس کو تین دن مہمان رکھیں۔ آج غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے، لیکن حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایہ کو نہ بھولے، چنانچہ ان کی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہؒ صاحب نے اس امر کو حضرت عمرؓ کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمہ (یعنی وہ عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے) کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے، چنانچہ شاہ صاحبؒ کے خاص الفاظ یہ ہیں۔ "وازاں جملہ آنکہ باحسان اہل ذمہ تاکید فرمود۔" (کتاب الخراج صفحہ-۷۸، ۷۹)

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے افسروں کو عیسائیوں کو ملازم رکھنے سے بھی منع کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی ان روایتوں کو قبول کیا ہے، لیکن جس شخص نے محب طبری کی کتاب (ریاض النضرة) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ ان کی روایتوں کا کیا پایہ ہے۔ ان بزرگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ عراق، مصر، شام کا دفتر مالگزاری جس قدر تھا سریانی و قبطی وغیرہ میں تھا اور اس وجہ سے دفتر مالگزاری کے تمام عمال مجوسی یا عیسائی تھے۔ ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمرؓ نے تو فن فرائض کی ترتیب اور درستی کے لئے ایک رومی عیسائی کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تھا، چنانچہ علامہ بلاذری نے اس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بتصریح لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ابعث الینا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا — ہمارے پاس ایک رومی کو بھیج دو جو فرائض کے حساب کو درست کر دے۔

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ مکرمہ نہیں جا سکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں غیر مذہب والے بے تکلف مکہ مکرمہ جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے، چنانچہ قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کئے ہیں۔ (صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ صفحہ-۶۵۱) آج کل یورپ والے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں اسلام کی تصویر خلفائے راشدینؓ کے حالات کے آئینہ میں نظر آ سکتی ہے۔

علمی صحبتیں حضرت عمرؓ کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی۔ ایک دن صحابہ بدرؓ (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں رسول اللہؐ کے ہمراہ تھے) مجلس میں جمع تھے، حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہؓ کی طرف خطاب کر کے کہا اذا جاء نصر اللہ والفتح سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا اللہ نے حکم دیا کہ جب فتح حاصل ہو تو اللہ کا شکر بجا لائیں۔ بعض بالکل چپ رہے۔

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا، انہوں نے کہا "اس سے آنحضرتؐ کی وفات کی طرف اشارہ ہے، یعنی اے محمدؐ! جب فتح و نصر آ چکی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے۔ اس لئے تو اللہ کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ، بے شبہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا خیال ہے۔ (صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ صفحہ-۶۵۱)

ایک اور دن صحابہؓ کا مجمع تھا، عبداللہ بن عباسؓ بھی شریک تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس آیت کے معنی پوچھے ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ لوگوں نے کہا اللہ زیادہ جانتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس لاحاصل جواب پر غصہ آیا اور کہا کہ نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہئے کہ نہیں معلوم۔ عبداللہ بن عباسؓ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے لیکن کم عمری کی وجہ سے جھجکتے تھے حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو۔" عبداللہ بن عباسؓ نے کہا خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے چونکہ جواب ناتمام تھا، حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ اس آدمی کی تمثیل ہے

جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجا لائے اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے۔ (صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ ص ۶۵۱)

ایک دفعہ مہاجرین صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عمرؓ کے سامنے آئے' حضرت عمرؓ نے سزا دینی چاہی انہوں نے کہا کہ قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ پر سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے۔" پھر یہ آیت

لیس علی الذین امنوا و عملوا الصلحت جناح فیما طعموا	یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھایا پیا ان پر الزام نہیں

استدلال میں پیش کر کے کہا کہ "میں بدر' خندق' حدیبیہ اور دیگر غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہا ہوں' اس لئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کئے۔" حضرت عمرؓ نے صحابہ کی طرف دیکھا۔ عبداللہ بن عباسؓ بولے کہ یہ معافی پچھلے زمانہ کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی' ان کے اور اعمال اگر صالح ہیں تو ان پر کچھ الزام نہیں اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے۔ (ازالتہ الخفاء بحوالہ روایت امام حاکم ص ۲۱۳)

یایھا الذین امنوا انما الخمرو المیسر والا نصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ

ارباب صحبت جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور اس میں وہ نو عمر اور معمروں کی تمیز نہیں کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے۔[۱]

وکان القراء اصحاب مجالس عمرو مشاورته کھولا کانوا او شبانا	یعنی حضرت عمرؓ کے اہل مجلس اور اہل مشورت علماء تھے' خواہ بوڑھے ہوں یا جوان

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو منقح ہوا اور فقہ عمرؓ کہلاتا ہے' انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس کے بڑے بڑے ارکان ابی ابن کعبؓ زید بن ثابتؓ عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباسؓ عبدالرحمٰن بن عوف' حر بن قیسؓ تھے۔ حضرت عمرؓ ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے تو امتیاز مراتب کے

۱۔ صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۶۹ بغوی نے زہری سے روایت کی ہے کان مجلس عمر منقافی القراء (ازالتہ الخفاء صفحہ ۱۱۹)۔

لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے یعنی پہلے قدمائے صحابہ آتے پھر ان سے قریب والے وعلی ھذا لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص ان لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا تاہم یہ حکم دیا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں؛ یعنی جو کچھ کہنا ہو سب کے بعد کہیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے۔ مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے۔ حضرت عمرؓ ان کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ "علم سن کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہے۔" ؂۱ عبداللہ بن عباسؓ اس وقت بالکل نوجوان تھے' ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہؓ نے شکایت کی حضرت عمرؓ نے ان کی خصوصیت کی وجہ بتائی اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا۔ جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباسؓ اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی قدر کرتے تھے۔ ۲۱ھ میں جب ان کو کوفہ کا مفتی اور افسر خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ "میں ان کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ ان کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں۔" بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعودؓ نے حل کیا تو ان کی شان میں فرمایا۔

کیف ملئی علما — یعنی ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص ان کا ہمسر نہ تھا' تاہم وہ اہل کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے۔ جس طرح خورد بزرگ کے ساتھ پیش آتے تھے علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ابی بن کعبؓ کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے' ابی نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اٹھ گیا۔" زید بن ثابتؓ کو اکثر اپنی غیر حاضری میں اپنا جانشین کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر ان کو عطا کرتے تھے۔ ؂۲ اسی طرح ابو عبیدہؓ سلمان فارسیؓ عمیر سعد' ابو موسی اشعریؓ سالمؓ ابو درداءؓ عمران بن حصینؓ وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بناء پر مقرر کئے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں۔ ابو ذر غفاریؓ جنگ بدر میں شریک نہ تھے لیکن ان کا روزینہ اصحاب بدر کے برابر مقرر کیا تھا اس بناء پر کہ وہ فضل و کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔

؂۱ ازالۃ الخفاء بحوالہ بغوی صفحہ ۱۱۹۔ ؂۲ سیرۃ العمرین لابن الجوزی۔

اہل کمال کی قدردانی ان کی قدردانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے عمیر بن وہبؓ الجمحی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اس بناء پر مقرر کیا کہ وہ پر خطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔۱۔ خارجہ بن حذافہؓ اور عثمان بن ابی العاص کے وظیفے اس بناء پر مقرر کئے کہ خارجہؓ بہادر اور عثمانؓ نہایت فیاض تھے۔۲۔

لطیفہ ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جس قدر شعراء ہیں ان کے وہ اشعار جو انہوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں لکھوا کر بھیجو۔ مغیرہ نے پہلے اغلبؓ عجلی کو بلوایا اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی' اس نے یہ شعر پڑھا۔

لقد طلبت هنيا موجودا ارجزا	تم نے بہت آسان چیز کی فرمائش کی ہے بولو'
تريد امه قصيدا	قصیدہ چاہتے ہو! یا رجز؟

پھر لبیدؓ کو بلا کر یہ حکم سنایا' وہ سورہ بقرہ لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بارے مجھ کو یہ عنایت کیا ہے مغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی' وہاں سے جواب آیا کہ اغلبؓ کے روزینے میں گھٹا کر لبیدؓ کے روزینے میں پانسو کا اضافہ کر دو' اغلبؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا یہ صلہ ہے! حضرت عمرؓ نے لبیدؓ کے اضافہ کے ساتھ اس کی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔

اس زمانہ میں جس قدر اہل کمال تھے' مثلاً شعراء خطبا' نساب' پہلوان بہادر سب ان کے دربار میں آئے اور ان کی قدر دانی سے مشکور ہوئے اس زمانے کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو ابو بکر صدیق کے زمانے میں حضرت خالدؓ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا اس واقعہ نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچایا تھا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرثیے کہا کرتا جس طرف نکل جاتا' زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس سے مرثیہ پڑھوا کر سنتے۔ مرثیہ پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا تھا اور سب کو رلاتا جاتا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی اس نے چند اشعار پڑھے اخیر کے شعر یہ تھے۔

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶۔

۲۔ کنزالعمال جلد دوم صفحہ ۳۱۷۔

وكنا كند مانى جذيمة حقبة
من الدهر حتى قيل لن يتصدعا
فلما تفرقنا كانى و مالكا
لطول اجتماع لم نبت ليلة معا

ایک مدت تک ہم دونوں جذیمہ (ایک بادشاہ کا نام ہے) کے ندیموں کے مثل رہے' یہاں تک کہ لوگوں نے کہا اب یہ جدا نہ ہوں گے پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے تو گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی

حضرت عمرؓ نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زیدؓ کا مرثیہ کہتا۔ اس نے کہا۔ "امیر المومنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو میں ہرگز اس کا ماتم نہ کرتا۔" حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ متمم جیسی میری تعزیت کسی نہیں کی۔

اسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ خنساء تھی اس کا دیوان آج بھی موجود ہے' جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے' علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آج تک خنساء کا مثل نہیں پیدا ہوا حضرت عمرؓ نے اس کو کعبہ میں روتے اور چیختے دیکھا' پاس جا کر تعزیت و تسلی کی اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تنخواہیں اس کے نام جاری کر دیں۔

پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طلیحہ بن خالدؓ اور عمرو بن معدی کربؓ تمام عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دونوں کو اپنے دربار میں بار دیا اور قادسیہ کے معرکہ میں جب ان کو بھیجا تو سعد وقاصؓ کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں۔ عمرو بن معدی کربؓ پہلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر بھی تھے حضرت عمرؓ اکثر ان سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمرو معدی کربؓ نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقروں میں جواب دیئے اس کو اہل عرب نے عموماً اور مسعودی نے مروج الذہب میں بتفصیل لکھا ہے۔ چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا

اخوک و ربما خانک — یعنی تیرا بھائی ہے لیکن کبھی دغا دے جاتا ہے

پھر تیروں کی نسبت پوچھا تو کہا

برد المنایا تخطئی و تصیب — یعنی موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی بھٹک جاتے ہیں۔

ڈھال کی نسبت کہا۔ علیہ تدور الدوائر اسی طرح ایک ایک ہتھیار کی نسبت عجب عجب بلیغ فقرے استعمال کئے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا اور حضرت عمرؓ نے ان کی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لئے۔

متعلقین جناب رسول اللہ کا پاس و لحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمرؓ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدارج میں سب سے مقدم آنحضرتؐ کے تعلقات کے قرب و بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنو ہاشم سے شروع کیا اور اس میں بھی حضرت عباسؓ و حضرت علیؓ کے ناموں سے ابتداء کی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرتؐ سے نسبت میں قریب بنو امیہ تھے۔ پھر بنو عبدالشمس و بنو نوفل، پھر عبدالعزی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجے میں پڑتا تھا۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحابؓ بدر تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے۔ لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں، رسولؐ اللہ کی ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ نے عذر کیا۔ تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔[1]

حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی ابتدائے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر رنجی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینے تک حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر بیعت نہیں کی، چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ الزہراؓ کا انتقال ہو چکا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا۔ لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں، کیونکہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔[2]

---

[1] یہ تمام تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۲۴، ۲۵ میں ہے۔ [2] بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں کراھیتہ لمحضر عمر۔

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علیؓ کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی' چنانچہ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہیں کے ہاتھ میں دے کر گئے۔ اتحاد اور یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ام کلثوم کو جو فاطمہ الزہراؓ کے بطن سے تھیں ان کے عقد میں دے دیا۔ چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

اخلاق' عادات' تواضع و سادگی

ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں مورخوں نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور درحقیقت ان کی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں ان کی زندگی کی تصویر کا ایک رخ یہ ہے کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے خالدؓ و امیر معاویہؓ سے باز پرس ہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ ابو موسیٰ اشعریؓ عمرو بن العاصؓ کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتا ہے' سر پر پھٹا سا عمامہ ہے پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لئے جا رہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی نہیں ہے یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں اس لئے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے۔ (صحیح بخاری ص ۳۸۷ باب الزہد)

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا جہاں ٹھہرے۔ کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں پڑ رہے ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا' جس کے کم و بیش ۱۰ آنے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ احنف بن قیس روسائے عرب کے ساتھ ان سے ملنے کو گئے دیکھا تو دامن چڑھائے ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں' احنف کو دیکھ کر کہا کہ آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے۔" ایک شخص نے کہا امیر المومنین! آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا۔ فرمایا

ای عبد اعبد منی۔ یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔

موطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضائے حاجت کے لئے سواری سے اترے' اسلمؓ ان کا غلام بھی ساتھ تھا' فارغ ہو کر آئے تو (بھول

کر یا کسی مصلحت سے) اسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے' ادھر اہل شام استقبال کو آ رہے تھے' جو آتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں حیرت سے سرگوشیاں کرتے تھے' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کی نگاہیں عجمی شان و شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں؟)

ایک دفعہ خطبہ میں کہا کہ "صاحبو! ایک زمانے میں میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا وہ اس کے صلے میں مجھ کو چھوہارے دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا۔" یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کیا بات تھی۔ فرمایا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آ گیا تھا یہ اس کی دوا تھی۔

۲۳ھ میں سفر حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ انکی سطوت و جبروت کا آفتاب' نصف النہار پر آ گیا تھا' سعید بن المسیبؒ جو ایک مشہور تابعی گزرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے' انؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جب ابطح میں پہنچے تو سنگریزے سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال دیا' اور اسی کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اے خدا! میری عمر اب زیادہ ہو گئی۔ اب قویٰ کمزور ہو گئے' اب مجھ کو دنیا سے اٹھا لے۔ ۱

زندہ دلی اگرچہ خلافت کے افکار نے ان کو خشک مزاج بنا دیا تھا۔ لیکن یہ ان کی طبعی حالت نہ تھی کبھی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رات بھر اشعار پڑھوایا کئے جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ اب قرآن پڑھو۔" محدث ابن الجوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک طرف سے گانے کی آواز آئی' ادھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے ایک دفعہ سفر حج میں حضرت عثمانؓ' عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ ہم سنوں کے ساتھ چہل کرتے تھے اور حنظل کے دانے اچھالتے چلتے تھے حضرت عمرؓ صرف اس قدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائیں لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فرمائش کی وہ حضرت عمرؓ کے خیال سے رکے لیکن جب حضرت عمرؓ نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباح نے گانا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ بھی سنتے رہے جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ "بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے۔۲" ایک دفعہ سفر حج میں ایک سوار گاتا جاتا

۱۔ موطاء امام محمد ص ۳۰۴۔ ۲۔ ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۶۔

تھا۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ نہ آپ اس کو منع کرتے' فرمایا کہ "گانا شتر سواروں کا زادراہ ہے۱۔" خوات بن جبیر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر میں' میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا' ابو عبیدہؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی ہمرکاب تھے' لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گا' حضرت عمرؓ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ اپنے اشعار گائیں' چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۲۔

مزاج کی سختی مزاج قدرتی طور پر نہایت تند' تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا' جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قہر مجسم تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اس کا اثر نہیں گیا۔

غزوہ بدر میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا' ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے' اس لئے اگر ابو البختری یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا' ابو حذیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ' بیٹے' بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے' واللہ اگر عباسؓ مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کا مزہ چکھاؤں گا' آنحضرتؐ کو ان کی یہ گستاخی ناگوار گزری' حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو گئے اور کہا "اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں۔" حذیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے انہوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی' یہ راز کھل گیا' حضرت عمرؓ برافروختہ ہو کر آنحضرتؐ کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا ہے' مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کر دوں' آنحضرتؐ نے فرمایا ابن خطاب! تجھ کو کیا معلوم ہے۔ خدا نے شاید اہل بدر سے کہہ دیا ہو تم جو چاہو کرو۔ میں سب معاف کر دوں گا۔ ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرت سے گستاخانہ کہا۔ "عدل اختیار کر۔" حضرت عمرؓ غصے سے بیتاب ہو گئے اور چاہا کہ اس کو قتل کر دیں لیکن آنحضرتؐ نے منع کیا۔

ان واقعات سے تم کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر ان کی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی' اور کافر تو کافر' خود مسلمانوں کے ساتھ ان کا کیا سلوک تھا' لیکن اسلام کی برکت اور عمر کے انحطاط اور خلافت کی مہمات نے ان کو رفتہ رفتہ نرم اور حلیم بنا دیا یہاں تک کہ

۱۔ ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۹۸۔ ۲۔ ازالۃ الخفاء بحوالہ عمر صفحہ ۲۰۸۔

خلافت کے زمانے میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے' آج مسلمانوں سے مسلمان نہیں کرتے۔

آل و اولاد کے ساتھ محبت ان کی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں قرائن سے اس قدر ثابت ہے کہ وہ ازواج و اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ ان کو بالکل شغف نہ تھا۔ جس کی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی جس قدر عزت کرنی چاہیے نہیں کرتے تھے صحیح بخاری باب اللباس میں خود ان کا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں تاہم ہم ان کو معاملات میں بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔" اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو سخت سست کہا' انہوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اس پر کہا اب تمہارا یہ رتبہ پہنچا وہ بولیں کہ تمہاری بیٹی تو رسول اللہ سے دو بدو ایسی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی ایک بیوی جمیلہ تھیں ان کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے کہ حضرت عمرؓ نے کسی وجہ سے ان کو طلاق دے دی۔ یہ حضرت ابو بکرؓ کا زمانہ تھا اور حضرت عمرؓ قباء سے جہاں پہلے رہا کرتے تھے اٹھ کر مدینے میں آ گئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قباء کی طرف جا نکلے عاصم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے' حضرت عمرؓ نے ان کو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور ساتھ لے جانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی وہ آن کر مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے میں اپنے پاس رکھوں گی۔" جھگڑا طول کھینچا اور وہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاں فریادی آئیں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لیے وہ مجبور ہو گئے' یہ واقعہ موطا امام مالک وغیرہ میں مذکور ہے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا جیسا کہ اور بزرگوں کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی ان کو غیر معمولی محبت نہ تھی' البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ جب ان کی خدمت میں آتا تو فرمائش کرتے ک زید کا مرثیہ کہو مجھ کو تمہارے جیسا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔

مسکن حضرت عمرؓ نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں' مکہ سے جب ہجرت ک

تو عوالی میں آ کر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے' لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آ کر رہے یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل' باب السلام اور باب الرحمتہ کے بیچ میں واقعہ تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچ کر ان کا قرض ادا کیا جائے چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس کو خریدا اور زر قیمت سے قرض ادا کیا گیا اس لئے یہ مکان مدت تک دار القضاء کے نام سے مشہور رہا۔۱۔

وسائل معاش تجارت معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا' چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیذان کی لاعلمی کا انہوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں پہنچ کر ابو بکرؓ و عمرؓ کو جاگیریں عطا کیں' خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔

جاگیر حضرت عمرؓ کے حصے میں جو زمین آئی اس کا نام ثمغ تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں قلم بند کرلئے تھے' یہود بنی حارثہ سے بھی ان کو ایک زمین ہاتھ آئی اور اس کا نام بھی ثمغ تھا لیکن انہوں نے یہ دونوں زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دیں۔۲۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے۔ وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں' یہ زمین نہ بیچی جائے گی' نہ ہبہ کی جائے گی نہ وراثت میں منتقل ہو گی' جو کچھ اس سے حاصل ہو گا وہ فقراء ذوالقربیٰ غلام' مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

مشاہرہ خلافت کے چند برس بعد انہوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی' اس پر حضرت علیؓ کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی۔ جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر

۱۔ دیکھو خلاصتہ الوفا' فی اخبار دارا المصطفےٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۹ اور حاشیہ موطا امام محمد صفحہ ۲۷۲۔ ۲۔ خلاصتہ الوفاء لفاظ ثمغ۔

ہوئے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ ان کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

زراعت معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اول اول زراعت بھی کی تھی لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دے دیتے تھے۔ تخم خود مہیا کرتے تھے اور کبھی اس کا بہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا' چنانچہ صحیح بخاری باب المزارعۃ میں یہ واقعہ بتصریح موجود ہے۔

غذا غذا نہایت سادہ تھی' معمولا روٹی اور روغن زیتون دستر خوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی لیکن آٹا اکثر چھانا نہیں جاتا تھا عام القحط میں جو کا التزام کر لیا تھا کبھی کبھی متعدد چیزیں دستر خوان پر ہوتی تھیں' گوشت' روغن زیتوں' دودھ' ترکاری' سرکہ' مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس لباس بھی معمولی ہوتا تھا' اکثر صرف قمیص پہنتے تھے برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ بھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے جوتی عربی وضع کی ہوتی تھی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے معلوم ہوا کہ پہننے کے کپڑے نہ تھے اس لئے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے ڈال دیا تھا خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ رہبانیت اور تقشف کو پسند کرتے تھے۔ اس باب میں ان کی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے ان سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا' حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا چھوٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان ہوا اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو نہ پراگندہ ہو کر رہنا چاہئے۔ نہ پٹیاں جمانی چاہئیں۔" حاصل یہ کہ نہ بیہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے نہ راہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ حلیہ یہ تھا۔ رنگ گندم گوں، قد نہایت لانبا یہاں تک کہ سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو ان کا قد سب سے لانبا تھا۔ رخسارے کم گوشت، گھنی داڑھی، مونچھیں بڑی بڑی، سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جو جو نئی باتیں ایجاد کیں ان کو مورخین نے یکجا لکھا ہے اور ان کو اولیات[1] سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ہم ان کے حالات کو انہیں اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول آخر **نسبتے** دارد۔

۱۔ بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔

۲۔ عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔

۳۔ تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

۴۔ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

۵۔ فوجی دفتر ترتیب دیا۔

۶۔ والنٹیروں کی تنخواہوں مقرر کیں۔

۷۔ دفتر مال قائم کیا۔

۸۔ پیمائش جاری کی۔

۹۔ مردم شماری کرائی۔

۱۰۔ نہریں کھدوائیں۔

۱۱۔ شہر آباد کرائے یعنی کوفہ، بصرہ، جیزہ، فسطاط، موصل۔

۱۲۔ ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔

۱۳۔ عشور یعنی دہ یکی مقرر کی اس کی تفصیل صیغہ محاصل میں گزر چکی ہے۔

۱۴۔ دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کئے۔

۱۵۔ حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

۱۶۔ جیل خانہ قائم کیا۔

۱۷۔ درہ کا استعمال کیا۔

---

[1] اس میں اکثر اولیات کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری اور تاریخ طبری سے یکجا مزکور ہیں۔ باقی جستہ جستہ موقعوں سے یکجا کی گئی ہیں۔

۱۸۔ راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

۱۹۔ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

۲۰۔ جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

۲۱۔ گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔

۲۲۔ پرچہ نویس مقرر کئے۔

۲۳۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات بنوائے۔

۲۴۔ راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کیلئے روزینے مقرر کئے۔

۲۵۔ مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

۲۶۔ یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جا سکتے۔

۲۷۔ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔

۲۸۔ مکاتب قائم کئے۔

۲۹۔ معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کئے۔

۳۰۔ حضرت ابو بکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔

۳۱۔ قیاس کا اصول قائم کیا۔

۳۲۔ فرائض میں عدل کا مسئلہ ایجاد کیا

۳۳۔ فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔ چنانچہ موطا امام مالک میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

۳۴۔ نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔

۳۵۔ تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔

۳۶۔ شراب کی حد کے لئے اسی ۸۰ کوڑے مقرر کئے۔

۳۷۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

۳۸۔ بنو ثعلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔

۳۹۔ وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

۴۰۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔

۴۱۔ مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا اور ان کی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔

۴۲۔ اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

۴۳۔ مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

۴۴۔ ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

۴۵۔ غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔ ان کے سوا اور بہت سی ان کی اولیات ہیں جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

ازواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کئے پہلا نکاح عثمان بن مظعونؓ کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعونؓ سابقین صحابہ میں تھے، یعنی اسلام لانے والوں میں ان کا چودھواں نمبر تھا۔ ۲ھ میں وفات پائی اور جناب رسول اللہ کو ان کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ان کے لاشہ کو بوسے دیتے تھے اور بے اختیار روتے جاتے تھے عثمانؓ کے دوسرے بھائی قدامہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے زینب مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ میں مریں، حضرت عبدؓاللہ اور حضرت حفصہؓ انہی کے بطن سے ہیں۔

دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں جو آنخضرتؐ کی زوجہ مبارک ام سلمہ کی بہن تھیں، چونکہ یہ اسلام نہیں لائیں اور مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں، اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ میں ان کو طلاق دے دی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جروال الخزاعی تھیں۔ ام کلثوم بھی کہتے ہیں یہ بھی اسلام نہیں لائیں اور اس وجہ سے ۶ھ میں ان کو بھی طلاق دے دی۔ عبیداللہ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے اور ملیکہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں، مدینہ میں آ کر انصار میں قرابت پیدا کی یعنی ۷ھ میں عاصم بن ثابت بن ابی الا فلح جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے ان کی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آنخضرتؐ نے بدل کر جمیلہ نام رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی۔

اخیر عمر میں ان کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں۔ جو مزید شرف اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ جناب امیرؓ سے حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی، جناب

ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے سبب سے انکار کیا۔ لیکن جب عمرؓ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جناب امیرؓ نے منظور فرمایا اور ۱۷ھ میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔۱؎

حضرت عمرؓ کے اور بیویاں بھی تھیں، یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزومی۔ فکیہہ یمینہ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ حضرت عمرؓ کی چچیری بہن تھیں، ان کا نکاح پہلے حضرت ابوبکرؓ کے فرزند عبداللہؓ سے ہوا تھا اور چونکہ نہایت خوبصورت تھیں۔ عبداللہ ان کو بہت چاہتے تھے عبداللہؓ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے عاتکہ نے نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے

۱؎ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتمد مورخوں نے بتفصیل لکھا ہے علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں ابن حبان نے کتاب الثقاۃ میں ابن قتیبہ نے معارف میں ابن اثیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمر کی زوجہ تھیں ایک دوسری ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں میں مورخوں نے صاف تفریق کی ہے علامہ طبری اور ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گزری ہیں اور ان سے بڑھ کر تاریخی واقعات کے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے وہ خاص عبارتیں اس موقع پر نقل کرتا ہوں، ثقات بن حبان ذکر خلافۃ عمر واقعات ۱۷ھ میں ہے ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وھی من فاطمۃ و دخل بھا فی شھرذی العقدہ معارف بن قتیبہ ذکر اولاد عمر میں ہے فاطمہ و زید و امنھا ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسد الغابہ فی احوال الصحابہ لا بن الاثیر میں جہاں حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ ان کی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی جا بجا تصریح کی ہے جس کو ہم تطویل کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر حضرت ام کلثوم کا ذکر آ گیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ عورتوں کو چادریں تقسیم کیں، ایک بچ رہی اس کی نسبت ان کو تردد تھا کہ کس کو دی جائے ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا یا امیر المومنین اعط ھذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النبی عندک یریدون ام کلثوم (صحیح بخاری باب الجہاد مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۴۰۳) اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں خاندان نبوت سے تھیں۔

فالیت لاتنفک عینی حزینة
علیک ولا ینفک جلدی اغبرا

میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تیرے اوپر غمگین رہے گی اور بدن خاک آلود رہے گا۔

حضرت عمرؓ نے ۱۲ھ میں ان سے نکاح کیا۔ دعوت ولیمہ میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے۔

حضرت عمرؓ کے اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفصہؓ اس لئے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہیں اور ان کا نکاح پہلے خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا' جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو وہ ۳ھ میں جناب رسول اللہ کے عقد میں آئیں ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے ان سے یہ حدیثیں روایت کی ہیں ۴۵ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

اولاد ذکور اولاد ذکور کے یہ نام ہیں۔ عبدؓاللہ' عبیدؓاللہ' عاصم' ابو شحمہ عبدالرحمٰن' زیدؓ مجیرؓ' ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں۔

عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبدؓ اللہ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں بخاری و مسلم میں ان کے مسائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں' وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں آنحضرتؐ کے ہمرکاب رہے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں' اور ابن حلکان نے وفیات الاعیان میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے' جس سے ان کے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت بیباک تھے' ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا۔ عین اسی حالت میں انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ "یہ میرا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے۔" چنانچہ اس کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی متعین کیا۔ جس نے ان کو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ دے دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہ سے آکر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں' آپ آمادہ ہو جایئے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔" انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

سالم بن عبداللہ حضرت عبداللہ کے بیٹے سالم فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے

ان سات فقہا میں محسوب ہیں جن پر حدیث و فقہ کا مدار تھا اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا' سالم کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے یہ نام ہیں۔ خارجہ بن زید' عروہ بن الزبیر۔ سلیمان بن یسار' عبیداللہ بن عبداللہ' سعید بن المسیب' قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں' اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر زر کہتے ہیں۔ یعنی اول وہ حدیث جس کی روایت کے سلسلے میں امام مالک نافع' عبداللہ بن عمر ہوں دوسری وہ حدیث جس کے سلسلہ میں زہری سالم اور عبداللہ بن عمرؓ واقع ہوں۔ امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ ہی کے گھرانے کے ہیں عبداللہ اور ان کے بیٹے سالم اور نافع غلام تھے۔

عبیداللہ حضرت عمرؓ کے دوسرے بیٹے عبیداللہ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور تھے۔

عاصم تیسرے بیٹے عاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے ۷ ھ میں جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے

فلیت المنایا کن خلفن عاصما — کاش موت عاصم کو چھوڑ جاتی۔ تاکہ ہم سب
فعشنا جمیعا اوذھبن بنا معا — ساتھ رہتے یا لے جاتی تو سب کو لے جاتی۔

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے اور خوب شعر کہتے تھے چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ "شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے لیکن عاصم اس سے مستثنیٰ ہیں۔" حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز انہیں کے نواسے تھے۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمرؓ کے پوتوں' پڑپوتوں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے۔ لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ

لیس من اللہ بمستنکر خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے
ان یجمع العلم فی واحد کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے

حضرت عمرؓ کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے دنیا میں اور جس قدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں، ان کی مفصل سوانح عمریاں پہلے سے موجود ہیں یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمرؓ کا کوئی ہم پایہ گزرا ہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاتح تھا۔ لیکن حکیم نہ تھا، ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے۔ لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے۔ لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمرؓ کے حالات اور مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو تو صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی ----- مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی تیمور بھی تھے اور نوشیراں بھی، امام ابو حنیفہ بھی تھے اور ابراہیم ادہم بھی

سب سے پہلے حکمرانی اور کشور ستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا میں جس قدر حکمران گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہہ میں کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ

اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعتہ" فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا اکبر کے پردے میں ابو الفضل اور ٹوڈر مل کر کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شام برامکہ کے دم سے تھی، لیکن حضرت عمرؓ کو صرف اپنے دست و بازو کابل تھا۔ خالد کی عجیب و غریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کونسا پرزہ نکل گیا ہے سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو ایسا وہم ہو چلا تھا' وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پابند نہ تھے وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا اور جہاں چاہا لگا دیا مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لئے۔

دنیا میں کوئی حکمران ایسا نہیں گزرا جس کو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل و انصاف کی حد سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نوشیرواں کو زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے، لیکن اس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو' اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے۔ وہاں مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے اور اس لئے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی۔ قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے نا آشنا تھی۔ خود حضرت عمرؓ نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گزارا تھا۔ ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع انتظام محاصل صیغہ عدالت' فوج داری اور پولیس۔ پبلک ورکس تعلیمات' صیغہ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمرؓ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا۔

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جس کی معاشرت یہ ہو کہ قمیض میں دس دس پیوند لگے ہوں۔ کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو۔ فرش خاک پر پڑ رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا چلا جاتا ہو۔ اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو' درو دربار' نقیب و چاؤش' حشم و خدم کے نام سے نا آشنا نہ ہو۔ اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکلب میں لے کر نکلتے تھے۔ جب ان کا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروق کے سفر شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش میں آ گیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اس شغل میں بسر کرتے تھے۔ مثلاً عبداللہ بن عباسؓ زید بن ثابتؓ ابو ہریرہؓ عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمرؓ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو۔ صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آئے گا۔ زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین اور آئمہ فن پیدا ہوئے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ شافعی۔ بخاری۔ غزالی۔ رازی لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمرؓ نے جس باب میں جو کچھ ارشاد کیا اس پر کچھ اضافہ ہو سکا؟ مسئلہ قضاء و قدر تعظیم شعائر اللہ حیثیت نبوت احکام شرعیت کا عقلی و نقلی ہونا احادیث کا درجہ اعتبار خبر آحاد کی قابلیت احتجاج احکام خمس و غنیمت پر مسائل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں اور آئمہ فن نے ان کے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے۔ لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو حضرت عمرؓ نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا۔ تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام آئمہ فن نے ان کی پیروی کی یا انحراف کیا تو اعلانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے بعد اور کون شخص ان کا ہم پلہ مل سکتا ہے؟ زہد و قناعت' تواضع و انکسار' خاکساری و سادگی' راستی و حق پرستی' صبر و رضا' شکر و توکل' یہ اوصاف ان میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے' کیا لقمان' ابراہیم ادہمؒ ابو بکر شبلیؒ معروف کرخی میں اس سے بڑھ کر پائے جا سکتے ہیں؟

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمرؓ کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کملات) کو نہایت

خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں۔
سینہ فاروق اعظم رابمنزلہ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد۔ در ہر درے صاحب کمالے نشستہ دریک در مثلاً سکندر ذوالقرنین باں ہمہ سلیقہ ملک گیری وجہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعدا درد دیگر نوشیروانے باں ہمہ رفق ولیں و رعیت پروری و دادگستری (اگرچہ ذکر نوشیرواں در مبحث فضائل حضرت فاروقؓ سوء ادب است) و درد دیگر امام ابو حنیفہؒ یا امام مالک باں ہمہ قیام بہ علم فتویٰ و احکام و درد دردیگر مرشدے مثل سیدی عبدالقادر جیلانیؒ یا خواجہ بہاؤ الدین و درد دیگر محدثے بروزن ابوہریرۃ وابن عمرؓ درد دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطارو مردماں گرد اگر وایں خانہ استادہ اند۔ وہر محتاجے حاجت خودرا از صاحب فن درخواست می نمایدو کامیاب می گردد۔

شبلی نعمانی
مقام کشمیر
۵ جولائی ۱۸۹۸ء

کیمیائے سعادت

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی وہ لافانی کتاب ہے۔ جو صدیوں سے نہایت دلنشیں اور مؤثر انداز میں دینِ اسلام کا مکمل و بھرپور تعارف کرا رہی ہے ہر وہ خوبی جو انسان کی دنیوی زندگی کو وقار، حسن اور سلیقہ سکھاتی ہے اور آخرت کی بھلائیاں عطا کرتی ہے —— اور ہر وہ برائی جو انسان کو اشرف المخلوقات کے مقام بلند سے گرا کر حیوانات کی سطح پر لے آتی اور عاقبت کو مخدوش بنا دیتی ہے اس پر اس کتاب میں نہایت تفصیل اور خوبی سے بحث کی گئی ہے۔ دنیا و آخرت کی فلاح کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔

معروف عالم اور ادیب جناب سعید الرحمٰن علوی نے اسے براہ راست فارسی سے ترجمہ کیا ہے۔

آج کا کیا ہوا یہ ترجمہ پرانے تراجم کے مقابلے میں بہت سلیس اور عام فہم ہے۔ اور یہی ترجمے کی جدت اس کتاب کی بڑی خوبی ہے۔ "کیمیائے سعادت" کی اشاعت کو دنیوی اور اخروی سعادت تصور کرتے ہوئے ہم نے اس کی کتابت اور طباعت نہایت روشن اور واضح کروائی ہے۔ اور کاغذ سفید استعمال کیا ہے۔ جس کی بدولت کتاب سے استفادہ کرنا بہت آسان ہو گیا ہے ——

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور